امام جعفر صادقؑ

اور اُن کا عہد

تحریک فروغ فکر آئمہؑ

مجموعۂ مقالات

اس کتاب میں درج ذیل موضوعات پر علمی و فقہی مقالات شامل ہیں۔

(۱) استخارہ کی شرعی حیثیت (۲) دنوں اور تاریخوں کا نیک و بد ہونا۔
(۳) سید زادی کا غیر سید سے نکاح وغیرہ

مصنفہ
ڈاکٹر محسن نقوی
تحریک فروغِ فکر آئمہ
B 343 /13 فیڈرل بی ایریا کراچی

سنّت و بدعت

اسلام تمام مومنین سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ قرآن و سنت پر عمل کریں اور تمام امور میں آئمہ علیہم السلام کی سیرت کو پیشِ نظر رکھیں یہی سنت پر عمل ہے۔ ہمارے زمانے میں بدعتیں بہت پھیل گئی ہیں جن کی شناخت کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

مصنفہ
ڈاکٹر محسن نقوی
تحریک فروغِ فکر آئمہؑ
B 343/13 فیڈرل بی ایریا کراچی

نام کتاب ... ... امام جعفر صادقؑ اور ان کا عہد
مصنف ... ... ڈاکٹر محسن نقوی
کمپوزنگ ... ... دار الثقافۃ الاسلامیہ
ٹائٹل ... ... جناب دلاور مرزا
ترتیب و تحسین ... ... شبیہ الحسن نقوی
تعداد ... ... ایک ہزار
ادارت ... ... تحریک فروغ فکر آئمہؑ
13/B 343 فیڈرل بی ایریا
کراچی

فہرستِ عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	مدرسۂ جعفریہ کا قیام	۷۳
	کیفیتِ مدرسہ و تدریس	۸۵
۱۴	اعتقادات کے بارے میں آپ کی تعلیمات	۸۸
	نفی رویت باری تعالیٰ - قدرتِ الٰہیہ	۸۸
	جبر و تفویض - کیا قرآن مخلوق ہے؟	۹۲
	وعدہ و وعید - فرقہ زیدیہ کے دو عقائد کی نفی	۱۰۸
۱۵	ایمان کے بارے میں حضرت کا تفصیلی فرمان	۱۱۲
۱۶	امام صادقؑ اور تربیتِ اصحاب	۱۲۱
	آپؑ کے چند خاص اصحاب کا تفصیلی ذکر	۱۲۲
۱۷	فقہی مدارس	۱۴۴
	فقۂ حنفی اور اس کی نشو و نما	۱۴۶
	امام مالک اور فقہ مالکی	۱۶۹
	امام شافعی اور ان کا مذہب	۱۸۳
	امام احمد بن حنبل اور ان کا مذہب	۲۰۰
	امام زید بن علیؑ اور ان کی فقہ	۲۱۰
	جعفری اور زیدی فقہ میں اختلاف کی ایک مثال	۲۱۹
	فقۂ جعفریہ اور اس کی نشو و نما	۲۲۵
۱۸	امام صادقؑ اور طبعی علوم	۲۴۲
	امام صادق اور جابر بن حیان	۲۴۷
۱۹	امام صادقؑ اور سیاست	۲۵۶

فہرست ماخذ

١ ـ القرآن المجید

٢ ـ الامام الصادق ـ محمد ابی زہرۃ المصری

٣ ـ الفصول المہمہ ـ ابن صباغ مالکی

۴ ـ المناقب ـ ابن شہر آشوب

۵ ـ الصادقؑ ـ الشیخ المظفری

٦ ـ اعیان الشیعہ ـ علامہ محسن الامین

٧ ـ الکافی ـ محمد بن یعقوب کلینی

٨ ـ الوسائل ـ الحر العاملی

٩ ـ الارشاد ـ شیخ مفید

١٠ ـ وفیات الاعیان ـ ابن خلکان

١١ ـ منتہی الامال ـ شیخ عباس القمی

١٢ ـ قرب الاسناد ـ الحمیری الشیخ عبداللہ بن جعفر

١٣ ـ کشف الغمہ ـ علامہ اردبیلی

١۴ ـ اعلام الوریٰ ـ طبرسیؒ

١۵ ـ سیرۃ الائمہ الاثنی عشر ـ ہاشم معروف الحسینی

١٦ ـ مطالب السوؤل ـ کمال الدین شافعی

۱۷ - تہذیب التہذیب - ابن حجر

۱۸ - حیاۃ الامام الصادق - السبتی

۱۹ - اشعہ من حیاۃ الامام الصادقؒ

۲۰ - الخصال - الصدوقؒ

۲۱ - علل الشرائع - الصدوقؒ

۲۲ - الامالی - الصدوقؒ

۲۳ - حلیۃ الاولیاء - ابو نعیم الاصفہانی

۲۴ - الرجال - الکشی

۲۵ - ثواب الاعمال - الصدوقؒ

۲۶ - المحاسن - البرقیؒ

۲۷ - کشف الحقائق - مظہر حسن سہانپوری

۲۸ - بحار الانوار - المجلسیؒ

۲۹ - الامالی - الطوسیؒ

۳۰ - عیون اخبار الرضا - الصدوقؒ

۳۱ - صحیح الکافی - علامہ باقر البہبودی

۳۲ - میزان الاعتدال - ذہبی، شمس الدین

۳۳ - تہذیب الاسماء واللغات - نووی

۳۴ - فوات الوفیات - ابن شاکر

۳۵ - الطبقات الشافعیہ - علامہ تاج الدین السبکی

۳۶ - حسن المحاضرۃ - السیوطی

۳۷ - معظم المطبوعات - دائرۃ المعارف

۳۸ - نور الابصار - مؤمن شبلنجی

۳۹ - زندگانی چہاردہ معصومؑ - عماد زادہ

۴۰ - اسعاف الراغبین - محمد صبان المصری

۴۱ - لواقح الانوار - عبدالوہاب الشعرانی

۴۲ - تذکرۃ الخواص الامہ - سبط ابن جوزی

۴۳ - الصواعق المحرقہ - ابن حجر المکی

۴۴ - جامع المسانید - امام ابوحنیفہ

۴۵ - مناقب ابی حنیفہ - الموفق بن احمد

۴۶ - تذکرۃ الحفاظ - الذہبی

۴۷ - التحفہ الاثنی عشریہ - عبدالعزیز المحدث

۴۸ - المجالس السنیہ - علامہ محسن الامین

۴۹ - مناہج التوسل

۵۰ - رسائل الجاحظ حسین السندوبی

۵۱ - صحاح الاخبار - سراج الدین الرفاعی

۵۲ - تاریخ التشریع الاسلامی - علامہ محمد الخضری بک

۵۳ - دائرۃ المعارف - فرید وجدی

۵۴ - الشیعہ بین الاشاعرۃ والمعتزلہ - ہاشم معروف الحسینی

۵۵ - الملل والنحل - شہرستانی

۵۶ - الملل والنحل - ابن حزم

۵۷ ۔ الامام الصادق والمذاہب الاربعہ۔ علامہ اسد حیدر
۵۸ ۔ المذاہب الاسلامیہ۔ ابوزہرۃ المصری
۵۹ ۔ الفرق بین الفرق۔ عبدالقاہر البغدادی
۶۰ ۔ لغات الحدیث۔ علامہ وحید الزمان
۶۱ ۔ الانتصار۔ ابوالحسین عبدالرحیم الخیاط
۶۲ ۔ مقالات الاسلامیین۔ ابوالحسن اشعری
۶۳ ۔ مروج الذہب۔ علامہ مسعودی
۶۴ ۔ تاریخ معتزلہ۔ علامہ جاراللہ
۶۵ ۔ رجال صحیح بخاری۔ الکلاباذی
۶۶ ۔ تقریب التہذیب۔ حافظ ابن حجر
۶۷ ۔ کتاب الجمع بین رجال الصحیحین۔ محمد بن طاہر المقدسی
۶۸ ۔ النعمان۔ علامہ شبلی نعمانی
۶۹ ۔ مناقب ابی حنیفہ۔ ابن بزاز الکردی
۷۰ ۔ تاریخ بغداد۔ خطیب بغدادی
۷۱ ۔ المسائل الجلیہ فی الرد علی الزیدیہ۔ شیخ مفید
۷۲ ۔ ثورۃ زید بن علی۔ ناجی حسن
۷۳ ۔ کتاب الصفوۃ۔ زید بن علی
۷۴ ۔ مصباح العلوم۔ الرصاص
۷۵ ۔ الوعد والوعید۔ یحییٰ بن الحسین
۷۶ ۔ مسائل مشورۃ للقاسم۔ القاسم بن ابراہیم الرسی

۷۷ - المسترشد فی التوحید - یحیٰ بن الحسین بن القاسم بن ابراہیم
۷۸ - الاساس فی علم الکلام عند الزیدیہ - قاسم بن ابراہیم الرسی
۷۹ - امام زید - محمد ابو زہرۃ المصری
۸۰ - البدء والتاریخ - المقدسی مطہر بن طاہر
۸۱ - الحور العین - ابو سعید نشوان بن سعید الحمیری
۸۲ - فرق الشیعہ - النوبختی
۸۳ - الذکریٰ - الشہیدؒ
۸۴ - الرجال - النجاشی
۸۵ - ضحی الاسلام - احمد امین المصری
۸۶ - البدایہ والنہایہ - ابن کثیر
۸۷ - اوجز المسالک - محدث محمد زکریا سہارنپوری
۸۸ - امام اعظم ابو حنیفہ - مفتی عزیز الرحمٰن
۸۹ - تہذیب الکمال - حافظ المزی
۹۰ - معلم کبیر (امام صادقؑ) - حسین عماد زادہ
۹۱ - التوحید - الصدوقؒ
۹۲ - مراۃ العقول - المجلسیؒ
۹۳ - اشعہ من بلاغۃ الامام الصادق - عبد الرسول الواعظی
۹۴ - دعائم الاسلام - قاضی نعمان الاسماعیلی
۹۵ - تفسیر الصافی - محسن فیض الکاشانی
۹۶ - الفہرست - الطوسی

۹۷ ۔ الخلاصہ۔علامہ حلی

۹۸ ۔ جامع الرواۃ۔اردبیلی

۹۹ ۔ معجم الادباء۔یاقوت الحموی

۱۰۰ ۔ الطبقات۔ابن سعد

۱۰۱ ۔ بغیہ الوعاۃ۔جلال الدین السیوطی

۱۰۲ ۔ شذرات الذہب۔ابن عماد الحنبلی

۱۰۳ ۔ طبقات القراء۔الجزری

۱۰۴ ۔ قاموس الرجال۔

۱۰۵ ۔ منہج المقال۔میرزا محمد الاستر آبادی

۱۰۶ ۔ لسان المیزان۔ابن حجر العسقلانی

۱۰۷ ۔ تنقیح المقال۔مامقانی

۱۰۸ ۔ الرجال۔الشیخ الطوسیؒ

۱۰۹ ۔ المراجعات۔آیت اللہ شرف الدین الموسوی

۱۱۰ ۔ عیون الاخبار۔ابن قتیبہ

۱۱۱ ۔ العقد الفرید۔ابن عبد ربہ

۱۱۲ ۔ الامام الصادق۔الشیخ المظفر

۱۱۳ ۔ خلاصہ تہذیب الکمال۔الخزرجی

۱۱۴ ۔ المعارف۔ابن قتیبہ

۱۱۵ ۔ لباب الانساب۔ابن الاثیر

۱۱۶ ۔ الکنی والالقاب۔شیخ عباس القمی

۱۱۷ - الامام جعفر الصادق - المستشار عبد الحلیم الجندی

۱۱۸ - حدائق الحنفیہ - مولانا فقیر محمد

۱۱۹ - ابو حنیفہ - ابو زہرہ المصری

۱۲۰ - حضرت ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی - مناظر احسن گیلانی

۱۲۱ - کتاب الاثار - امام ابو یوسف

۱۲۲ - کتاب الاثار - امام محمد

۱۲۳ - المختصر المختار - شیخ فضل اللہ الحائری

۱۲۴ - من لا یحضرہ الفقیہ - شیخ صدوق

۱۲۵ - التہذیب - الطوسی

۱۲۶ - الموطا - امام مالک

۱۲۷ - شرح الوقایہ - تاج الشریعہ

۱۲۸ - حسن التقاضی - محمد زاہد الکوثری المحدث

۱۲۹ - مناقب الشافعی - فخر الدین الرازی

۱۳۰ - المناقب - احمد ابن جوزی

۱۳۱ - طبقات الحنابلہ - قاضی ابن ابی یعلی

۱۳۲ - الامام احمد بن حنبل - ابو زہرہ المصری

۱۳۳ - اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ - شاہ ولی اللہ

۱۳۴ - ادب الاختلاف فی الاسلام - ڈاکٹر طہ جابر فیاض العلوانی

۱۳۵ - الانتقاء - ابن عبد البر

۱۳۶ - تزئین الممالک - السیوطی

۱۳۷ - الاصابہ فی تمییز الصحابہ - ابن حجر
۱۳۸ - محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے - تقی ندوی
۱۳۹ - جامع الترمذی - امام ترمذی - مع شرح الشاذلی
۱۴۰ - حیات امام مالک - سلیمان ندوی
۱۴۱ - المدارک - قاضی عیاض
۱۴۲ - طبقات الفقہاء - شیخ ابو اسحاق شیرازی
۱۴۳ - قرۃ العینین - شاہ ولی اللہ
۱۴۴ - الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ - عبد القادر قرشی
۱۴۵ - توالی التاسیس - ابن حجر
۱۴۶ - مشارق الانوار - العدوی
۱۴۷ - مناقب الشافعی - ابن حجر
۱۴۸ - مفتاح السعادۃ - ابن قیم
۱۴۹ - کتاب الام (الشافعی) - البویطی
۱۵۰ - قوت القلوب - ابو طالب مکی
۱۵۱ - احیاء العلوم - امام غزالی
۱۵۲ - کتاب الرسالہ - امام شافعی
۱۵۳ - معرفہ علوم الحدیث - امام حاکم
۱۵۴ - کتاب القضاۃ - الکندی
۱۵۵ - آداب الشافعی - ابی حاتم
۱۵۶ - الحدیث والمحدثون - محمد ابو زہرہ المصری

۱۵۷ - السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی مصطفیٰ السباعی
۱۵۸ - فلسفۃ التشریع الاسلامی - صبحی محمصانی
۱۵۹ - احمد بن حنبل والمحنۃ
۱۶۰ - الخلاصہ - الخزرجی
۱۶۱ - تہذیب العساکر - ابن عساکر
۱۶۲ - الحدائق الوردیہ فی مناقب الائمہ الزیدیہ - المحلی
۱۶۳ - الطبقات - ابن سعد
۱۶۴ - تاریخ الامم والملوک - الطبری
۱۶۵ - سر الانساب العلویہ - ابو النصر سھل بن عبداللہ بن داود
۱۶۶ - تاریخ فرات کوفی
۱۶۷ - الاستیعاب - ابن عبدالبر
۱۶۸ - صفوۃ الصفوۃ - ابن جوزی
۱۶۹ - المجموع فی الفقہ - امام زید بروایت ابو خالد الواسطی
۱۷۰ - المجموع فی الحدیث - امام زید بروایت ابو خالد الواسطی
۱۷۱ - الروض النضیر فی شرح مجموع الفقہ الکبیر - شرف الدین حسین الصفانی
۱۷۲ - الفصول اللؤلؤیہ - حسام الدین ابراہیم بن عبدالھادی
۱۷۳ - الشیعہ فی الاسلام - محمد حسین الطباطبائی
۱۷۴ - درر الاحادیث النبویہ - امام یحیٰ بن الحسین بن قاسم بن ابراہیم (زیدی)
۱۷۵ - رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ - ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الشافعی
۱۷۶ - المسند الامام الصادق - عطاردی

۱۷۷ ۔ دیوان۔امام شافعی

۱۷۸ ۔ اسباب اختلاف الفقہاء۔ڈاکٹر مصطفیٰ ابراہیم الزلمی

۱۷۹ ۔ مبادی الوصول۔علامہ حلی

۱۸۰ ۔ ردالسیف المفلول۔ آیت اللہ سید سبط حسین الھندی

۱۸۱ ۔ تاریخ الاسلام۔الذہبی

۱۸۲ ۔ مختصر تاریخ البلدان۔ابن فقیہ

۱۸۳ ۔ الدرۃ الثمینہ۔ابن نجار

۱۸۴ ۔ التحفہ۔السخاوی

۱۸۵ ۔ رجال صحیح مسلم۔ابن منجویہ

۱۸۶ ۔ الکاشف۔الذہبی

۱۸۷ ۔ مشاہیر علماء الامصار۔ابن حبان

۱۸۸ ۔ تاریخ ابن خلدون۔

۱۸۹ ۔ تاریخ الخلفاء۔السیوطی

۱۹۰ ۔ النجوم الزاہرۃ۔ابن تغری بردی جمال الدین الاتابکی

۱۹۱ ۔ سمط النجوم العوالی۔عبدالملک العصامی المکی

۱۹۲ ۔ عیون الادب والسیاسہ۔ابوالحسن علی الھذیل

۱۹۳ ۔ مہج الدعوات۔رضی الدین ابن طاؤس

۱۹۴ ۔ الامام الصادق۔ ملھم الکیمیاء۔ڈاکٹر ہاشمی

۱۹۵ ۔ الدلائل والمسائل۔ حبۃ الدین الحسینی الشہرستانی

۱۹۶ ۔ دائرۃ المعارف۔بطرس بستانی

پیش گفتار

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تاریخ اسلامی ہی نہیں تاریخ بشریت کی وہ قد آور شخصیت ہیں کہ جن کے کردار اور رفتار زندگانی نے اپنے عہد اور مستقبل میں انمٹ نقوش چھوڑے اور عالم بشریت تا قیامت آپ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتا رہے گا۔

آپ کی ذات ستودہ صفات پر عربی و فارسی میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور یہ لکھنے والے نہ صرف یہ کہ مذہب جعفریہ سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ غیر شیعہ۔ یہاں تک کہ غیر مذاہب کے حضرات بھی اس فہرست مصنفین یا مؤلفین میں شامل ہیں۔ فقہ و حدیث کے مجموعے، تفاسیر کے دفتر، صوفیائے کرام کی کتب، تاریخ کے صفحات، اخلاقیات کے سفینے، فن کیمیا کی کتابیں آپ کے ارشادات و بیانات سے مملو ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ اردو زبان میں امام صادق علیہ السلام کی ذات پر آپ کے شایان شان کام نہیں ہوا پھر بھی علامہ مظہر حسن سہارنپوری، اولاد حیدر فوق بلگرامی اور میرزا سلطان صاحب (رحمھم اللہ) ریٹائرڈ سیشن جج کے نگارشات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی رکھی ہوئی خشت ہائے اولین طالبان ہدایت کو اچھا خاصہ تحقیقی مواد فراہم کرتی ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظیم شخصیت پر مسلسل اور انتھک کام کرنے کی ضرورت ہے اور اگر مجھ جیسا بے بضاعت اہل خیر کی اعانت پا جائے تو علوم امام

جعفر صادق علیہ السلام پر متعدد جلدیں تیار کر سکتا ہے (کم از کم دس جلدیں) امید ہے کہ علم دوست حضرات توجہ فرمائیں گے۔

یہ چند اوراق جو ہدیہ قارئین ہیں امام صادق علیہ السلام اور ان کے عہد کی ہلکی سی جھلک پیش کرتے ہیں جن میں مخصوص انداز میں امام عالی مقام علیہ السلام کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے علمائے کرام پسند کی نگاہ سے دیکھیں گے اور کوتاہیوں سے آگاہ فرمائیں گے۔

اگر بارگاہ امامت میں یہ نذرانہ قبول ہو گیا تو یہی میرا توشہ آخرت ہوگا۔

خادم الشریعہ

ڈاکٹر محسن نقوی

حیات مبارکہ ایک نظر میں

اسم مبارک جعفرؑ

والد محترم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

دادا کا نام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

والدہ معظمہ محترمہ ام فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر

ولادت : سلسلہ امامت کا یہ چھٹا آفتاب مدینہ منورہ کی سرزمین پر ۱۷ ربیع الاول کو طلوع ہوا اس روز جمعہ یا سوموار تھا۔ سن ولادت ۸۰ھ یا ۸۳ ہجری ہے۔(باختلاف روایات)

حلیہ : آپؑ کا قد درمیانہ تھا نہ بہت لمبے تھے نہ پستہ قد' چہرہ چاند کی طرح روشن جس میں سے چراغ کی طرح شعاعیں پھوٹتی تھیں' آپ کے بال سیاہ مگر کم تھے اور ناک ستواں تھی۔ آپ کے گال پر سیاہ مسہ تھا۔۱

کنیتیں : ابو عبداللہ اور یہ سب سے مشہور کنیت ہے۔ ابو اسماعیل اور ابو موسیٰ۔

القاب : آپ کے القاب بہت ہیں جو آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے چند مشہور القاب یہ ہیں۔ الصادق یہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ الفاضل' الطاہر' القائم الکافل' المنجی' الصابر وغیرھا۔

نقش خاتم : بہت سے نقوش منقول ہیں۔ "ماشاءاللہ لاقوۃ الا باللہ"۔

"استغفر اللہ" بہت زیادہ مشہور ہیں۔

دربان : المفضل بن عمر، ۲ محمد بن سنان۔ ۳

شعراء : سید حمیری، اشجع سلمی، الکمیت، ابو ہریرہ الابار، العبدی، جعفر بن عفان۔

زوجات مطہرات : حمیدۃ بنت الصاعد المغربی، فاطمہ بنت الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب یعنی امام زین العابدین کی پوتی۔

اولاد : اسماعیل، عبداللہ، موسیٰ الکاظم، اسحاق، محمد الدیباج، العباس، علی

بیٹیاں : ام فروہ، اسماء، فاطمہ۔

آپ کی کتابیں : الشیخ المظفری تحریر فرماتے ہیں۔ "ما روی عنه بلاواسطه ثمانون کتابا وبواسطه سبعون کتابا"۔ ۴ "بلاواسطہ جو کتابیں آپ سے روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد ۸۰ ہے اور بالواسطہ کتابوں کی تعداد ۷۰ ہے (یعنی کل ۱۵۰ کتابیں منقول ہیں)

آپ کے عہد کے سلاطین : ھشام بن عبدالملک، یزید بن عبدالملک الملقب بالناقص، ابراہیم بن الولید، مروان بن محمد الملقب بالحمار۔ ان سب کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔ ابوالعباس السفاح اور ابو جعفر المنصور بنو عباس سے تھے۔

آپ کی مدت امامت ۳۴ سال ہے۔

آپ کی عمر مبارک : تمام ائمہ علیہم السلام سے زیادہ تھی اگر ولادت ۸۰ھ میں مانی جائے تو ۶۸ سال اور اگر ۸۳ھ میں تسلیم کریں تو ۶۵ سال۔

آپ کی شہادت : ۲۵ شوال ۱۴۸ھ کو ہوئی۔ والی مدینہ محمد بن سلیمان نے منصور کے حکم پر زہر دیا اس سے آپ کی شہادت ہوئی۔

خانگی حالات

امامؑ کی زندگی کا ہر پہلو پیروکاروں کے لئے درس ہدایت اور صحیفہ نور ہوتا ہے امامؑ کی سفری اور حضری دونوں زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ امامؑ ہمیں اپنے عمل سے بتاتا ہے کہ زندگی کس طرح بسر کرنی ہے اور معاشرے کے مختلف طبقات سے خواہ ان کا تعلق اندرون خانہ سے ہو خواہ بیرون خانہ سے کس طرح پیش آنا ہے۔

جہاں تک امام جعفر صادق علیہ السلام کے والد محترم کا تعلق ہے تو وہ دنیائے علم و عمل کی فرویگانہ امام محمد باقر علیہ السلام تھے جن کا لقب ہی "باقر العلم" علم کو شگافتہ کرنے والی ہستی تھا ان کی سیرت پر قلم اٹھانا تفصیل طلب ہے۔ انشاء اللہ ان پر علیحدہ کتاب تحریر کریں گے۔ اور ان کی ذات بھی محتاج تعارف نہیں البتہ آپ کی والدۂ معظمہ کے بارے میں ہم یہاں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

والدۂ معظمہ

آپ کی والدۂ معظمہ ام فروہ تھیں۔ ان کی کنیت ام القاسم بھی بیان کی گئی ہے۔ اسم مبارک ان معظمہ کا قریبہ یا فاطمہ تھا یعنی فاطمہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر اور آپ کی نانی اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھیں۔ اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے "ان ابابکر ولدنی مرتین" ابو بکر نے مجھے دو مرتبہ جنا ہے۔ ۵

ثقہ الاسلام الشیخ محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے عبدالاعلیٰ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ :

"رایت ام فروۃ تطوف بالکعبه علیها کساء متنکرۃ فاستملت الحجر بیدها الیسری، فقال لها رجل ممن یطوف یا امه الله اخطات السنه، فقالت : انا لاغنیاء عن علمک"۔۶۰

"میں نے جناب ام فروہ کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا وہ ایک بوسیدہ چادر زیب تن کئے ہوئے تھیں پس آپ نے الٹے ہاتھ سے حجر اسود کا استلام کیا تو طواف کرنے والوں میں سے ایک نے کہا : اے خدا کی بندی تو نے سنت کے خلاف کیا۔ آپ نے فرمایا : ہمیں تمہارے علم کی کوئی حاجت نہیں یعنی میں نے جو کچھ کیا ہے درست کیا ہے یہی سنت ہے یا یوں بھی جائز ہے کوئی حرج نہیں۔"

اس روایت پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ام فروہ کوئی روایتی اور دقیانوسی عورت نہیں تھیں وہ خاندان رسالت میں بیاہ کر آئی تھیں تو انہوں نے اس خانوادے کی بزرگ ہستیوں سے علم بھی حاصل کیا تھا تب ہی فرمایا کہ ہمیں تمہارے علم کی کوئی احتیاج نہیں جانتے نہیں میں شب و روز خاندان رسالت میں گزارتی ہوں۔

شیخ کلینی ؒ نے اصول کافی میں اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے خود اپنی والدہ معظمہ کے بارے میں فرمایا کہ :

"وکانت امی ممن آمنت واتقت واحسنت والله یحب المحسنین۔ قال : وقالت امی : قال ابی : یاام فروۃ انی لادعوالله لمذنبی شیعتنا فی

اليوم والليلة الف مرة لانا نحن فيما ينوبنا من الرزايا نصبر علی ما نعلم من الثواب وهم يصبرون علی مالا يعلمون" ے۷

"میری والدہ ان لوگوں میں سے تھیں جو ایمان لائیں، تقویٰ اختیار کیا اور نیکیاں کیں اور اللہ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے اور میری والدہ فرماتی ہیں کہ میرے والد نے فرمایا اے ام فروۃ میں اپنے گناہ گار شیعوں کے لئے دن رات میں ہزار مرتبہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ کیونکہ میں اپنے پر آنے والی مصیبتوں پر ثواب و عذاب کا علم رکھتے ہوئے صبر کرتا ہوں. جب کہ وہ ایسی بات پر صبر کرتے ہیں جسے وہ جانتے نہیں۔"

علامہ محسن الامین تحریر فرماتے ہیں۔ مسعودی نے اپنی کتاب اثبات الوصیہ میں لکھا ہے کہ۔

"کانت ام الصادقؑ ام فروة بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر و کان ابوها القاسم من ثقات علی بن الحسین و کانت من اتقیٰ نساء زمانها وروت عن علی بن الحسین احادیث" ے۸

"امام صادقؑ کی والدہ ام فروۃ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ آپ کے والد قاسم امام زین العابدینؑ کے قابل اعتماد صحابی تھے۔ جناب ام فروۃ اپنے زمانے کی متقی ترین خواتین میں سے تھیں انہوں نے امام زین العابدینؑ سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام کی نانی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف

ہے بعض اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر بتاتے ہیں لیکن شیخ مفیدؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے جابر بن حریث حنفی کو اطراف شرق میں حاکم بنا کر بھیجا تھا انہوں نے دو لڑکیاں ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد کی حضرتؑ کی خدمت میں روانہ کیں۔ آپؑ نے ان میں سے ایک جن کا نام شاہ زنان تھا اپنے فرزند دلبند امام حسینؑ کو عنایت کیں یہ بعد میں شہربانو مشہور ہوئیں۔ انہیں سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے دوسری کا نام گیہان بانو تھا انہیں اپنے پرورش کردہ محمد بن ابی بکر کو عنایت کیا اور قاسم بن محمد انہیں سے وجود میں آئے۔۹۔ وفیات الاعیان ابن خلکان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا جناب قاسم امام زین العابدینؑ کے خالہ زاد بھائی تھے۔۱۰۔ بہرحال اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی تھیں۔

ان معظمہ کی عظمت شان کی لئے یہی کافی ہے کہ ہمارے پانچویں امام حضرت محمد باقر علیہ السلام نے خود آپ کے والد سے آپ کی خواستگاری کی تھی۔ قرب الاسناد میں سید حمیری نے لکھا ہے کہ بزنطی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام علی رضا علیہ السلام کے سامنے جناب قاسم بن محمد اور سعید بن مسیب کا ذکر آگیا تو آپؑ نے فرمایا کہ میرے جد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے قاسم بن محمد سے اپنے رشتے کے لئے کہا تو قاسم نے حضرتؑ کو جواب دیا کہ اپنے والد محترم سے اس بارے میں رجوع کریں تاکہ آپ کی شادی کا معاملہ طے ہوسکے۔ ۱۱۔ خاتمہ المحدثین شیخ عباس قمی کہتے ہیں ان محترمہ کی وجہ سے امام صادقؑ کو ابن مکرمہ بھی کہتے ہیں۔۔۔ ۱۲

بہن بھائی

کشف الغمہ کی روایت کے مطابق امام محمد باقر علیہ السلام کے تین فرزند یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام، عبداللہ اور ابراہیم تھے اور صاحبزادی کا نام ام سلمہ تھا۔ ۱۳۔ مناقب ابن شہر آشوب کی روایت کے پیش نظر امام محمد باقر علیہ السلام کی اولادت سات ہے جن میں سے ایک امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو جعفر تھی اور ایک عبداللہ افطح ہیں یہ دونوں حضرات جناب ام فروہ کے بطن سے تھے۔ اور عبداللہ و ابراہیم ام حکیم کے بطن سے نیز علی اور ام سلمہ و زینب کی والدہ کنیز تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب زینب دوسری ام الولد سے تھیں۔ علماء کی تصریحات کے مطابق امام جعفر صادقؑ کے علاوہ دوسری اولادیں آپؑ کی زندگی میں ہی انتقال کر چکی تھیں اور نسل صرف امام جعفر صادقؑ سے ہی چلی۔۔۔ ۱۴

لیکن علماء کا اس بارے میں بھی اختلاف ہے کیونکہ انساب سمعانی وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ الافطح سے بھی اولاد چلی جو جعفری کہلاتی ہے۔ بہرحال یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

ازدواج و اولاد

آپ کی اولاد کی تعداد بعض علماء نے دس اور بعض نے گیارہ بیان کی ہے یعنی سات لڑکے اور چار لڑکیاں۔ امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام اور محمد الدیباج و اسحاق یہ دونوں ایک ماں سے ہیں اور علی جنہوں نے مامون کے عہد میں مکہ میں خروج کیا تھا، مامون نے ان پر فتح پانے کے بعد معاف کر دیا تھا اس کے بعد انہیں خراسان

بھیج دیا گیا جہاں یہ مامون کے پاس ہی رہے یہاں تک کہ سن ۲۰۳ھ میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔ مامون ان کے جنازے کو کندھے پر اٹھا کر چلا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ اگر آپ جنازہ اس طرح لے کر گئے اور واپس آئے تو آپ تھک جائیں گے' اس پر مامون نے جواب دیا کہ : قطع رحم کی یہ روایت ۲ سو سال سے قائم ہے ہم نے آج اس کی بجائے صلہ رحم کی روایت قائم کی ہے۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ ان کے ہاتھ پر اہل حجاز و تھامہ نے بیعت کر لی تھی اور ان کی حکومت بھی قائم ہو گئی تھی لیکن معتصم نے بعض معرکوں میں انہیں شکست دے کر اسیر کر لیا اور مامون کے پاس بھیج دیا' مامون نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ وہ بہت عبادت گزار تھے ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے اور جب خروج کیا تو بدن کے کپڑوں کے سوا کچھ پاس نہ تھا۔ ۱۵

جناب علی بن جعفر کے علمی مرتبے پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ امام علیہ السلام کی دوسری اولادوں میں اسماعیل الاعرج ہیں' انہیں کی طرف اسماعیلی فرقہ منسوب ہے ان کا انتقال باپ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا جیسا کہ اکثر روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز عبداللہ و عباس بھی آپ کے فرزند تھے اور صاحبزادیوں میں ام فروہ' اسماء و فاطمہ صغریٰ کے نام ملتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ام فروہ جناب اسماء کی کنیت تھی یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اور دسویں صاحبزادی فاطمہ کبریٰ تھیں۔ یہ عین ممکن ہے۔ شیخ مفیدؒ نے وضاحت کی ہے کہ اسماعیل' عبداللہ اور ام فروہ کی والدہ فاطمہ بنت الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہیں' جب کہ امام موسیٰ کاظمؑ' محمد الدیباج اور اسحاق ایک زوجہ سے ہیں جن کا نام حمیدہ البربریہ تھا۔ اور آپ کی باقی اولادیں مختلف ماؤں سے تھیں۔ آپ کے سب سے

بڑے صاحبزادے عبداللہ الافطح تھے اسی لئے آپ کو ابو عبداللہ کہا جاتا ہے۔ فرقہ افطحیہ آپ کی طرف منسوب ہے، کشف الغمہ کی ایک روایت میں یحیٰ، عباس، اسماء اور فاطمہ صغریٰ کو مختلف امہات الاولاد سے بتایا ہے۔ شیخ مفید نے تصریح کی ہے کہ اسماعیل کے بعد عبداللہ تھے۔ جو واقعہ علی بن جعفر کے حوالے سے اوپر گزرا وہ دراصل آپ کے بھائی محمد بن جعفر کا ہے اسے ہم آخر میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

ذاتی زندگی کے چند پہلو

ائمہ علیہم السلام کی زندگیوں کا ہر ہر قدم ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو صحیفہ رشد و ہدایت ہے۔ ان حضرات نے اپنی پوری پوری زندگیاں اطاعت خدا و رسولؐ میں صرف کردیں، وحی الٰہی اور تعلیمات نبوی کو ہر لحظہ پیش نظر رکھا اور کبھی بھی اس سے سر مو تجاوز نہ کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیات طیبہ کے یہ چند پہلو اس لئے پیش خدمت ہیں کہ مومنین آپ کی پیروی کریں۔

مالک بن انس کا اعتراف

جناب مالک بن انس فقیہ مدینہ کہلاتے ہیں جن کی کتاب "المؤطا" اہل سنت کے درمیان احادیث نبوی کے ابتدائی اور موثق ترین مجموعوں میں شمار ہوتی ہے محمد بن زیاد یزدی کا بیان ہے کہ میں نے فقیہ مدینہ مالک بن انس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اکثر امام جعفر صادقؑ کے پاس جایا کرتا تھا وہ میری قدر کرتے اور اپنا تکیہ میری طرف بڑھا دیتے اور فرماتے اے مالک مجھے تم سے محبت ہے۔ یہ سن کر میں

خوش ہوتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا۔ مالک کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی ذات وہ تھی کہ میں نے انہیں ہمیشہ تین حالتوں میں سے ایک میں پایا "اما مصل و اما صائم اما یقرا القرآن" یعنی یا نماز پڑھتے ہوئے یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے۔ آپ کا شمار ان بڑے عابدوں و زاہدوں میں ہوتا ہے جو ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ آپ بہت خوش گفتار، شیریں زبان پر لطف اور کثیر الفوائد شخص تھے جب آپؑ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث بیان فرماتے تو کبھی آپ کا چہرہ شگفتہ و شاداب ہو جاتا اور کبھی ایسا زرد پڑ جاتا کہ پہچانا بھی نہ جاتا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں ان کے ساتھ حج کے لئے گیا جب آپ احرام باندھنے کی جگہ سے اپنے مرکب پر سوار ہو کر چلے تو جب بھی لبیک کہنے کا ارادہ کرتے آپ کی آواز گلوگیر ہو جاتی اور آپ اپنی سواری سے گرتے گرتے بچتے" میں نے کہا فرزند رسولؐ لبیک کہئے یہ کہنا آپ کے لئے ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابن عامر! میں "لبیک اللھم لبیک" کہنے کی کیسے جسارت کروں۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب نہ مل جائے کہ "لا لبیک ولا سعدیک"۔۱۸

آپ کا لباس

علی بن یقطین کے پیش کار حفص بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو خز کا سنہری جبہ پہنے ہوئے دیکھا۔۱۹۔ کافی میں محمد بن عیسیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔۔۲۰

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام لباس اور

تزئین و آرائش پر زور دیا کرتے تھے۔ کافی میں لباس و آرائش کے متعلق مختلف ارشادات آپ سے منقول ہیں : خداوند تعالیٰ جمال و تجمل کو پسند کرتا ہے اور تنگی و اظہار غربت و کم مائیگی سے ناراض ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص پر نعمت نازل کرتا ہے تو یہ بھی چاہتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس سے ظاہر ہو۔ خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے کراہت کرتا ہوں جس پر خدا نے اپنا فضل و اکرام کیا ہو اور وہ اس کو ظاہر نہ کرے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عمدہ لباس پہنو کیونکہ خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مال حلال سے ہو۔ شیخ ابو جعفر طوسیؒ نے اپنے اسناد سے تہذیب میں روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا جمیل ہے اور تنگی و گداؤں کی صورت بنائے رکھنے کو پسند نہیں کرتا جب خدا کسی پر اپنی نعمت نازل کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس نعمت کا وہ اظہار کرے۔ عرض کی تو پھر اسے اسکے لئے کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا عمدہ و نفیس لباس پہنے، خوشبو لگائے اور اپنے گھر پختہ بنا کر آراستہ کرے اپنی عیب دار چیزوں کو ڈھانکے یہاں تک کہ قبل غروب آفتاب چراغ جلانا غربت کو دور اور رزق کو کشادہ کرتا ہے۔ ۲۱

محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے کافی میں روایت کی ہے۔

"عن الصادق علیہ السلام قال : بینا انا فی الطواف واذا رجل یجذب ثوبی واذا عباد ابن کثیر البصری فقال یا جعفر تلبس مثل ھذہ الثیاب و انت فی ھذا الموضع مع المکان الذی انت فیہ من علی" فقلت : فرقبی اشتریتہ بدینار و قد کان

علی فی زمان یستقیم له مالیس فیه ولو لبست مثل ذلک اللباس فی زماننا القال الناس هذا مرائی مثل عباد"۔ ۲۲

"امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ میں طواف میں مشغول تھا کہ ایک شخص نے میرے کپڑے کھینچے یہ عباد بن کثیر البصری تھے انہوں نے کہا اے جعفر تم ایسے مقام اور علیؑ سے اپنی اتنی قرابت داری کے باوجود ایسے عمدہ کپڑے پہنتے ہو۔ میں نے کہا کہ یہ فرقبی کپڑا (یعنی سفید پشمی) میں نے ایک دینار کا خریدا ہے۔ علیؑ جس زمانے میں تھے اس زمانے میں ویسا کپڑا پہننا بہتر تھا اور اگر میں اس زمانے میں ویسا لباس پہنوں تو لوگ کہیں گے کہ یہ عباد بن کثیر کی طرح دکھاوا کرتے ہیں۔"

اور کافی ہی میں روایت ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا۔

"اصلحک اللہ ذکرت ان علی بن ابی طالب کان یلبس الخشن ۔ لبس القمیص باربعه دراھم وما اشبه ذلک ونری علیک اللباس الجید' فقال له : ان علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیه کان یلبس ذلک فی زمان لا ینکرو لو لبس مثل ذلک الیوم لشھر به' فخیر لباس کل زمان لباس اھله"۔ ۲۳

"اللہ آپ کی اصلاح فرمائے آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کھردرا لباس پہنتے تھے ان کی قمیض چار درہم کی یا اسی طرح ہوتی تھی

جب کہ ہم آپ کے جسم پر عمدہ لباس پاتے ہیں۔ آپ نے اسے جواب دیا کہ علی ابن ابی طالبؑ جس زمانے میں ایسا لباس پہنتے تھے کوئی اسے برا نہ سمجھتا تھا اگر آپ ویسا لباس آج کل پہنتے تو اس کی شہرت ہو جاتی۔ پس ہر زمانے کا بہترین لباس اس زمانے کے لوگوں کا عام لباس ہے۔"

محمد بن حسین بن کثیر خزاز نے اپنے باپ سے روایت کی اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اپنے کپڑوں کے نیچے ایک سخت اور موٹے کپڑے کی قمیض پہنے ہوئے ہیں اور اس پر صوف کا جبہ ہے پھر اس کے اوپر ایک موٹی قمیض ہے میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا اور کہا میں آپ پر قربان لوگ صوف کے لباس کو ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ ہرگز بری چیز نہیں ہے میرے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور دادا امام زین العابدین علیہ السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنا موٹے سے موٹا لباس پہنا کرتے تھے اور ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ۲۴

آپ کی ٹوپی سے متعلق دو روایتیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

"عن الحسین بن المختار قال : قال ابو عبداللہ علیہ السلام' اتخذلی قلنسوۃ ولا تجعلھا مصبغہ فان السید مثلی لا یلبسھا"

"حسین بن مختار کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے لئے ٹوپی لا دو لیکن وہ رنگین نہ ہو کیونکہ مجھ جیسے سردار کو ایسی ٹوپی نہیں پہننی چاہئے۔"

دوسری روایت انہیں حسین بن مختار سے ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام

نے فرمایا۔

"اعمل لی قلانس بیضاء ولا تکسرھا فان السید مثلی یلبس المکسر"۔۲۵

"مجھے چند سفید ٹوپیاں بنا دو لیکن یہ گھٹی ہوئی یا اطراف سے لمبی نہیں ہونی چاہئیں کیونکہ مجھ جیسا سردار ایسی ٹوپی نہیں پہنتا۔"

بظاہر یہ دونوں روایتیں ایک ہی روایت کے دو جز ہیں جن میں امام عالی مقام نے حسین بن مختار کو سفید ٹوپیاں بنانے کا حکم دیا ہے اور انہیں طے کرکے توڑنے نیز رنگنے سے منع فرمایا ہے۔

فضل بن مدائنی سے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آپ کے ایک صحابی آئے انہوں نے دیکھا کہ آپ کی قمیض کے کالر میں پیوند لگا ہوا ہے وہ اسے مسلسل دیکھتا رہا۔ آپؑ نے اس سے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا آپ کی قمیض کا کالر دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا اچھا وہ کتاب اٹھالو اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہے۔ اس نے کتاب اٹھا کر دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا۔

"لا ایمان لمن لا حیاء لہ' ولا مال لمن لا تقدیر لہ ولا جدید لمن لا خلق لہ"۔۲۶

"جس میں حیاء نہیں اس میں ایمان نہیں' جسے اخراجات کا اندازہ نہیں اس کے پاس مال نہیں جس کے پاس پرانی چیز نہیں اس کے پاس نئی بھی نہ ہوگی۔"

یعنی جب کوئی چیز پرانی ہو جائے تب ہی نئی چیز خریدنا چاہئے۔ اب ذیل میں ہم

آپ کے لباس سے متعلق ایک واقعہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ یہ واقعہ مشہور صوفی و متزاہد سفیان ثوری اور امام صادقؑ کے درمیان پیش آیا۔ کافی میں ہے کہ۔

"مر سفیان الثوری فی المسجد الحرام فرای ابا عبداللہ علیہ السلام و علیہ ثیاب کثیرۃ القیمہ حسان' فقال : واللہ لاتینہ و لاویخنہ فدنا منہ' فقال : یابن رسول اللہ مالبس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ مثل ھذا اللباس ولا علی علیہ السلام ولا احد من آبائک' فقال لہ ابو عبداللہ علیہ السلام : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ فی زمان قتر مقتر و کان یاخذ لقترہ واقتدارہ وان الدنیا بعد ذلک ارخت عزالیھا فاحق اھلھا ابرارھا؟ ثم تلا (قل من حرم زینہ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق) و نحن احق من اخذ منھا ما اعطاہ اللہ غیر انی یا ثوری ما تری علی من ثوب انما البسہ للناس ثم اجتذب ید سفیان فجرھا الیہ ثم رفع الثوب الاعلی واخرج ثوبا تحت ذلک علی جلدہ غلیظا فقال : ھذا البسہ لنفسی وما رایتہ للناس۔ ثم جذب ثوبا علی سفیان اعلاہ غلیظ خشن و داخل ذلک ثوب لین فقال : لبست ھذا

الاعلی للناس ولبست ھذا لنفسک تسرھا"۲۷

"سفیان ثوری ایک مرتبہ مسجد حرام میں آئے تو دیکھا کہ امام صادقؑ ایک بیش قیمت عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے دل میں کہا قسم بخدا میں ان کے پاس جاکر ضرور انہیں نصیحت کروں گا پس وہ اس ارادے سے آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا یا ابن رسول اللہ اس قسم کا لباس نہ تو آنحضرتؐ نے کبھی پہنا اور نہ حضرت علیؑ نے اور نہ ہی آپ کے آباء میں سے کسی نے، آپؑ نے فرمایا رسول اکرمؐ غربت کے زمانے میں تھے اسی لئے آپ اس عہد کے اعتبار سے پہنتے تھے جب کہ اس کے بعد دنیا بدل گئی اور فراوانی آگئی تو اس کے اہل سب سے زیادہ نیک لوگ ہیں تھو پھر آپ نے یہ آیت پڑھی پوچھو اللہ کی وہ زینت جو اس نے لوگوں کے لئے نکالی ہے اور پاک چیزیں رزق کی کس نے حرام کی ہیں؟ تو اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں ہمارے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟ اے ثوری تم میرے بدن پر یہ جو لباس دیکھ رہے ہو یہ میں نے لوگوں کے لئے پہنا ہے پھر آپ نے سفیان کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا اور اوپر کا کپڑا ہٹا کے جلد پر موجود سخت کپڑا انہیں دکھایا جو اوپر کے نرم کپڑے کے نیچے تھا اور فرمایا میں یہ کپڑے اپنے نفس کے لئے پہنتا ہوں اور اوپری لباس جو تمہیں نظر آتا ہے وہ لوگوں کے لئے پہنتا ہوں پھر آپ نے سفیان کے کپڑے پکڑے اوپری لباس سخت و کھردرا تھا اور نیچے کا لباس نرم تھا آپ نے فرمایا تم نے یہ اوپری لباس لوگوں کو دکھانے کے لئے پہنا ہے اور نیچے کا اپنے نفس کے لئے تاکہ اسے خوش کرو۔"

ایسی ہی روایت رجال کشی میں سفیان الثوری سے ہے جسے ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بھی نقل کیا ہے۔۔۔۲۸

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اچھا لباس بشرط استطاعت پہننا جب کہ وہ مال حلال سے خرید اگیا ہو اللہ کی نعمتوں کے اظہار کا ایک طریقہ ہے اور کسی بھی طرح زہد و تقویٰ سے متصادم نہیں۔ عام روش کے مطابق شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے لباس پہننا ممدوح ہے لیکن اپنے نفس کو سرکشی پر آمادہ نہیں ہونے دینا چاہیے۔

فقراء و مساکین سے سلوک

امام جعفر صادق علیہ السلام فقراء و مساکین کا بہت خیال کرتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ معلی بن خنیس سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ ایک شب امام صادقؑ اپنے گھرے سے نکلے' پانی برس رہا تھا۔ آپ کا رخ بنی ساعدہ کے سائبان کی طرف تھا میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا اتنے میں آپ کی کوئی چیز نیچے گر گئی آپ نے بسم اللہ پڑھ کر دعا کی اے پروردگار جو چیز گری ہے وہ مجھ تک پلٹا دے اتنے میں میں نے بڑھ کر سلام کیا آپ نے جواب سلام کے بعد فرمایا کون؟ تم معلی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں میں آپ پر قربان۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھو جو چیز تمہیں ملے مجھے دے دو۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ٹٹول کر دیکھا تو چند روٹیاں بکھری ہوئی ملیں چنانچہ جو روٹی مجھے ملتی رہی ٹٹول ٹٹول کر میں آپ کو دیتا گیا یہاں تک کہ روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا ملا میں نے عرض کی میں آپ پر قربان کیا یہ سب اٹھا کر لے چلوں؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھے

اس کا حق زیادہ پہنچتا ہے مگر تم میرے ساتھ چلو جب ہم بنی ساعدہ کے سائبان میں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ سو رہے ہیں۔ آپ ایک ایک دو دو روٹیاں ان میں سے ہر ایک کے کپڑے کے نیچے چھپا کر رکھتے گئے یہاں تک کہ آخری شخص تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد ہم واپس ہوئے۔ میں نے عرض کی کیا یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ حق کو پہچانتے تو میں ان روٹیوں کے ساتھ نمک بھی انھیں دیتا ہے۔۲۹ کافی میں محمد بن خالد سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے۔۳۰

مہمان نوازی

ابن بکیر نے آپ کے بعض اصحاب سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادقؑ کبھی ہمیں گھی میں ڈوبی ہوئی گول گول روٹیاں اور مختلف قسم کے حلوے کھلایا کرتے تھے اور کبھی صرف سادہ روٹی اور زیتون کا روغن۔ آپ سے عرض کی گئی کہ ایسی تدبیر کیجئے کہ غذا میں اعتدال قائم ہو آپ نے فرمایا ہماری تو تمام تر تدابیر اللہ ہی کرتا ہے جب وہ کشادگی دیتا ہے تو ہم بھی کشادگی کرتے ہیں اور جب وہ تنگی اختیار کرتا ہے تو ہم بھی تنگی اختیار کرتے ہیں۔ ۳۱۔ کافی میں ابن فضال سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔۳۲

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے اپنی کتاب حلیہ الاولیاء میں امامؑ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

"الامام الناطق، ذوالزمام السابق ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام اقبل علی العبادۃ والخضوع و آثر العزلہ والخشوع"

"یعنی امام ناطق اور سب سے آگے نکل جانے والے ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام جنہوں نے عبادت اور خضوع کو قبول کیا اور خشوع و گوشہ نشینی کو اختیار کیا۔"

آگے چل کر ابو الھیاج بن بسطام سے روایت کی ہے کہ۔

"کان جعفر بن محمد یطعم حتی لا یبقی لعیاله شئی"۔ ۳۳

"آپ لوگوں کو اس قدر کھانا کھلاتے کہ اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ نہ بچتا۔"

سلیمان بن خالد کہتا ہے کہ آپ کے مہمان خانے میں ایک شخص عمال میں سے حاضر تھا بہت گوشت کا سالن اور روٹیاں آئیں سب بسم اللہ کہہ کر کھانے لگے خوب سیر ہوگئے تو وہ اٹھ گیا اور اس کے بجائے طعام برنج حاضر ہوا ہم نے عرض کی ہم تو سیر ہوگئے فرمایا یہ کوئی بات نہیں ہم کو وہی دوست رکھتا ہے جو ہمارے طعام میں سے زیادہ اور بہتر کھاتا ہے ناچار ہم نے پھر کھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس کچھ انصار کی طرف سے طعام برنج آئے تھے اس وقت سلمانؓ مقدادؓ اور ابوذرؓ موجود تھے آپؐ نے فرمایا کھاؤ انہوں نے عذر کیا تو فرمایا خوب کھاؤ کیونکہ ہمارا زیادہ دوست وہی ہے جو زیادہ سے زیادہ ہمارے پاس کھانا کھاتا ہے۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ ان حضرات نے خوب کھایا۔

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت تھا اصحاب آنحضرتؑ جمع تھے ایک کھانا آیا ویسا لطیف و لذیذ ہم نے پہلے کبھی نہ کھایا تھا بعد ازاں عمدہ اور

اعلیٰ قسم کے خرمے پیش کیے گئے جو صفائی کی وجہ سے آئینے کی طرح چمک رہے تھے۔ ہم کھانے لگے تو حاضرین میں سے ایک نے کہا "ولتسئلن یومئذ عن النعیم" یعنی یہ گوناگوں نعمتیں جو تم کھا رہے ہو ان پر بروز قیامت تم سے حساب کتاب ضرور ہوگا۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ اس سے بزرگ تر ہے کہ جو خوشگوار طعام تمہارے حلق سے اترے تم سے اس کی پوچھ گچھ کرے۔ نعیم سے اس مقام پر مراد محبت وولائے اہل بیتؑ ہے۔

محمد بن راشد ناقل ہے کہ موسم گرما میں مجھے ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ کھانے کا فخر حاصل ہوا' ایک خوان روٹیوں سے بھرا ہوا اور ایک بڑا کاسہ گوشت سے بھرا ہوا لایا گیا جس میں سے گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور فرمایا "نستجیر باللہ من النار ونعوذ باللہ من النار" یعنی ہم جہنم کی آگ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جب ہمیں اس گرمی کی تاب نہیں تو آتش جہنم کی تاب بھلا کہاں لا سکیں گے۔ آپ بار بار ان کلمات کو دہراتے تھے یہاں تک کہ کھانا ٹھنڈا ہو کر کھانے کے قابل ہو گیا پس سب نے مل کر کھایا پھر وہ خوان اٹھا لیا گیا تو کچھ کھجوریں منہ میٹھا کرنے کو آئیں وہ بھی کھائیں اور میں نے عرض کی یہ انگور و دیگر میووں کا موسم ہے فرمایا "ھذا اطیب" یہی خوب ہے۔ ۳۴

روزمرہ کی غذا

عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مرغ مسلم جس میں کھجور اور زیتون بھرا ہوا تھا کھایا۔ امامؑ نے فرمایا یہ کسی نے فاطمہ کے لئے

تحفہ بھیجا تھا اس کے بعد فرمایا اے کنیز اب روزمرہ کا کھانا لاؤ! تو وہ ثرید' سرکہ و زیتون لائی۔۔۔۳۵

احباب کو تحفہ

یونس بن یعقوب کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ایک مرتبہ میرے پاس عمدہ اور موٹی کھجوروں کا ایک پورا بھرا ہوا بورا بھیجا میں نے عرض کیا اتنی کھجوروں کا کیا کروں گا؟ فرمایا خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔۔۔۳۶

پوشیدہ طور پر سلوک

ابو جعفر خثعمی کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے ایک تھیلی دی اور کہا کہ اسے بنی ہاشم میں سے فلاں شخص کو دے دو مگر اسے یہ پتہ نہ چلے کہ یہ تھیلی میں نے تمہیں دی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں اس ہاشمی کو وہ تھیلی دینے گیا تو اس نے کہا اللہ اس بھیجنے والے کو جزائے خیر دے وہ اسی طرح برابر بھیجتا رہتا ہے جس سے ہمارا خرچ چلتا ہے مگر دیکھو کہ جعفر بن محمد کے پاس مال کثیر ہے پھر بھی وہ میرے ساتھ ایک درہم کا بھی سلوک نہیں کرتے۔۔۔۳۷

آپؑ کی بخششیں

بحار الانوار ہی میں کتاب الفنون کے حوالے سے مرقوم ہے کہ حرم مدینہ منورہ میں ایک حاجی سو گیا اور اسے یہ وہم ہوا کہ میری رقم کی تھیلی چوری ہو گئی ہے وہ اٹھا تو دیکھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایک گوشے میں نماز پڑھ رہے ہیں وہ انہیں پہچانتا نہ تھا اس نے انہیں کو پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے میری رقم کی تھیلی لی

ہے۔ آپؑ نے پوچھا اس میں کتنی رقم تھی؟ کہا ایک ہزار دینار۔ آپؑ اسے بیت الشرف اپنے ساتھ لے گئے اور ایک ہزار دینار گن کر اسے دے دیئے وہ شخص دینار لے کر گھر واپس چلا آیا تو اس نے دیکھا کہ رقم کی تھیلی تو وہ گھر چھوڑ گیا تھا حرم میں ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ اب وہ یہ رقم لے کر واپس امامؑ کی خدمت میں آیا اور بہت معذرت خواہ ہوا اور رقم واپس لوٹانے لگا آپؑ نے واپس لینے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم جو چیز کسی کو بخش دیتے ہیں وہ واپس نہیں لیتے۔ چنانچہ اس پر آپ کی اس عطا و بخشش کا بہت اثر ہوا اور اس نے کسی سے دریافت کیا یہ کون صاحب جود و کرم ہیں؟ اسے جواب ملا یہ حضرت امام جعفر صادقؑ ہیں۔ اس شخص نے یہ سنا تو کہا یہ کام واقعی خاندان رسالت و امامت کے سوا کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔

بحار ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ اشجع اسلمی حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ آپ علیل ہیں لہٰذا مزاج پرسی کرنے لگا۔ آپؑ نے فرمایا کوئی ضرورت ہو تو بیان کرو؟ یہ سن کر وہ آپ کی صحت کے لئے دعائیں مانگنے لگا۔ امامؑ نے اپنے غلام سے دریافت کیا تمہارے پاس کتنی رقم ہے اس نے کہا چار سو۔ آپؑ نے حکم دیا کہ سب اشجع کو دے دو۔

خدا ترسی

"دخل سفیان الثوری علی الصادق علیه السلام فر آه متغیر اللون، فساله عن ذلک، فقال : کنت نهیت ان یصعدوا فوق البیت، فدخلت فاذا جاریه

من جواری ممن تربی بعض ولدی قدصعدت فی سلم والصبی معها؛ فلمابصرت بی ارتعدت وتحیرت، وسقط الصبی الی الارض فمات، فما تغیرلونی لموت الصبی وانما تغیرلونی لماادخلت علیها من الرعب، وکان علیہ السلام قال لها : انت حرۃ لوجه اللّٰه، لاباس علیک مرتین"۔۳۸

"ایک دفعہ سفیان ثوری امام صادق علیہ السلام سے ملنے آئے تو دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہے سفیان نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں گھر کی چھت پر چڑھنے کو منع کرتا ہوں، جب میں گھر میں داخل ہوا تو میری ایک ملازمہ جو میرے ایک بچے کی نگہداشت کرتی ہے بچے کو لئے ہوئے سیڑھی پر چڑھی ہوئی تھی، پس جب اس نے مجھے دیکھا تو حیران ہوگئی اور کانپنے لگی اسی اثناء میں بچہ زمین پر گر کے مرگیا۔ میرا رنگ بچے کی موت سے متغیر نہیں ہوا بلکہ اس پر جو میرا رعب چھا گیا ہے اس کی وجہ سے میرا رنگ بدل گیا، پھر آپ نے اس ملازمہ سے کہا تو اللہ کی خاطر آزاد ہے تجھ پر کوئی گرفت نہیں۔ دو مرتبہ یہی فرمایا۔"

قضائے حاجت کا سلیقہ

مفضل بن قیس بن رمانہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابوعبداللہ جعفر الصادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشان حالی

بیان کی نیز دعا کی درخواست کی۔ آپؑ نے کنیز کو آواز دی کہ وہ تھیلی لے آؤ جو ابو جعفر کی طرف سے مجھے ملی ہے کنیز وہ تھیلی لے آئی آپ نے فرمایا اس میں چار ہزار دینار ہیں یہ لے لو اور اس سے اپنی حاجت پوری کرو۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر فدا ہو جاؤں میرا مطلب یہ نہ تھا بلکہ میری درخواست دعا کے لئے تھی۔۔۔
آپ نے فرمایا ہاں میں دعا بھی کرونگا' دعا ترک نہ کروں گا مگر دیکھو اپنی پریشانی اور حاجت کسی دوسرے سے بیان نہ کیا کرو ورنہ تم انکے سامنے خفیف ہو جاؤ گے۔
۳۹۔ کافی میں علی بن الحسین سے بھی اسی کے مثل روایت ہے۔۔ ۴۰

مسافر سے حسن سلوک

محمد بن زید شحام سے روایت ہے کہ مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام نے مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آدمی بھیج کر مجھے بلا لیا اور پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کی آپ کے دوستداروں میں سے ہوں۔ پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کی کوفہ کا۔ فرمایا اہل کوفہ میں سے کسی کو جانتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں بشیر نبال اور شجرہ کو۔ فرمایا ان دونوں کا تمہارے ساتھ کیا سلوک ہے؟ میں نے عرض کی ان دونوں کا سلوک میرے ساتھ اچھا نہیں ہے۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا سب سے اچھا مسلمان تو وہ ہے جو اپنے بھائیوں کے ساتھ نیک سلوک کرے' ان کی مدد کرے اور انہیں نفع پہنچائے' واللہ میں نے کوئی رات ایسی نہیں بسر کی جس میں اپنے مال کے اندر سائلین کا حق نہ رکھا ہو۔ پھر فرمایا--- اخراجات کے لئے تمہارے پاس کیا ہے؟ عرض کی دو سو درہم۔ فرمایا لاؤ مجھے دکھاؤ۔ میں نے آپ کے سامنے درہم پیش کئے تو اس میں آپ نے تیس درہم اور دو دینار کا اضاف فرمایا اور رات کا کھانا اپنے ساتھ کھانے پر زور دیا۔ چنانچہ رات کا کھانا میں نے آپ کے ساتھ ہی کھایا۔ راوی کا بیان ہے کہ دوسرے روز میں آپ کے پاس نہیں گیا تو آپ نے آدمی بھیج کر مجھے بلوایا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات تھی تم گزشتہ شب آئے کیوں نہیں؟ میں نے عرض کی آپؑ نے مجھے بلوالیا ہوتا تو میں حاضر خدمت ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا جب تک تم یہاں ہو ہمارے مہمان ہو آتے جاتے رہا کرو۔ اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ کھانے میں تمہیں کیا زیادہ پسند ہے۔ عرض کی دودھ زیادہ پسند کرتا ہوں آپ نے میرے لئے اچھی دودھ دینے والی بکری خریدی جس سے میری تواضع فرماتے رہتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں

نے ایک روز کوئی دعا تعلیم کرنے کی درخواست کی تو آپ نے دعا بھی تعلیم کی۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنی ریش مبارک پر دونوں ہاتھ رکھ کر بلند کئے اور یہاں تک بلند رکھے کہ دونوں ہاتھ آنسوؤں سے بھر گئے۔۔۔۴۱

دادودہش کا طریقہ

بندار بن عاصم سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو مجھ سے طلب حاجت کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے سب سے بڑا وسیلہ اور ذریعہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس شخص کو میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ دیتا آیا ہوں اس کے لئے اپنی دادودہش جاری رکھتا ہوں بلکہ اس کا اور زیادہ لحاظ کرتا ہوں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جس کو دس مرتبہ دے چکا ہوں اگر اس کو گیارہویں مرتبہ نہ دوں تو وہ گزشتہ دس مرتبہ کے دیئے ہوئے احسان کو بھول جاتا ہے اور ایک مرتبہ نہ دینے کو یاد رکھتا ہے نیز میں نئے حاجت مندوں کی حاجت کو بھی رد نہیں کرتا۔۔۔۴۲

ذہلی سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا احسان و عطا وہی عمدہ ہے جو سوال سے پہلے ہی کردی جائے کیونکہ سوال کے بعد اگر تم نے کسی کو کچھ دیا تو وہ احسان نہیں بلکہ وہ سائل کے عرق انفعالی کی قیمت ہے جو اس نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ رات بھر جاگا ہے' کروٹیں بدلی ہیں امید و مایوسی کے عالم میں رہا ہے اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اپنی حاجت کس کے سامنے پیش کرے بالآخر وہ بہت کچھ سوچنے کے بعد تمہارے پاس آیا پھر بھی اس کا دل لرز رہا تھا' جسم کانپ رہا تھا تم اس کے چہرے کا رنگ دیکھ رہے تھے کہ اس کو پتہ نہیں

تھا وہ تمہارے پاس سے کامیاب جائے گا یا مایوس لوٹے گا۔ ۴۳

یونس سے روایت ہے کہ اس سے کسی شخص نے بیان کیا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اکثر صدقے میں شکر دیتے تھے۔ آپ سے دریافت کیا گیا آپ شکر صدقے میں دیتے ہیں؟ فرمایا ہاں! یہ مجھے بہت زیدہ پسند ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ چیز تصدق کروں جو میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ ۴۴

بے تکلفی سے کھانا اور کھلانا

عبدالرحمن بن حجاج سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھایا تو ایک بڑے طشت میں چاول آئے ہم لوگوں نے تکلف کے ساتھ آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا آپ نے فرمایا تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا۔ اتنا تکلف نہیں کرنا چاہئے جس کے دل میں ہماری محبت زیادہ ہوگی وہ ہمارے یہاں سب سے زیادہ کھائے گا۔ یہ سن کر میں نے دسترخوان پر رکھی ہوئی طشت کو سنبھالا اور ایک طرف سے صاف کرنے لگا تب آپ نے فرمایا ہاں! اب تو تم نے تکلف بر طرف کر کے کھایا۔ ۴۵

عبداللہ بن سلیمان صیرفی سے روایت ہے کہ میں حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ہمارے لئے کھانا آیا اس میں بھنا ہوا گوشت اور دوسری چیزیں تھیں پھر ایک طبق میں چاول آئے میں نے آپؑ کے ساتھ کھانا کھایا آپ نے فرمایا اور کھاؤ۔ میں نے عرض کی مولا میں تو کھا چکا۔ آپ نے فرمایا نہیں اور کھاؤ اس لئے کہ کھانے میں بے تکلفی برتنا پختہ دوستی کی علامت ہے پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے طبق میں سے کچھ حصہ میری طرف بڑھایا اور فرمایا تمہیں میرے

کہنے سے یہ بھی کھانا پڑے گا۔ پھر میں نے وہ حصہ بھی کھایا۔۔۔۴۶

ابن ربیع سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کھانا منگوایا تو ہریسہ لایا گیا۔ آپؑ نے ہم سے فرمایا اور قریب آجاؤ تاکہ آسانی سے کھا سکو لیکن ہم لوگوں نے قدرے تکلف سے کام لیا تو آپ نے فرمایا تکلف نہ کرو اور کھاؤ اس لئے کہ کھانے ہی سے باہمی محبت کا اظہار ہوتا ہے پھر ہم لوگ اونٹ کی طرح بڑے بڑے لقمے کھانے لگے۔۔۔۴۷

عبیدہ واسطی نے عجلان سے روایت کی ہے اس کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ رات کا کھانا کھایا آپ کا یہ معمول تھا کہ بعد نماز مغربین کھانا تناول فرمایا کرتے تھے کھانے میں سرکہ' زیتون' ٹھنڈا گوشت آیا آپ نے گوشت میرے لئے چھوڑ دیا وہ مجھے کھلاتے رہے اور خود آپ نے سرکہ اور زیتون نوش فرمایا پھر دوران طعام ہاتھ روک کر فرمایا یہ ہمارا اور انبیاء کا کھانا ہے۔۔۔۴۸

سلیقہ عطاء کی تعلیم

مسمع بن عبدالملک کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ مقام منیٰ میں حضرت ابو عبداللہ جعفر الصادقؑ کی خدمت میں حاضر تھے ہم اپنے سامنے رکھے ہوئے انگور کھا رہے تھے' اتنے میں ایک سائل آیا اس نے سوال کیا آپ نے اسے انگوروں کا ایک خوشہ دینے کا حکم دیا۔ سائل نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہاں اگر درہم ہو تو دے دیجئے۔۔۔۔ آپؑ نے فرمایا تو پھر جاؤ اللہ تمہیں اور دے گا۔۔۔۔ سائل چلا گیا اور پھر واپس آکر وہی انگور کا خوشا مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ تمہیں

اور دے گا آپؑ نے اسے کچھ نہ دیا۔ پھر ایک دوسرا سائل آیا آپؑ نے اسے انگور کے تین دانے اٹھا کر دے دیئے۔ سائل نے دانے لے کر کہا خدا کا شکر ہے جس نے مجھے رزق دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا ابھی ٹھہرو جانا نہیں پھر اسے دونوں ہاتھ بھر کر انگور دیئے۔ سائل نے لے لئے اور پھر کہا اس خدا کی حمد ہے جس نے مجھے روزی دی۔ آپؑ نے فرمایا ابھی ٹھہرو جانا نہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے غلام کو بلایا اور پوچھا اب تمہارے پاس کتنے درہم باقی رہ گئے ہیں؟ اس نے جواب دیا بیس درہم۔ آپ نے وہ بھی سائل کو عنایت فرما دیئے۔ سائل نے وہ بھی لے کر کہا "پروردگار تیرا شکر گزار ہوں یہ تیری ہی عطا ہے تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔ آپؑ نے فرمایا ٹھہرو ابھی نہ جانا یہ کہہ کر آپ نے اپنی قمیض اتاری اور سائل کو عطا فرما دی اور کہا کہ اسے پہن لو اس نے کہا اس خدا کا شکر جس نے مجھے لباس پہنایا اور میرا بدن ڈھانپ دیا۔ اے ابو عبداللہ آپ کو اللہ جزائے خیر دے۔ یہ کہہ کر وہ سائل پلٹا اور چلا گیا۔ اگر وہ نہ جاتا تو آپ اس کو کچھ نہ کچھ دیتے رہتے کیونکہ ہر عطا پر وہ شکر بجا لا رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شکر ادا کرے گا تو میری عطا میں اس کے لئے اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ ۴۹ء

پابرہنہ تعزیت

محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے فروع کافی میں روایت کی ہے کہ۔

"عن یعقوب السراج قال کنا نمشی مع ابی عبداللہ علیہ السلام وھو یرید ان یعزی ذاقرابہ لہ بمولود لہ فانقطع شسع نعل ابی عبداللہ علیہ السلام فتناول

نعله من رجله ثم مشی حافیا فنظر الیه ابن ابی
یعفور فخلع نعل نفسه من رجله و خلع الشسع
منها و ناوله ابا عبدالله علیه السلام فاعرض عنه
کھیئه المغضب ثم ابی ان یقبله' ثم قال : الا ان
صاحب المصیبه اولی بالصبر علیها فمشی
حافیا حتی دخل علی الرجل الذی اتاه لیعزیه"۔۵۰

"یعقوب بن سراج کہتے ہیں کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ
جا رہے تھے وہ اپنے کسی قرابت دار کے بچے کے انتقال پر تعزیت کے
لئے جانا چاہتے تھے اتفاقاً امامؑ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا پس آپ نے
اپنے پیر سے جوتا اتار کر ہاتھ میں لے لیا اور ننگے پیر چل پڑے ابن ابی
یعفور کی نظر ان پر پڑی تو اس نے اپنا جوتا اپنے پیر سے اتارا اور اس کا
تسمہ نکال کر امام علیہ السلام کو دیا آپ نے ان کی طرف سے اس طرح
منہ پھیرا جیسے غضبناک ہوں پھر تسمہ قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے
کہا کہ صاحب مصیبت کو اس پر صبر کرنا زیادہ بہتر ہے پھر آپ پیدل چلتے
رہے یہاں تک کہ اس کے گھر پہنچے جس سے تعزیت کرنی تھی۔"

طلب رزق

آل منام کے غلام عبدالاعلیٰ سے روایت ہے کہ گرمی کا زمانہ تھا۔ ایک دن
بہت سخت گرمی تھی کہ مدینہ کی راہوں میں حضرت ابو عبداللہ جعفر الصادقؑ سے
ملاقات ہوگئی۔ میں نے عرض کی میں آپ پر قربان آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ
ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء میں سے ہیں اور آپ کا یہ

حال کہ اس شدت کی گرمی میں بھی اپنے نفس کی راحت کا سامان فراہم کرنے میں مشغول ہیں ---- آپ نے فرمایا اے عبدالاعلیٰ میں طلب رزق کے لئے نکلا ہوں تاکہ تم جیسے افراد کا دست نگر نہ رہوں --- ۵۱

غلاموں سے سلوک

حفص بن ابی عائشہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بھیجا اسکے آنے میں تاخیر ہوئی تو خود اسکی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے آپؑ نے دیکھا کہ وہ ایک جگہ پڑا سو رہا ہے آپ اسکے سرہانے بیٹھ گئے اور پنکھا جھلنے لگے جب اسکو غیر معمولی ہوا محسوس ہوئی تو وہ جاگ گیا اور آپ کو دیکھتے ہی بہت شرمندہ ہوا ---- آپ نے فرمایا بخدا تجھے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تو رات میں بھی سوئے اور دن میں بھی۔ سونے کے لئے رات بہت کافی ہے اور تیری وجہ سے دن میں ہمیں قدرے آرام ملنا چاہئے۔ --- ۵۲

مزدوری کی ادائیگی

حنان بن شعیب سے روایت ہے کہ حضرت ابو عبداللہ جعفر الصادق علیہ السلام کے باغ میں کام کرنے کے لئے ہمارے ایک گروہ کو روزانہ کی مزدوری پر رکھا گیا۔ کام کے اوقات عصر تک تھے۔ جب ہم سب لوگ کام کرکے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے غلام متعب سے فرمایا ان کا پسینہ خشک ہونے سے قبل ان کی مزدوری ادا کردو۔ --- ۵۳

صلح میں معاونت

امیر حجاج ابو حنیفہ کا بیان ہے کہ میرے داماد اور میرے درمیان ایک میراث کے سلسلے میں اختلاف تھا ادھر سے مفضل بن عمر کا گزر ہوا تو وہ کچھ دیر ہمارے پاس کھڑے رہے پھر کہا دیکھو جھگڑا نہ کرو میرے گھر آؤ۔ ہم لوگ ان کے گھر پہنچے تو چار سو درہم پر انہوں نے صلح کرادی اور یہ رقم بھی اپنے پاس سے ادا کی پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ سنو! یہ رقم میری نہیں ہے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہے اور ان کا حکم ہے کہ اگر ہمارے اصحاب میں سے دو آدمیوں میں کوئی تنازع مالی نوعیت کا ہو تو میرے مال میں سے رقم ادا کر کے ان کا جھگڑا چکا دو۔ یہ رقم دراصل ابو عبداللہ جعفر الصادقؑ کی ہے۔ ۵۴

معاشرے کا خیال

جہم بن ابی جہم کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے غلام معتب سے کہا، مدینہ میں قحط ہے اشیاء کے نرخ بہت بڑھ گئے ہیں ہمارے پاس اناج کا کتنا ذخیرہ ہے؟ معتب نے جواب دیا اتنا ہے کہ کئی مہینوں کو کافی ہو گا۔ آپؑ نے فرمایا اسے نکالو اور فروخت کر دو۔ معتب کہتا ہے کہ میں نے عرض کی مولا مگر مدینہ میں سامان خوراک بالکل نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا نہ ہو، اسے فروخت کر دو۔ جب میں نے سب فروخت کر دیا تو فرمایا اے معتب تم بھی اب اور لوگوں کی طرح روزانہ سامان خریدا کرو نیز یہ بھی فرمایا کہ ایسا کرو کہ میرے عیال کی خوراک میں نصف جو اور نصف گیہوں کر دو۔ اللہ جانتا ہے کہ میں اتنا رکھتا ہوں کہ اپنے عیال کو گیہوں کھلا دوں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ یہ بھی دیکھ لے کہ

میں معیشت میں کفایت شعاری سے کام لے رہا ہوں اور اس میں توازن پیدا کر رہا ہوں۔۔۔۵۵

آپؑ کی امامت پر نص

عقائد شیعہ کی رو سے امامت ایک کسبی نہیں بلکہ وہبی منصب ہے یعنی اس کا تعین خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے کہ امام کون ہوگا اور ایک امام دوسرے آنے والے امام کی نشاندہی کرتا ہے اسے "نص" کہتے ہیں۔ یعنی کسی امام کی امامت کے بارے میں دوسرے امام کا ارشاد۔ ذیل میں ہم امام صادق علیہ السلام کے بارے میں چند نصوص کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب الارشاد میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

۱ ۔ "قال جابر بن یزید الجعفی، سئل ابو جعفر علیہ السلام عن القائم بعلہ فضرب بیدہ علی ابی عبداللہ علیہ السلام، وقال : ھذا واللہ قائم آل محمد علیہم السلام"۔۵۶

"جابر بن یزید الجعفی کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد امام قائم کون ہوگا؟ تو آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ قسم بخدا میرے بعد یہ قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔"

۲ ۔ "قال طاھر صاحب ابی جعفر علیہ السلام : کنت عندہ، فاقبل جعفر علیہ السلام

فقال ابو جعفر علیه السلام : ھذا خیر البریہ او اخیر"۔۵۷

"امام محمد باقر علیہ السلام کے صحابی طاہرؒ کہتے ہیں کہ میں امامؑ کی خدمت میں حاضر تھا اتنے میں جعفر علیہ السلام تشریف لے آئے تو امام باقرؑ نے فرمایا یہ خیر البریہ ہے۔(یعنی نیک افراد میں سب سے بہتر)"

۳ - "وفی حدیث له علیه السلام مع الکمیت و قدساله عن الائمه علیهم السلام فقال : اولهم علی بن ابی طالب و بعده الحسن و بعده الحسین و بعد الحسین علی بن الحسین و انا ثم بعدی هذا و وضع یده علی کتف جعفر الخ"۔۵۸

"کمیت کے ساتھ امام باقر علیہ السلام کی گفتگو میں ہے کہ انہوں نے ائمہ علیہم السلام کے بارے میں پوچھا تو فرمایا پہلے علی بن ابی طالبؑ ہیں ان کے بعد حسنؑ ان کے بعد حسینؑ ان کے بعد علی بن الحسینؑ ان کے بعد "میں" اور پھر میرے بعد "یہ" اور یہ کہہ کر جعفر صادقؑ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔"

۴ - "قال نافع : قال ابو جعفر الباقر علیه السلام لاصحابه یوم اذا افتقدتمونی فاقتدوا بهذا فهو الامام و الخلیفه بعدی۔۵۹

قال ابو الصالح الکنانی : نظر ابو جعفر الی ابنه ابی عبد الله فقال : تری هذا؟ هذا من الذین قال الله تعالٰی

و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمہ و نجعلھم الوارثین" (القصص ۵)۔۶۰

"نافع کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک روز اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اگر میں تم میں نہ رہوں تو اس کی پیروی کرنا کیونکہ میرے بعد یہی امام و خلیفہ ہے ابو صالح کنانی کہتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے بیٹے جعفر صادقؑ کی طرف دیکھا تو فرمایا تم نے اسے دیکھا؟ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو زمین پر استحصال کے ذریعے ضعیف کر دیا گیا ہے ان پر احسان کریں ہم نے انہیں امام بھی بنایا اور اس زمین کا وارث بھی قرار دیا۔"

شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب عیون اخبار الرضا میں ایک طویل حدیث درج کی ہے جس کا متعلقہ حصہ یہ ہے کہ ابی نضرۃ سے روایت ہے کہ جب امام محمد باقر علیہ السلام کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے فرزند دلبند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا تاکہ اب عہدۂ امامت ان کے سپرد کردیں تو ان کے بھائی جناب زید بن علی بن الحسین علیہ السلام بھی موجود تھے آپ نے فرمایا کہ امامت ایک ایسا عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے شدہ امر ہے اور میرے بعد میرا فرزند جعفر حجت خدا ہے یہ امر الٰہی ہے جو پہلے سے طے ہے۔۶۱

"عن سدیر الصیرفی قال : سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول : ان من سعادۃ الرجل ان یکون لہ الولد، یعرف فیہ شبہ خلقہ و خلقہ و شمائلہ، و

انی لاعرف من ابنی ھذا شبہ خلقی و خلقی و شمائلی یعنی اباعبداللہ علیہ السلام"۔ ۶۲

"سدیر الصیرفی سے روایت ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو کہتے سنا کہ آدمی کی سعادت میں سے یہ ہے کہ اس کا ایک ایسا بیٹا ہو جو شکل و صورت اور اخلاق میں باپ کے مشابہ ہو اور میرے بیٹوں میں سے شکل و صورت و اخلاق میں اپنے اس بیٹے سے زیادہ میں کسی کو اپنے سے مشابہ نہیں جانتا یعنی جعفر صادقؑ۔"

علامہ باقر البہبودی کی تحقیق کے مطابق حدیث نمبر ۲ اور حدیث نمبر ۶ درست ہیں۔۔۔ ۶۳

ان روایات مبارکہ سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے واضح طور پر آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا لہٰذا آپ کے بھائی عبداللہ نے امامت کا جو دعویٰ کیا تھا وہ غلط تھا۔ روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جناب زید بن علی نے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقابلے میں جو دعویٰ امامت کیا تھا وہ بھی غلط تھا۔

اس موضوع پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

اعتراف اکابرین

یوں تو شخصیت کی عظمت صرف دو چیزوں سے دلوں میں پیدا ہوتی ہے ایک بلندی کردار و اخلاق اور دوسرے علم و فضل۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت کے دونوں پہلو اس قدر وسیع و عریض ہیں کہ یہ مختصر کتاب ان کا کلی احاطہ

نہیں کر سکتی پھر بھی ہم نے کوشش یہ کی ہے کہ چند روایات کے حوالے سے قارئین کو امام علیہ السلام کی بلندی کردار و اخلاق کو اجاگر کر دیں رہا علمی پہلو تو یہ اعتراف کئے بغیر کوئی صاحب علم نہیں رہ سکتا کہ آپ علم کا ایک بحر ناپیدا کنار تھے۔ آپؑ کے علمی پہلو پر ہم علیحدہ باب میں گفتگو کریں گے۔ شخصیت کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اکابرین دنیائے علم و فضل کے تاثرات کسی شخص کے بارے میں کیا ہیں؟ اسی مقصد سے چند اکابرین کے اعترافات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

- حافظ شمس الدین ذہبی تحریر فرماتے ہیں :

"جعفر بن محمد بن علی بن الحسین الهاشمی ابوعبدالله' احدالائمه الاعلام' بر صادق کبیر الشان"۔ ۶۴

"جعفر بن محمد بن علی بن الحسین ہاشمی' کنیت ابوعبداللہ۔ آپ ائمہ اعلام میں سے ایک ہیں نیک' سچے اور کبیر الشان تھے۔"

- حافظ شرف الدین نووی شارح صحیح مسلم اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :

"روی عنه محمد بن اسحاق و یحیی الانصاری ومالک والسفیانان وابن جریح و شعبه و یحیی القطان و آخرون و اتفقوا علی امامته و جلالته و سیادته قال عمرو بن ابی المقدام کنت اذانظرت الی جعفر بن محمد علمت انه من سلاله النبیین"۔ ۶۵

"یعنی ان سے محمد بن اسحاق' یحیٰ الانصاری مالک بن انس' سفیان ثوری

اور سفیان بن عیینہ' ابن جریج' شعبہ' یحیٰ القطان اور دوسروں نے روایت کی ہے' لوگ ان کی امامت' جلالت قدر اور سیادت پر متفق ہیں عمرو بن ابی المقدام کہتے ہیں کہ میں نے جب بھی جعفر بن محمدؒ کی طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نبیوں کا خلاصہ ہیں۔"

○ ابن خلکان کا یہ اعتراف سننے کے لائق ہے :

"احدالائمہ الاثنی عشر علی منھب الامیہ وکان من سادات اھل البیت ولقب بالصادق لصلقہ فی مقالتہ وفضلہ اشھر من ان یذکر ----- وکان تلمینہ ابو موسی جابر بن حیان الصوفی الطرطوسی 'قد الف کتابا یشتمل علی الف ورقہ یتضمن رسائل جعفر الصادق وھی خمس مائہ رسالہ"۔ ۶۶

"آپ مذہب امامیہ کے بارہ اماموں میں سے ایک ہیں آپ اہل بیت کے سرداروں میں سے تھے اور اپنی سچی گفتگو کی بناء پر آپؒ کو صادق کا لقب دیا گیا ان کا فضل اس قدر مشہور ہے کہ ذکر کی حاجت نہیں ان کے ایک شاگرد جابر بن حیان الطرطوسی تھے انہوں نے ایک کتاب لکھی جو دو ہزار صفحات (ایک ہزار ورقوں) پر مشتمل ہے اور اس میں امام جعفر صادقؒ کے ۵ سو رسائل ہیں۔"

○ مؤمن شبلنجی المصری نے لکھا ہے :

"ومناقبہ کثیرۃ تکاد تفوت حد الحاسب ویحار فی انواعھا فھم الیقظ الکاتب"۔ ۶۷

"آپ کے مناقب اس قدر کثیر ہیں کہ حساب کرنے والا شمار نہیں کرسکتا اور ایک بیدار ذہن مصنف انکے فضائل کے مختلف انواع سے ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔"

○ مشہور ادیب، مؤرخ اور مفسر ابن قتیبہ نے آپ کی کتاب "جفر" کے بارے میں ان الفاظ میں خیالات کا اظہار کیا ہے :

"وکتاب الجفر کتبه الامام جعفر الصادق ابن محمد الباقر فیه کل مایحتاجون الی علمه الی یوم القیامه"۔ ۶۸

"کتاب جعفر کے مصنف امام جعفر الصادقؑ ابن محمد الباقرؑ ہیں اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی لوگوں کو قیامت تک ضرورت ہے۔"

○ محمد بن علی الصبان مصری تحریر کرتے ہیں :

"واما جعفر الصادق فکان اماما نبیلا، وکان مستجاب الدعوة اذا سئل شیئا لا یتم قوله الا وهو بین یدیه"۔ ۶۹

"یعنی جعفر صادق تو وہ امام نبیل تھے اور آپ کی دعا فوراً قبول ہوتی تھی جب کسی شئے کا سوال کرتے تو ابھی بات پوری نہ ہوتی کہ وہ چیز سامنے آموجود ہوتی۔"

○ عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ :

"وکان سلام الله علیه اذا احتاج الی شئی قال یا ربّاه انا احتاج الی کذا فما یستقم دعائه الا و ذلک الشئی

بجنبہ موضوع"۔۲۰

"آپ سلام اللہ علیہ کو جب کسی شے کی ضرورت پڑتی تھی تو آپ کہتے تھے اے رب مجھے فلاں چیز کی احتیاج ہے ابھی وہ دعا مکمل بھی نہیں ہوتی تھی کہ وہ چیز پہلو میں موجود ہوتی تھی۔"

○ علامہ سبط ابن جوزی کہتے ہیں :

"قال علماء السیر قد اشتغل بالعبادة عن طلب الرئاسہ"۔۲۱

"سیرت نویسوں نے لکھا ہے آپ طلب ریاست سے کنارہ کش ہو کر محض عبادت میں مشغول تھے۔"

○ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی نے اپنی کتاب مطالب السئول میں تفصیلی مدح کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ :

"وھو من عظماء اھل البیت و ساداتھم ذو علوم جمه و عبادة موفرة و اوراد متواصله و زھادة بینه و تلاوة کثیرة یتبع معانی القرآن الکریم و یستخرج من بحره جواھره و یستنتج عجائبه و یقسم اوقاته علی انواع الطاعات بحیث یحاسب علیھا نفسه' رویته تذکر الاخرة - واستماع حدیثه یزھد فی الدنیا و الاقتداء بھدیه یورث الجنه' نور قسماته شاھد انه من سلاله النبوة و طھارة افعاله تصدع بانه من ذریه الرساله---- وقال---- اما مناقبه و صفاته

فکاد تفوت عدد الحصر ویحار فی انواعها فهم الیقظ الباصر حتی انه من کثیر علومه المفاوضه علی قلبه من سجال التقوی صارت الاحکام التی لا تدرک عللها والعلوم التی تقصر الافهام بحکمها ۔۔۔ تضاف الیه و تروی عنه"۔۲۷

"آپ اہل بیت" اور سادات کے ان عظیم لوگوں میں تھے جن کے پاس علوم کا وافر ذخیرہ تھا عبادت کثرت سے کرتے تھے، مسلسل ورد کرتے تھے ان کا زہد ظاہر تھا تلاوت کثرت سے کرتے تے، معانی قرآن کا تتبع کرتے اور اس کے سمندر میں سے گہر نکالتے اور اس کے عجائب کا استنباط کرتے اور اپنے اوقات کو اطاعت الٰہی پر تقسیم کرتے یہاں تک کہ ان پر اپنے نفس کا محاسبہ کرتے، ان کو دیکھنے سے آخرت یاد آتی تھی، ان کی گفتگو کو سننے سے دنیا کی طمع کم ہوتی تھی، ان کی ہدایات کی اقتداء سے جنت وراثت میں ملتی ہے ان کے انوار فیوض ان کے سلالہ نبوت ہونے پر شاہد ہیں اور ان کے افعال کی طہارت یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ ذریت رسول ہیں۔ پھر کہتے ہیں اور ان کے مناقب و صفات اتنے ہیں کہ شمار کرنے والا انہیں شمار نہیں کرسکتا اور ان کی اقسام کو ایک روشن فکر دیکھتا ہے تو ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے انہوں نے اپنے علم و دانش سے دوسروں پر فیوض کی بارش کی اور اپنے علم کو اخلاق سے آمیختہ کردیا کہ یہ صفات انبیاء سے ہے ان کے احکام کا بیان اور علتیں اسرار آمیز اور علوم و دانش بلند و برتر ہیں کہ تمام قویٰ و فہم بشری اس تک پرواز

نہیں کر سکتے۔ یہ فضیلتیں ماثور فضائل کے علاوہ ہیں اور ان کے بارے میں روایات کی جاتی ہیں۔"

○ علامہ ابن حجر الہیثمی اہل سنت کے بہت بڑے محدث گزرے ہیں وہ اپنی کتاب میں امام صادقؑ کے علوم کے متعلق کہتے ہیں کہ :

"ونقل الناس عنه من العلوم ما سارت به الركبان وانتشر صيته في جميع البلدان"۔ ۴۳

"لوگوں نے آپ سے اتنے علوم نقل کیے ہیں کہ وہ اپنی سواریوں پر بیٹھ کر اطراف اکناف میں پھیل گئے اور ان کی شہرت تمام بلاد اسلامیہ میں ہو گئی۔ عربی زبان میں یہ "سواریوں" والا محاورہ کسی چیز یا بات کے بہت زیادہ پھیل جانے اور پھیلا دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی علماء دور دور سے سواریوں پر بیٹھ کر آئے کسب علم کیا اور اپنے ملکوں کو روانہ ہو گئے۔"

○ جناب زید بن علیؑ جن کی فقاہت و زہادت کے سب معترف ہیں امام جعفر صادقؑ کے چچا تھے وہ فرماتے ہیں۔

"في كل زمان رجل منا اهل البيت يحتج الله به على خلقه و حجته في زماننا ابن اخي جعفر بن محمد لا يضل من تبعه ولا يهتدي من خالفه"۔ ۴۴

"ہم اہل بیت میں سے ہر زمانے میں خلق پر ایک حجت خدا ہوتا ہے اور ہمارے زمانے میں اللہ کی حجت میرے بھتیجے جعفر بن محمدؑ ہیں جو انکی اتباع کرے گمراہ نہ ہوگا اور جو ان کی مخالفت کرے کبھی ہدایت نہ پائے گا۔"

○ امام ابو حنیفہؒ کو امام صادقؑ سے خاص عقیدت تھی وہ امامؑ کے شاگرد بھی تھے اس موضوع پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔ لیکن یہاں ان کے چند اقوال درج کرتے ہیں۔

"جعفر بن محمد افقہ من رایت"۔۷۵

"جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں امام جعفر صادقؑ سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔"

امام ابو حنیفہ کا ایک اور قول مشہور ہے :

"لولا السنتان لهلک نعمان --- یقول الالوسی هذا ابوحنیفه وهو من اهل السنه یفتخر و یقول بافصح لسان لولا السنتان لهلک نعمان یعنی السنتین اللتین جلس فیهما لاخذ العلم عن الامام جعفر الصادق"۔۷۶

"اگر میری زندگی میں طلب علم کے وہ دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ علامہ آلوسی اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ یہ ابو حنیفہ ہیں جو اہل سنت سے ہونے کے باوجود فخر کر رہے ہیں اور فصیح زبان میں یہ کہہ رہے ہیں کہ "اگر وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔ اس سے مراد وہ دو سال ہیں جس میں انہوں نے طلب علم کی خاطر امام جعفر صادقؑ کی شاگردی اختیار کی۔ امام موفق نے امام ابو حنیفہ کی سیرت میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ امام صادقؑ کو مخاطب کرتے تو کہتے "جعلت فداک" میں آپ پر قربان۔"۷۷

○ ابن حیان کہتے ہیں :

"جعفر بن محمد کان من سادات اهل البیت فقها و علما و فضلا"۷۸

"جعفر بن محمد "فقہ" علم و فضل کے اعتبار سے اہل بیت کے سرداروں میں سے تھے۔"

○ حافظ ابو الحاتم کہتے ہیں۔

"جعفر بن محمد ثقه لا یسال عن مثله"۷۹

"جعفر بن محمد ثقہ ہیں اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا۔"

○ الحسن بن علی الوشاء نے کہا ہے :

"ادرکت فی هذا المسجد (یعنی الکوفه) تسعمائه شیخ کل یقول حدثنی جعفر بن محمد"۸۰

"یعنی میں نے مسجد کوفہ میں نو سو شیوخ کو یہ کہتے سنا کہ ہم سے حدیث بیان کی جعفر بن محمد علیہما السلام نے۔"

○ عبد الرحمٰن بن محمد الحنفی البسطامی کہتے ہیں :

"جعفر بن محمد ازدهم علی بابه العلماء و اقتبس من مشکاة انواره الاصفیاء و کان یتکلم بغوامض الاسرار و علوم الحقیقه و هو ابن سبع سنین"۸۱

"جعفر بن محمد علیہ السلام کے دروازے پر علماء کا اژدھام لگا رہتا تھا ان کے نوری چراغ سے اصفیاء نے اپنے دلوں کی قندیلیں روشن کیں، آپ

سات سال کی عمر ہی میں غوامض اسرار اور علوم حقیقت پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔"

○ امام ادب عربی ابو بحر الجاحظ کہتے ہیں :

"جعفر بن محمد الذی ملاء الدنیا علمه و فقهه ویقال : ان ابا حنیفه من تلامذته و کذلک سفیان الثوری و حسبک بهما فی هذا الباب"۔ ۸۲

"جعفر بن محمد علیہ السلام وہ ہیں جن کے علم وفقہ سے پوری دنیا بھر گئی ابو حنیفہ اور سفیان ثوری ان کے شاگرد تھے ان دونوں کا شاگرد ہونا تمہارے لئے اس باب میں کافی ہونا چاہئے۔"

○ علامہ محمد سراج الدین الرفاعی تحریر فرماتے ہیں :

"قد نقل الناس عنه علی اختلاف مذاهبهم و دیاناتهم ما سارت به الرکبان، وعد اسماء الرواة عنه فکانوا اربعه آلاف رجل"۔ ۸۳

"عوام الناس نے اپنے مذاہب کے باہمی اختلاف اور ادیان کے تفاوت کے باوجود آپ سے نقل علوم کیا ہے جسے لے کر لوگ پھیل گئے جب آپ سے روایت کرنے والے علماء کو شمار کیا گیا تو ان کی تعداد چار ہزار تھی۔"

○ فقہ اسلامی کے جدید مؤرخ علامہ محمد الخضری نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"کان من سادات اهل البیت و لقب بالصادق

لصدقه فی مقالته، ولسنه ثمانین وروی عنه مالک بن انس و ابوحنیفه و کثیرون من علماء المدینه"۔۸۴

"آپ اہل بیتؑ کے سرداروں میں سے تھے اور اپنی سچائی کی وجہ سے صادق کے لقب سے ملقب ہوئے آپ کی پیدائش سن اسی میں ہوئی۔ مالک بن انس، ابو حنیفہ نیز مدینہ کے کثیر علماء نے آپ سے روایت کی ہے۔"

○ مشہور محقق و مفکر ڈاکٹر احمد امین المصری نے ان الفاظ میں آپ کا تذکرہ کیا ہے:

"واکبر شخصیات ذلک العصر فی التشریع الشیعی بل ربما کان اکبر الشخصیات فی ذلک فی العصور المختلفه الامام جعفر صادق وعلی الجمله فقد کان الامام جعفر من اعظم الشخصیات فی عصره و بعد عصره و قدمات فی العام العاشر من حکم المنصور"۔۸۵

"شریعت شیعی کی اس عہد کی سب سے بڑی شخصیت بلکہ یوں کہا جائے کہ مختلف فرقوں کے اس عہد کی سب سے بڑی شخصیت امام جعفر صادقؑ کی ہے اور کلی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے عہد اور مابعد کی عظیم ترین شخصیت تھے آپ کا انتقال منصور کی حکومت کے دسویں سال ہوا۔"

○ السید محمد صادق نشاۃ جو قاہرہ یونیورسٹی کے کلیہ ادب کے پروفیسر ہیں لکھتے ہیں کہ :

"کان بیت جعفر الصادقؑ کالجامعه یزدان علی الدوام بالعلماء الکبار فی الحدیث و التفسیر والحکمه والکلام فکان یحضر مجلس درسه فی اغلب الاوقات الفان و بعض الاحیان اربعه آلاف من العلماء المشهورین - و قد الف تلامیذه من جمیع الاحادیث والدروس التی کانوا یتلقونها فی مجلسه مجموعه من الکتب تعد بمثابه دائرة المعارف للمنهب الشیعی والجعفری" ۸۶

"امام جعفر صادقؑ کا گھر یونیورسٹی کی طرح تھا جس میں حدیث، تفسیر، حکمت، کلام کے علمائے کبار کا مجمع بڑھتا ہی جاتا تھا اکثر اوقات آپ کی مجلس درس میں دو ہزار اور کبھی کبھی چار ہزار تک مشہور علماء حاضر ہوتے تھے ان کے شاگردوں نے ان تمام احادیث اور دروس سے جن کو انہوں نے امام صادقؑ کی مجلس سے حاصل کیا تھا بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جو مذہب شیعہ یا مذہب جعفری کے انسائیکلوپیڈیا کی مثل ہیں۔"

○ استاذ کبیر اور محقق خبیر العلامہ فرید وجدی نے لکھا ہے :

"کان من سادات اهل البیت النوی لقب بالصادق لصلق فی کلامه" ۸۷

"آپ سادات اہل بیت نبوت میں سے ہیں اور اپنے کلام کی سچائی کی

وجہ سے "صادق" کے لقب سے ملقب ہوئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے فضل و علم، زہد و تقویٰ کا اظہار تقریباً ہر بڑے عالم نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ جس کا احصاء کرنے سے ہم عاجز ہیں ہمارے سامنے جو کتابیں سردست بکھری پڑی ہیں ان میں سے ایک سو سے زائد اقوال ہم پیش کرسکتے ہیں لیکن گنجائش اس کی اجازت نہیں دیتی تاہم اکابرین علماء جدید و قدیم کے اقوال ہم نے یہاں درج کردیئے ہیں۔ مشتے نمونے از خروارے۔ طالب ہدایت کو اسی سے ہدایت مل سکتی ہے۔

عہد امامؑ کے اسلامی فرقے

امام جعفر صادق علیہ السلام کا عہد فکر اسلامی میں جمود کی بجائے تغیر و تبدل اور ارتقاء کا عہد ہے۔ امامؑ کا عہد وہ ہے جب اسلام میں کئی فرقے پیدا ہو چکے تھے اور بہت سے فرقوں کے لئے میدان ہموار ہو رہا تھا فکری راہیں جدا جدا ہو رہی تھیں۔ بنو امیہ کے ظلم و ستم کی ستائی ہوئی رعایا فکری بحثوں میں اپنے ذہنی سکون کا سامان تلاش کر رہی تھی درس و تدریس میں مصروف بیشتر لوگ سیاست سے کنارہ کش ہو رہے تھے لیکن ظلم و ستم کی وجہ سے سیاسی بے چینی بڑھ رہی تھی جس سے فائدہ اٹھا کر بنو عباس، بنو فاطمہ کی آڑ لے کر بنو امیہ کے خلاف تحریک کی جڑیں مضبوط کرتے رہے اس صورت حال کا جائزہ ہم علیحدہ باب میں لیں گے۔ ذیل میں ہم امام علیہ السلام کے عہد میں موجود اسلامی فرقوں کا مختصر سا جائزہ لیں گے۔ ان فرقوں کے سیاسی پس منظر کے لئے دیکھیں مذاہب ابتدعتہا السیاسہ فی الاسلام از علامہ واحدی جو اس موضوع پر بہت ہی تحقیقی کتاب ہے۔

خوارج

یہ فرقہ جنگ صفین کے زمانے میں پیدا ہوا جب امیر شام معاویہ نے حضرت علیؑ سے تحکیم کا مطالبہ کیا تواریخ اسلام شاہد ہیں کہ امیر شام کو یہ حیلہ ابن العاص نے اس وقت سکھایا تھا جب ان نے یہ دیکھا کہ اب ہمارا لشکر حضرت علیؑ کے لشکر کے سامنے شکست کھانے والا ہے۔ یہ دراصل ایک ترکیب تھی حضرت علیؑ کے لشکر میں پھوٹ ڈالنے کی جس میں وہ لوگ کامیاب ہو گئے اور حضرت علیؑ کے لشکر میں سے ایک گروہ جس کے دلوں میں ایمان نے ابھی تک جڑیں نہیں پکڑی تھیں

لشکر سے علیحدہ ہو گیا اور انہوں نے کتاب اللہ سے کسی ایک شخص کو حکم بنانے کو قبول نہیں کیا اور دعویٰ کیا کہ "تحکیم" خطاء پر مبنی تھی جس کے دونوں حضرات یعنی امیر شام اور حضرت علیؓ مرتکب ہوئے حالانکہ حضرت علیؓ خود تحکیم کے خلاف تھے اور انہیں لوگوں نے انہیں تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ان کے ذہنوں میں یہی اختلاج تھا کہ ان میں سے ایک نے نعرہ لگایا "لا حکم الا للہ" یعنی حکم کا حق صرف اللہ کو ہے یہ جملہ جنگل کی آگ کی طرح ان کے درمیان پھیل گیا اور خوارج کا شعار سمجھا جانے لگا۔

بہرحال اس فرقہ کے عناصر ترکیبی مختلف تھے لیکن ان میں مخالفت حضرت علیؓ مشترک تھی انہوں نے حضرت علیؓ پر جرات سے کام لیا ان کے مقام کو نیچا ثابت کرنے لگے اور ان کی طرف وہ باتیں منسوب کیں جو ان کے شایان شان نہیں تھیں۔ یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام نے ان سے جنگ نہروان لڑی اور انہیں شکست دی لیکن یہ فرقہ بڑھتا اور منظم ہو تا گیا۔ انہوں نے ظاہر یہ کیا کہ ان کی دعوت عدل و انصاف اور مساوات کی طرف ہے لیکن انہوں نے ظلم کی انتہا کر دی تمام مسلمانوں کے خون کو مباح قرار دے دیا اور بلاد اسلامیہ میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ وہ اپنے عقیدے پر جھگڑ پڑتے اور جو مسلمان ان کے عقیدے کے برخلاف عقیدہ رکھتا اس کا خون بہانا جائز سمجھتے۔

خوارج کی مضحکہ خیز باتوں مین سے یہ ہے کہ وہ مسلمان اور نصرانی کو پاتے تو مسلمان کو قتل کر دیتے اور نصرانی کو چھوڑ دیتے اور کہتے کہ ہمیں نبی اکرمؐ کے ذمہ کا خیال کرنا چاہئے۔ انہوں نے عبداللہ بن خباب جیسے مقدس شخص کو جب کہ ان کے گلے میں قرآن لٹکا ہوا تھا قتل کر دیا اور کہا کہ تمہارے گلے میں جو کتاب لٹکی

ہوئی ہے وہ ہمیں تمہارے قتل کا حکم دیتی ہے پس وہ انہیں نہر کے کنارے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور انہیں ذبح کردیا پھر ان کی زوجہ کا بھی پیٹ چاک کرڈالا۔ آگے چلے تو ایک نصرانی کا باغ نظر آیا اس سے باغ خریدنے کی کوشش کی تو اس نے کہا میں نے یہ باغ تمہیں بخشا۔ خوارج نے جواب دیا کہ بغیر قیمت دیئے ہم یہ باغ نہیں لے سکتے یہ جائز نہیں ہے۔ نصرانی نے ان سے کہا تم بھی کتنے عجیب لوگ ہو عبداللہ بن خباب کو تم نے قتل کردیا وہ اتنے مقدس آدمی تھے اور مجھ سے باغ بلا قیمت قبول نہیں کرتے۔ بعض روایات میں باغ کی بجائے محض کھجور کے درخت کا ذکر ہے اور یہ بھی ہے کہ آگے بڑھے تو ایک عالم سے پوچھا کہ حالت احرام میں مچھر مارنے کا کفارہ کیا ہے تو انہوں نے حیرت سے کہا عبداللہ بن خباب کی دیت نہیں پوچھتے مچھر مارنے کا کفارہ پوچھتے ہو؟۔۸۸

خوارج کے عقائد اور فرقے

یوں تو خوارج کے متعدد فرقے ہیں جو اپنے عقائد کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن یہ سارے فرقے دو باتوں پر متفق ہیں۔

(۱) ۔ نظریہ خلافت : خوارج کا نظریہ خلافت یہ ہے کہ خلیفہ صرف صحیح آزادانہ انتخابات کے ذریعے بن سکتا ہے اور جب تک وہ عادل رہے اور کج پن و خطا سے دور رہے وہ خلیفہ رہے گا اور اگر وہ کجی دکھائے تو اسے فوراً معزول کردیا جائے یا قتل کردیا جائے۔

(۲) ۔ یہ کہ "عمل" جزو ایمان ہے اور ایمان صرف اعتقاد کو نہیں کہتے پس جو فرائض دین پر عمل نہیں کرتا اور کبائر کا ارتکاب کرتا ہے وہ ان کے نزدیک کافر

ہے۔ وہ عمداً اور سہواً یا سوئے نیت سے ارتکاب گناہ میں فرق نہیں کرتے اور ان کے خیال میں اجتہاد اور رائے میں غلطی ضد اسلام ہے لہٰذا انہوں نے تمام مسلمانوں کے خون کو مباح قرار دے دیا۔ خوارج کا یہ بھی خیال ہے کہ خلیفہ کا قریش سے ہونا ضروری نہیں نہ ہی عرب ہونا ضروری ہے بلکہ غیر قریش کا خلیفہ ہونا افضل ہے تاکہ اسے آسانی سے برطرف کیا جاسکے۔ اس وجہ سے اس فرقے میں غیر عرب اور ریچ لوگوں کی کثرت ہوگئی اور عجیب اعتقادات پیدا ہوئے مثلاً ایک فرقہ ان میں "میمونیہ" ہے جو میمون العجردی کے ماننے والے ہیں ان کے نزدیک پوتی، نواسی، بھتیجی اور بھانجی تک سے نکاح جائز ہے۔ ایک فرقہ یزیدیہ پیدا ہوا جو یزید بن انیسہ الخارجی کے ماننے والے ہیں اس کا کہنا ہے کہ اللہ عجم سے ایک شخص کو رسول بنائے گا جس پر کتاب نازل کرے گا اور وہ شریعت محمدیؐ کو منسوخ قرار دے دے گا۔ (نعوذباللہ من ھذہ الھفوات)

(۱) ازارقہ

یہ لوگ نافع بن ازرق کے ماننے والے ہیں جو خوارج کا سب سے بڑا فقیہ تھا اس نے تمام مسلمانوں کے کفر کا فتویٰ دیا اور کہا کہ سوائے خارجیوں کے اگر کوئی کسی خارجی کو نماز کے لئے بلائے تو نہیں جانا چاہئے نہ ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے اور نہ نکاح۔ وہ خارجی اور غیر خارجی کے درمیان وراثت کے بھی قائل نہیں ہے۔ غیر خارجیوں کی مثال عرب کے کفار اور بت پرستوں کی ہے ان سے یا اسلام کا مطالبہ کیا جائے گا یا پھر تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ غیر خارجیوں کی زمین دارالحرب ہے اور ان کے بچوں اور عورتوں کا قتل جائز ہے زانی پر رجم کی حد نہیں نافذ کی جاسکتی

کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ ان کے خیال میں اللہ ایسے شخص کو نبی بنا سکتا ہے جو اپنی نبوت کے بعد کافر ہو جائے یا نبوت سے قبل کافر ہو۔۔۔۸۹

(۲) النجدات العاذریہ

یہ لوگ نجدۃ بن عامر الحنفی کے ماننے والے ہیں انہوں نے بعض امور میں ازارقہ سے اختلاف کیا ہے ان کے خیال میں اجتہاد میں خطا کرنے والا معذور ہے اور دین کی حقیقت صرف اللہ اور رسول کی معرفت ہے باقی معاملات میں بندے اس وقت تک معذور ہیں جب تک ان پر حجت نہ قائم ہو جائے ان کے خیال میں جو اجتہاد سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے دے وہ بھی معذور ہے۔ مسلمانوں میں سے جو ان کا مخالف ہو اس کا قتل واجب ہے۔۔۔۹۰

(۳) اباضیہ

یہ لوگ عبداللہ بن اباض التمیمی کے ماننے والے ہیں جس نے مروان الحمار کے زمانے میں خروج کیا تھا۔ یہ فرقہ اب تک مراکش اور اردن وغیرہ میں موجود ہے اور غالباً خوارج کا یہ واحد فرقہ ہے جو اب تک موجود ہے وہ اب بھی اپنے پرانے عقیدے پر قائم ہیں کہ تمام مسلمان کافر ہیں انہیں مشرک کی بجائے کافر سمجھتے ہیں لیکن "کافران نعمت" وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کے مخالفین کا خون علانیہ نہیں سری طور پر حرام ہے۔ ان کا علاقہ دار توحید ہے نہ وہ مشرکین ہیں نہ مؤمنین بلکہ کافر ہیں ان سے جنگ کی صورت میں صرف گھوڑے اور ہتھیار مال غنیمت ہیں۔ ان حضرات نے شمالی افریقہ میں گروہ بنا لئے ہیں اور ایک فریق شرقی افریقہ میں زنجبار کے مقام پر بھی رہتا ہے لیکن ان کا اصلی وطن العمان العربیہ (مسقط) کا

علاقہ ہے جہاں سے یہ لوگ مشرقی افریقہ ہجرت کرتے ہیں۔ ان کے تین مزید فرقے ہیں الحفصیہ' الحارثیہ اور یزیدیہ ہیں۔۔۔۹۱

الصفریہ

اس فرقے کے لوگ زیاد بن الاصفر کے پیرو تھے اور اپنے افکار و نظریات کے لحاظ سے ازارقہ سے کم درجے پر تھے لیکن دوسروں سے متشدد تھے یہ کبائر کا ارتکاب کرنیوالوں کو ازارقہ کی طرح مشرک نہیں سمجھتے تھے بلکہ انکا خیال تھا کہ جن گناہوں کی حد کا ذکر قرآن میں موجود ہے وہ اس نام سے موسوم ہوگا مثلاً زانی اور سارق و سارقہ وغیرہ۔ جن گناہوں کی حد نہیں مقرر کی گئی وہ بیشک کافر ہیں بعض صفریہ کا یہ بھی خیال تھا کہ مرتکب گناہ پر جب تک حد نہ جاری کردی جائے اسوقت تک اسے کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خون کو مباح سمجھتے تھے نہ مخالفین کے ملک کو دارالحرب قرار دیتے تھے اور نہ مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو قید کرتے تھے بلکہ صرف سلطانی لشکر سے جنگ کرتے تھے۔۔ ۹۲

العجاردۃ

یہ فرقہ عبدالکریم بن عجرد کا پیروکار ہے جو عطیہ بن اسود حنفی کے پیروکاروں میں سے تھا یہ فرقہ اپنے معتقدات میں فرقہ نجدات سے بہت قریب ہے۔ مثلاً ان کے نزدیک جنگ سے جی چرانے والا خارجی اگر دیانت دار ہو تو اسے مناصب تفویض کئے جاسکتے ہیں ہجرت ان کے نزدیک فرض نہ تھی بلکہ سبب فضیلت تھی مخالف کا مال ان کے نزدیک اس وقت تک غنیمت نہیں ہے جب تک وہ مخالف زندہ ہے اور قتل نہیں کردیا جاتا۔ عجاردہ بہت جلد چھوٹے چھوٹے فرقوں میں بٹ

گئے۔ ۹۳

خوارج اور امام بخاری

امام بخاریؒ کا شمار علمائے اسلام کے جلیل ترین افراد میں ہوتا ہے ان کی "الجامع الصحیح" کو ایک فرقے کے نزدیک "اصح الکتاب بعد کتاب الباری" یعنی قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ امام بخاری کے شارحین نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے خوارج سے احادیث لی ہیں لیکن امام جعفر صادقؑ جیسی شخصیت سے روایت نہیں لی۔ چنانچہ عمران بن حطان سے روایت اس میں موجود ہے جو مسلمہ طور پر خارجی تھا جو مسلمانوں کے خون کو مباح سمجھتے تھے۔ ہم یہاں کسی طویل بحث میں پڑنا نہیں چاہتے بلکہ مشہور محدث علامہ وحید الزمان کی ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں'
جعفر: چھوٹی نہر یا بڑا واسع کشادہ۔ امام جعفر صادق مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے شیخ ہیں اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہوگیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں "فی نفسی منہ شئی و مجالد احب الی منہ" (یعنی میرے دل میں ان کی طرف سے کچھ ہے اور میں ان کی نسبت مجالد کو زیادہ پسند کرتا ہوں) حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو ائمہ اہل بیتؑ سے کچھ محبت و اعتقاد نہیں ہے اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی

اور امام جعفر صادقؒ سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔
۹۵۔ امام بخاری نے عمران بن حطان السدوسی کی روایت کتاب اللباس میں عن یحییٰ بن کثیر نقل کی ہے۔

فرقہ معتزلہ اور اس کی شاخیں

فرقہ معتزلہ وہ فرقہ ہے جو اپنی عقل پسندی یا یوں کہیے کہ محض عقل کو حجت تسلیم کرنے کی وجہ سے مشہور ہے اس کی ابتداء اور ارتقاء میں اتنی شاخیں اور ان کے معتقدات موجود ہیں کہ ان کا احصاء یہاں ممکن نہیں اس امر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ جار اللہ نے تاریخ المعتزلہ قریباً ۶۰۰ صفحات میں تحریر کی ہے اور یہ بات کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ اس فرقے کے جتنے گہرے اثرات علم کلام پر پڑے ہیں کسی اور فرقے کے اتنے گہرے اثرات نہیں پڑے۔ ہم یہاں محض چند باتوں کے تذکرے پر اکتفاء کریں گے۔

اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ مسلک بصرے میں وجود میں آیا جب کہ واصل بن عطاء (المتوفی ۱۳۱ھ) امام حسن البصری کے حلقہ درس سے مرتکب گناہ کبیرہ کے مسئلے پر اختلاف کرتے ہوئے علیحدہ ہو گیا۔ واصل کا خیال تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب علی الاطلاق مؤمن کے زمرے میں نہیں بلکہ وہ دونوں منزلوں کے بیچ میں ہے یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مؤمن ہے اور نہ کافر لیکن وہ فاسق ہے اور اس لئے مستحق جہنم بھی ہے۔

"قال الخياط فی کتاب الانتصار : ليس يستحق احد اسم الاعتزال حتی يجمع القول

بالاصول الخمسه : التوحید، والعدل، والوعدوالوعید، والمنزله بین المنزلتین، والامر بالمعروف والنهی عن المنکر، فاذا کملت فی الانسان هذه الاصول الخمس فهو معتزلی"۔۹۶

"خیاط نے اپنی کتاب الانتصار میں لکھا ہے کہ جب تک کوئی شخص معتزلہ کے پانچ اصولوں کا قائل نہ ہو اس پر معتزلی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ (۱) توحید (۲) عدل (۳) وعد وعید (۴) ایمان و کفر کی درمیانی منزل (۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ پس جب انسان میں یہ پانچ اصول جمع ہوجائیں تو وہ معتزلی ہے۔"

معتزلہ کے بہت سے فرقے ہیں جن کے تفصیلی حالات ہم یہاں لکھنے سے قاصر ہیں البتہ چند فرقوں کا ذکر کرتے ہیں۔۔۔۹۷

(۱) واصلیہ - یہ واصل بن عطاء کے ماننے والے ہیں۔

(۲) الھذیلیہ - یہ اصحاب ابی الھذیل العلاف ہیں۔

(۳) نظامیہ - نظام ابراہیم بن سیار کے ماننے والے ہیں۔

(۴) الحائطیہ - یہ احمد بن حائط کے ماننے والے ہیں۔

(۵) البشریہ - ان کا لیڈر بشر بن المعتمر ہے۔

(۶) المعمریہ - معمر بن عباد السلمی کے پیرو ہیں۔

(۷) المزداریہ - یہ عیسیٰ کے متبعین ہیں جس کی کنیت ابی موسیٰ اور لقب المزدار تھا۔

(۸) الثمامیہ - ان کا تعلق ثمامہ بن اشرف النمری سے ہے۔

(۹) الهشامیہ - یہ ہشام بن عمرو الفوطی کے ماننے والے ہیں۔

(۱۰) الجاحظیہ - عمر بن بحر الجاحظ ان کا لیڈر تھا۔

(۱۱) الخیاطیہ - یہ ابی الحسن الخیط کی طرف منسوب ہیں۔

(۱۲) الجبائیہ - ابی علی محمد بن عبد الوہاب کے پیرو ہیں۔

ابن حزم نے معتزلہ کے جو اصول خمسہ بتائے ہیں وہ یہ ہیں (۱) نفی قدر (۲) عقیدۂ خلق قرآن (۳) نفی رویت باری تعالیٰ (۴) المنزلہ بین المنزلتین (۵) نفی صفات ۹۸۔ یہ بھی اہم نکات تھے جنہیں الخیاط، ابوالحسن اشعری اور مسعودی وغیرہ نے چھوڑ دیا تھا۔ خاص طور پر عقیدۂ خلق قرآن تو ان کا طرۂ امتیاز تھا جس کی بنیاد بھی نفی صفات کا نظریہ تھا جس کے معانی یہ ہیں کہ وہ صفات کو عین ذات نہیں مانتے تھے بلکہ زائد بر ذات مانتے تھے اسی لئے قرآن کو مخلوق اور حادث تسلیم کرتے تھے۔

اسلامی فرقوں پر لکھی جانے والی کتابوں میں معتزلہ پر تفصیلی بحثیں کی گئی ہیں ان میں سے اہم نکات کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱) معتزلہ کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور قدیم ہونا اس کی سب سے مخصوص صفت ہے اللہ کی باقی صفات قدیم نہیں حادث ہیں کیونکہ اگر انہیں قدیم مان لیا جائے تو شرک لازم آئے گا۔

(۲) اس عقیدے پر بھی ان میں اتفاق تھا کہ اللہ کا کلام اس کی مخلوق حادث ہے اور وہ حروف و آواز سے مرکب ہے۔

(۳) وہ اس بات پر بھی متفق تھے کہ ارادہ، سمع، بصر وغیرہ کے قائم بذاتہ ہونے کے کوئی معانی نہیں یہ زائد بر ذات ہیں۔

(۴) نیز یہ کہ انسان خود ہی اپنے اچھے اور برے افعال کا خالق ہے اور اسی وجہ سے وہ آخرت میں ثواب و عذاب کا حقدار بھی ہے اور رب اس بات سے منزہ ہے کہ اس کی طرف شر اور ظلم کو نسبت دی جائے۔

(۵) یہ کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور حکیم سے سوائے خیر و صلاح کے کسی چیز کا صدور محال ہے اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ حکیم مصالح العباد کا خیال رکھے۔

(۶) معتزلہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اگر کوئی مؤمن اطاعت الٰہی اور توبہ پر مرتا ہے تو وہ مستحق ثواب ہے اس سے بڑھ کر اسے عوض اور فضل عطا کیا جائے گا اور اگر وہ گناہان کبیرہ پر توبہ کے بغیر مرتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا لیکن اسے جو عذاب ہوگا وہ کفار سے کم درجے کا ہوگا اس کو عدل اور وعید کہتے ہیں۔

(۷) ان کے نزدیک حسن و قبح عقلی ہیں اچھائی کو اختیار کرنا اور قبح سے رکنا واجب ہے۔

(۸) امامت و خلافت نص سے بھی ثابت ہو سکتی ہے اور اختیار ا بھی۔

اس فرقے نے جہاں اسلام میں عقلی مباحث کی راہ کھولی وہاں اس کی وجہ سے اور اس کے ہاتھوں عالم اسلام پر ظلم و ستم بھی بہت ہوئے۔ بنو عباس کے بعض حکام نے ان کا ساتھ دیا جس کی وجہ سے ان کے مخالف بعض اکابر علماء و محدثین پر ظلم و ستم ہوا جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس فرقے نے مخالفین اسلام سے مناظرے کئے اور اسلام پر ان کے حملوں کا رد بھی کیا اس لحاظ سے انہیں تاریخ اسلام میں ایک گونہ تفوّق حاصل ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے انہیں اسی بناء پر کافر قرار دینے سے اجتناب کیا ہے بلکہ انہیں کافر قرار

دینے کی تحریک کی مخالفت کی ہے البتہ اس کا اعتراف کیا ہے کہ ان کے بعض عقائد درست نہیں تھے۔

کیونکہ معتزلہ کو علم الکلام میں خصوصی اہمیت حاصل تھی اور دوسری طرف شیعہ حضرات بھی اس میں ماہر تھے لہٰذا ان دونوں کے درمیان شدید خصومت پائی جاتی تھی۔ اس طرح سے اشاعرہ اور مجسمہ سے بھی ان کی مخالفت بحث کی منزل سے آگے بڑھ کر جدال کی منزل میں پہنچ گئی تھی۔

المرجئہ اور ان کے فرقے

جس طرح سے معتزلہ نے اثبات وعید میں مبالغہ سے کام لیا اسی طرح مرجئہ نے اثبات وعد میں مبالغہ سے کام لیا اس لحاظ سے یہ لوگ معتزلہ کے بالکل برعکس ہیں ان کے عقائد مختصراً ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) اہل معاصی کے لئے مغفرت اور ثواب ممکن ہے۔

(۲) گناہان کبیرہ کے مرتکب کا فیصلہ قیامت میں ہو گا ہم اس پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے، نہ وہ کافر ہیں اور نہ فاسق۔

(۳) ایمان محض زبان سے اقرار اور تصدیق قلب کا نام ہے۔ عمل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۴) ایمان کے ساتھ معصیت خداوندی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

(۵) ان میں سے ایک طبقے کا کہنا یہ ہے کہ ایمان محض قلب سے اعتقاد کا نام ہے خواہ وہ زبان سے کفر کا اعلان کرے، خواہ بتوں کو پوجے یا یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ انہیں کی طرح رہے صلیب کی پوجا کرے اور دارالسلام میں تثلیث کا

اعلان کرے اور اس پر مرجائے۔ وہ مؤمن ہے اور اللہ کے نزدیک کامل الایمان ہے وہ اللہ کا ولی ہے اور اہل جنت میں سے ہے۔۔۔۹۹

یہ فرقہ دراصل سیاسی فرقہ تھا علمی فرقہ نہیں تھا ایک تو یہ کہ یہ خوارج کی ضد میں وجود میں آیا جو جمیع مسلمین کا خون حلال سمجھتے تھے اور مرتکب کبیرہ کو فاسق اور اس کا خون حلال سمجھتے تھے جب کہ مرجئہ نے ہر قسم کے ظلم و تعدی' ارتکاب معصیت کبیرہ و صغیرہ پر ثواب اور مغفرت قرار دے ڈالی تھی تاکہ خوارج کے مقابلے میں ان کا زور بڑھ جائے۔ دوسرے یہ کہ حکام وقت کے لئے یہ فرقہ بڑا سود مند تھا کیونکہ ان کے عقائد کی رو سے حاکم وقت یا عام آدمی کچھ بھی کرتا رہے وہ مؤمن و مسلم رہتا ہے لہٰذا مسلمان بادشاہ کے خلاف کوئی تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ اس طرح یہ فرقہ "اعوان امراء" پر مشتمل تھا اور ان ہی کے لئے فائدہ مند بھی تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ملوکیت کو جس قدر فائدہ اس فرقے نے پہنچایا کسی دوسرے فرقے نے نہیں پہنچایا۔ مرجئہ کے پانچ فرقے قابل ذکر ہیں۔

(۱) الیونسیہ - اصحاب یونس النمیوی۔

(۲) العبیدیہ - اصحاب عبید بن مہران الکوفی۔

(۳) الغسانیہ - اصحاب غسان الکوفی یہ اور شخص ہے غسان بن آبان محدث دوسری شخصیت ہیں یہ یمانی تھے مرجئہ کا سردار غسان کوفی تھا بعض نے مغالطے سے غسان محدث کو غسان کوفی سمجھ لیا ہے۔

(۴) الثوبانیہ - اصحاب ابی ثوبان المرجئی۔

(۵) التومنیہ - اصحاب ابی معاذ التومنی۔

بعض علماء نے امام ابو حنیفہ کو مرجئہ میں شمار کیا ہے یہاں ہم مختصراً اس امر کا

جائزہ لیتے ہیں۔

کیا امام ابو حنیفہ مرجئی تھے؟

امام ابو حنیفہ واقعی مرجئہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی جن کو امام صاحب سے اس قدر عقیدت تھی کہ انہوں نے اپنا نام ہی ان کے نام پر رکھ لیا تھا اور اپنے کو نعمانی لکھنے لگے تھے امام ابو حنیفہ کی سیرت میں لکھتے ہیں : محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرے میں لکھا ہے مرجئہ ہونا بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مؤاخذہ نہیں کرنا چاہئے یہ اسی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب تھا۔ ۱۰۰

امام ابو حنیفہ کے بہت سے سیرت نگاروں نے آپ کو مرجئہ میں سے لکھا ہے۔ غسان کوفی جس کی طرف مرجئہ کا فرقہ غسانیہ منسوب ہے کہتا ہے امام ابو حنیفہ ہم میں سے تھے کیونکہ ابو حنیفہ کا مسلک یہ تھا کہ ایمان محض زبان سے اقرار کا نام ہے اور یہ کہ ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا۔

وکیع کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو کہتے سنا : ہم مؤمن ہیں اور اہل قبلہ ہمارے نزدیک نکاح، مواریث، نماز اور اقرار کے اعتبار سے مؤمن ہیں۔ ہم گناہ بھی کرتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اللہ ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔ وکیع کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کا کہنا یہ ہے کہ : جو سفیان کے عقائد کا قائل ہو وہ ہمارے نزدیک حالت شک میں ہے ہم مؤمن ہیں اور اللہ کے نزدیک بھی ہمارا مؤمن ہونا حق ہے۔ وکیع کہتے ہیں کہ ہم سفیان ثوری کے قول پر ہیں اور ابو حنیفہ کا قول ہمارے نزدیک جرائت ہے۔

ابو حنیفہ یہ بھی کہتے تھے کہ عمل جزو ایمان نہیں ہے اس بات میں علماء و

محدثین کی کثیر تعداد نے ان کی مخالفت کی جن کا نظریہ یہ تھا کہ عمل جزو ایمان ہے اور ایمان میں کمی و زیادتی اسی کا اثر ہے جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا اور اھل السماء و اھل الارض کا ایمان ایک درجہ پر ہے جیسا کہ ان سے منقول ایک روایت میں ہے۔

"ایمان اھل الارض واھل السموات واحد' وایمان الاولین و الاخرین والانبیاء واحد' لاناکلنا آمنا باللہ واحدہ و صدقناہ والفرائض کثیرۃ مختلفہ' وکذاالکفر واحد' وصفات الکفار کثیرۃ وکلنا امنابما آمن بہ الرسل "[۱۰۱]

"اہل سماوات و اہل ارض کا ایمان ایک ہے ایمان اولین و آخرین اور ایمان انبیاء بھی ایک ہے کیونکہ ہم سب اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے ہیں اور اس کی تصدیق کی ہے جب کہ فرائض مختلف اور کثیر تعداد میں ہیں جس طرح کفر ایک ہے اور کفار کی صفات بہت ہیں ہم سب بھی اسی پر ایمان لائے ہیں جن پر رسول ایمان لائے تھے۔"

خطیب بغدادی نے اس سلسلے میں ایک اور روایت تاریخ بغداد میں نقل کی ہے وہ یہ ہے :

"ویروی عنہ غیر ھذا' کما حدث ابو اسحاق الفزاری انہ سمع ابا حنیفہ یقول : ایمان ابی بکر الصدیق وایمان ابلیس واحد' قال ابلیس : یارب وقال ابوبکر : یارب --- وقال ابو اسحاق : وکان

من المرجئه ثم لم یقل هذا انکسر علیه قول وکذلک یحکی عنه فی مساواة ایمان آدم و ایمان ابلیس"۔۱۰۲

"اس کے علاوہ بھی ان سی بعض باتیں روایت کی گئی ہیں جیسا کہ ابو اسحاق الفزاری کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ابو بکرؓ اور ابلیس کا ایمان ایک ہے ابلیس نے کہا اے رب' ابو بکر نے کہا اے رب ---- ابو اسحاق کہتے ہیں کہ وہ مرجئہ میں سے تھے پھر یہ قول اپنا کسی سے بیان نہیں کرتے تھے کیونکہ اس کی وجہ سے ان پر سخت گرفت ہوئی اسی طرح ان سے ایمان آدم و ایمان ابلیس کی مساوات کا قول بھی بیان کیا گیا ہے۔"

بعض علماء نے فقہ اکبر کے حوالے دے کر امام صاحب کی مرجئہ کی طرف نسبت کو غلط ٹھہرایا ہے حالانکہ یہ کتاب امام ابو حنیفہ کی نہیں ہے۔۱۰۳

الجبریہ والمفوضہ

جبر کے معانی حقیقتاً بندے سے اس کے افعال کی نفی کرنا ہے اور ان کی نسبت اللہ کی طرف دینا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندے اپنے اچھے اور برے افعال میں مجبور ہیں نہ وہ کوئی اچھائی اپنی مرضی سے کرتے ہیں اور نہ کوئی برائی یا گناہ اپنے اختیار سے کرتے ہیں بلکہ یہ سارے کام بندوں سے اللہ تعالیٰ مجبوراً کرواتا ہے۔ اس مذہب کی رو سے انسان کو کسب' ارادہ' اختیار اور تصرف اور اللہ نے عقل جیسی نعمت جو دی ہے اس کے استعمال سے محروم کر دیا گیا ہے۔

اس فرقے کی مخالفت میں ایک اور فرقہ وجود میں آیا ہے جسے "مفوضہ" کے نام سے جانا جاتا ہے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بندے ہی سب سیاہ و سفید کے مالک ہیں وہی اپنے افعال حسنہ و قبیحہ کے خالق ہیں اللہ کو کوئی اختیار و قدرت حاصل نہیں۔ جبریہ کا کہنا تھا کہ اللہ انسان کو معاصی پر مجبور کرتا ہے مفوضہ نے اس کی نفی کی اور کہا کہ اللہ کسی کو اچھے کام کرنے یا برے کام کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ بندوں کو اس سلسلے میں اختیار ہے۔ تفصیل کے لئے وہی کتابیں دیکھئے جن کا ذکر پیچھے گزرا۔

شیعہ فرقے اور ان کی حقیقت

اگر ہم اسلامی فرقوں پر لکھی جانے والی کتابوں پر نظر کریں تو ان میں ہمیں بہت سے شیعہ فرقے نظر آئیں گے یہ فرقے وہ ہیں جن کا مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں سوائے بعض کے مثلاً زیدیہ' اسماعیلیہ' افطحیہ اور واقفہ وغیرہ جنہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے جب کہ ان کتابوں میں ہم تعصب اور عناد کی وجہ سے اکثر فرقوں کو شیعوں کی طرف منسوب پاتے ہیں۔ مثلاً شیعہ فرقوں میں ہشامیہ کا ذکر آتا ہے پھر لکھتے ہیں کہ یہ دو فرقے تھے ایک ہشام بن سالم کی طرف اور دوسرا ہشام بن الحکم کی طرف منسوب ہے۔ ایک فرقہ زراریہ ہے جس کو زرارہ بن اعین کی طرف منسوب بتاتے ہیں' ایک شیطانیہ فرقہ ہے جو محمد بن النعمان کی طرف منسوب ہے جسے شیعہ فرقہ مؤمن طاق اور یہ متعصبین شیطان الطاق کہتے ہیں۔ اس طرح کے بے شمار خیالی اور فرضی فرقے انہوں نے گڑھ کر شیعہ فرقوں کی طرف منسوب کر دیئے ہیں حالانکہ ان اصحاب و ائمہ نے ہمیشہ شیعیت کی تعمیر و ترقی کے لئے کام کیا اور غیروں سے مناظرے کئے ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ

ڈاکٹر احمد امین مصری نے اپنی کتاب ظہر الاسلام میں قرامطہ اور زنج کو بھی شیعہ فرقوں میں شامل کرلیا ہے حالانکہ ان جیسے فاضل آدمی کو چاہئے تھا کہ تحقیق کرتے لیکن ایسا یا تو انہوں نے تعصب سے کیا یا جہالت سے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

ان یسمعوا الخیر اخفوہ وان علموا
شرا اذا عوا و ان لم یعلموا کذبوا

"اگر یہ لوگ اچھائی سنتے ہیں تو چھپا جاتے ہیں اور اگر برائی کے متعلق معلوم ہوتا ہے تو اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر علم ہی نہ ہو تو جھوٹ کہتے ہیں۔"

بہر حال جو بڑے بڑے فرقے امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات تک پیدا ہو چکے تھے شیعہ مسلک کے حوالے سے ان کا تذکرہ ہم یہاں مختصراً کریں گے۔ ان افتراء پردازیوں کی حقیقت کے لئے ملاحظہ فرمائیں (اعیان الشیعہ ج ا علامہ محسن الامین)

فرقہ زیدیہ

یہ فرقہ جناب زید بن علی بن الحسین ابن ابی طالب (علیہم السلام) کی طرف منسوب ہے۔ جناب زید رشتے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے چچا تھے اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام اپنے چچا کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ فرقہ زیدیہ کے حوالے سے دو پہلو سب سے اہم ہیں ایک تو یہ کہ جناب زید نے جو بنی امیہ کے خلاف خروج کیا تھا اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور امام

جعفر صادقؑ کا اس کے بارے میں کیا نظریہ تھا؟ دوسرے یہ کہ زیدیہ کے معتقدات خواہ وہ امام زید سے براہ راست ثابت ہوں یا نہ ہوں کیا تھے؟ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے ہم اس کے حوالے سے سیاسی حالات کے باب میں گفتگو کریں گے۔
یہاں ہم دوسرے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) زیدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا حق ہے پھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا پھر امامت دونوں بھائیوں کی اولادوں میں چل سکتی ہے۔
۱۰۴۔ وہ امامیہ فرقے کی طرح اسے اولاد امام حسینؑ میں منحصر نہیں قرار دیتے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام کی بیٹیوں کی اولاد میں امامت درست نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ان کی اولاد کو علم، ورع، تقویٰ، بصیرت اور تدبیر میں امتیاز حاصل ہے۔۔۔۱۰۵

(۲) جناب زید بن علی بن الحسین علیہم السلام امام ہیں کیونکہ انہوں نے تلوار کے ساتھ خروج کیا۔ ناجی حسن نے لکھا ہے :

"وعلی هنا فان الزيديه اعتقدت بامامه زيد بن علی لانه خرج بالسيف وهو مستكمل لصفات الامام"۔۱۰۶

"اسی لئے زیدیہ کا عقیدہ ہے کہ زید بن علی امام ہیں کیونکہ انہوں نے تلوار کے ساتھ خروج کیا جو امام کی صفات پوری ہونے کے لئے ایک شرط ہے۔"

(۳) ابن ندیم کے بقول زیدیہ کے نزدیک امام کے شرائط یہ ہیں :

"وهو ان يكون بالغاً، عاقلاً، ذكراً، حياً، مسلماً،

عدلاً مجتهداً تقیاً سخیاً یضع الحقوق فی مواضعها سائساً مستقلاً بتدبیر الرعیہ اکثر رایہ الاصابہ شجاعاً مقداماً سلیم السمع والبصر "۱۰۷

"کہ وہ بالغ ہو عاقل ہو مرد ہو زندہ ہو مسلمان ہو عادل ہو مجتہد ہو متقی ہو سخی ہو ہر ایک کے حقوق ادا کرے سیاست دان ہو مستقل مزاج ہو رعیت کی تدبیر کے بارے میں اس کی اکثر رائے درست ہو وہ شجاع ہو اقدام کرنے والا اور صحیح سن اور دیکھ سکتا ہو۔"

(۴) شجاعت اور تلوار اٹھانے کی شرط سب سے اہم ہے اور دیگر شروط پر فوقیت بھی رکھتی ہے :

"لکن شرط الشجاعہ و حمل السیف یفوق جمیع الشروط والمتقدمہ وھذا ما یمیز الزیدیہ عن الامامیہ"۱۰۸

"لیکن شرط شجاعت اور تلوار اٹھانے کی شرط تمام گزشتہ شرائط پر فوقیت رکھتی ہے یہی چیز ہے جو زیدیہ کو امامیہ فرقے سے ممتاز کرتی ہے۔"

(۵) امام زید کے نزدیک آنحضرتؐ کی حدیث "الائمہ من قریش" یعنی امام قریش سے ہوں گے میں "من" کی لفظ تبعیض کے لئے ہے عموم کے لئے نہیں یعنی قریش میں سے چند امام ہونگے اور اس سے مراد اولاد امام حسن و امام حسین علیہما السلام ہے۔۱۰۹

(۶) زیدیہ کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت جائز ہے چنانچہ

جاحظ نے لکھا ہے کہ فضل کی چار قسمیں ہیں (۱) اسلام میں پہل کرنا۔ (۲) زہد دنیا۔ (۳) دین کی فہم کیونکہ لوگ اپنے دنیاوی مصالح کو خوب سمجھتے ہیں اور (۴) تلوار لے کر نکلنا یعنی جنگ کرنا پس جس میں یہ چار صفات پائی جائیں اسے دوسروں پر فضیلت دینا واجب ہے۔[۱۱۰]

(۷) زیدیہ کے نزدیک حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت درست تھی۔[۱۱۱]

(۸) وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس امت کے وہ افراد جو کبائر کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں فاسق کہا جانا چاہیے وہ نہ مؤمن ہیں نہ کافر بلکہ بیچ کی منزل میں ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو حالت فسق میں مرجائے اور اپنے کیے پر اصرار بھی کرتا ہو تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔[۱۱۲]

(۹) زیدیہ کے نزدیک سب سے اہم چیز جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں تلوار کا استعمال اور جہاد ہے جس کی تائید زیدی نصوص سے ہوتی ہے :

"فالامام یجب ان یکون شجاعا مقداما شاهرا سیفه"۔[۱۱۳]

"امام کے لئے واجب ہے کہ وہ شجاع ہو اقدام کرنے والا اور تلوار کو ظاہر کرنے والا ہو۔"

"وقالوا ان قتال اهل البغی واجب ان کان عدد اصحابه ثلاث ماة و بضعه عشر کعدة اهل البدر"۔[۱۱۴]

"وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل بغی (یعنی اسلام پر عمل نہ کرنے والوں اور بغاوت کرنے والوں) سے قتال واجب ہے خواہ اس کے حامی تین سو کچھ

ہوں جو اہل بدر کی تعداد تھی۔"

"ولذلک کل من ادعی الامامه وهو قاعد فی بیته مرخی علیه ستره لا یجوز اتباعه ولا یجوز القول بامامته"۔ ۱۱۵

"اسی لئے زیدیہ کے نزدیک جو امامت کا دعویٰ کرے لیکن پردہ ڈالے گھر میں بیٹھا رہے نہ اس کی اتباع جائز ہے اور نہ ہی اس کو امام ماننا جائز ہے۔"

"فاستعمال السیف فی رای الزیدیه امر واجب' اذا ما امکن به ازاله اهل البغی و اقامه الحق"۔ ۱۱۶

"پس زیدیہ کی رائے میں تلوار کا استعمال امر واجب ہے اگر اس کے بغیر بغاوت کا خاتمہ اور حق کا قیام ممکن نہ ہو۔"

امام جعفر صادقؑ کی کوششیں

ہم نے اوپر جن فرقوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے عقائد بیان کئے ہیں اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ امام جعفر صادقؑ کی وفات تک محض یہی چند فرقے وجود میں آئے تھے اور بس یہی تھوڑے سے عقائد پر بحثیں چل نکلی تھیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے چھوٹے چھوٹے فرقوں کے عقائد کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دیا ہے اسی طرح جن بڑے فرقوں کا ذکر کیا ہے ان کے بھی تمام عقائد بیان نہیں کئے ہیں بلکہ اس "فکری دنگل" کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی ہے جو خون کے میدان میں لڑی جا رہی تھی۔ اس باہمی آویزش سے مسلمانوں

کو نکالنے اور عقائد صحیحہ کی تبلیغ کی خاطر امام جعفر صادقؑ نے جو کوششیں کیں وہ لائق التفات ہیں۔ ان کوششوں کو ہم ذیل میں بیان کریں گے۔

مدرسہ جعفریہ کا قیام

ائمہ علیہم السلام کی یوں تو پوری تاریخ تبلیغ دین سے بھری پڑی ہے لیکن ہم تاریخی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ علوم اہل بیت علیہم السلام کو پھیلانے اور پروان چڑھانے کا جتنا موقع امام محمد باقرؑ اور ان کے فرزند امام جعفر صادقؑ کو ملا کسی کو نہیں ملا یہاں تک کہ امام جعفر صادقؑ سے مروی احادیث کی تعداد تو اس قدر ہے کہ اسے بجائے فقہ شیعہ کے فقہ جعفریہ ہی کہا جاتا ہے۔

اسلامی فرقوں کی باہمی آویزش اور حکومت وقت کا بعض فرقوں کا ساتھ دینا اور بعض کی مخالفت کرنا عالم اسلامی میں خاصی بے چینی پیدا کر چکا تھا لوگ ذرا ذرا سی بات پر فرقے بنا بیٹھتے تھے۔ تلاش حق کی بجائے فرقہ سازی کا جنون ہر طرف زور پکڑ گیا تھا جو بالآخر اسلام کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوا اور اگر امام جعفر صادق علیہ السلام علوم اہل بیتؑ کو نشر نہ کرتے تو حالت اور بھی دگرگوں ہوتی۔ آپ نے فوراً مسند ارشاد سنبھالی اور طالبان حق کو درس دینے میں مشغول ہو گئے اس کے بعد آپ کے یہ شاگرد مختلف بلاد اسلامیہ میں پھیلے اور انہوں نے تبلیغ حق کا فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مدرسہ جعفریہ کا قیام اس دور ابتلاء میں روشنی کا جگمگاتا ہوا چراغ تھا۔ علمائے کرام نے اس مدرسہ کے متعلق لکھا ہے کہ :

"لقد تواتر النقل علی ان الرواۃ عن ابی عبداللہ الصادق علیہ السلام بلغوا اربعہ آلاف"[۲۷]

"یہ روایت تواتر تک پہنچی ہوئی ہے کہ امام صادقؑ سے روایت کرنے والے علماء کی تعداد چار ہزار تھی۔"

علامہ طبری کہتے ہیں :

"ان اصحاب الحدیث قد جمعوا اسامی الرواۃ عنه من الثقات علی اختلافھم فی المقالات کانوا اربعه الاف رجل"۱۱۸

"علماء حدیث نے آپ کے روایت کرنے والے ان ثقہ راویوں کے نام جمع کئے جن کے عقائد مختلف تھے تو وہ چار ہزار افراد تھے۔"

السید محسن الامین کہتے ہیں :

"فقد جمع الحافظ ابن عقدۃ الزیدی اسماء الرواۃ عن ابی عبدالله علیه السلام فکانوا اربعه آلاف؛ وجاء ابن الغضائری فاستدرک علی ابن عقدۃ فزاد علیھم"۔۱۱۹

"حافظ ابن عقدہ الزیدی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرنے والوں کے نام جمع کئے تو وہ چار ہزار علماء تھے بعد میں ابن الغضائری نے ابن عقدہ کے چھوڑے ہوئے ناموں کو بھی جمع کرکے اس میں اضافہ کیا۔"

شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ۔

"ان اصحاب الحدیث قد جمعوا الرواۃ عن الصادق من الثقات علی اختلافھم فی الاراء و المقالات

فکانوا اربعه آلاف" ۔ ۱۳۰

"علمائے حدیث نے امام صادقؑ کے ان راویوں کے نام جمع کیے جو ثقہ ہیں باوجودیکہ ان کے آراء و عقائد میں اختلاف تھا تو ان کی تعداد چار ہزار تھی۔"

یہی بات الشیخ محمد بن علی الفتال نے کہی ہے اور السید علی بن عبدالحمید النیلی نے کتاب الانوار میں کہی ہے۔ ۱۳۱

"وقال المحقق فی المعتبر فی جمله کلامه عن الصادق : فانه انتشر عنه من العلوم الجمه ما بهر به العقول و روی عنه جماعه من الرجال ما یقارب اربعه آلاف رجل" ۔ ۱۳۲

"علامہ محقق نے معتبر میں امام صادقؑ کے کلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا : آپ سے اس قدر علوم پھیلے کہ عقلیں روشن ہو گئیں اور جن لوگوں نے آپ سے روایت کی انکی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔"

"وقال الشهید فی الذکری : ان اباعبدالله جعفر بن محمد الصادق کتب من اجوبه مسائله اربعمائه مصنف لاربعمائه مصنف، ودون من رجاله المعروفین اربعه آلاف رجل من اهل العراق و الشام والجهاد" ۔ ۱۳۳

"شہید نے ذکریٰ میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے چار ہزار مصنفین کے لئے چار ہزار رسالے تحریر فرمائے اور ان کے

شاگردوں میں سے چار ہزار افراد نے جن کا تعلق عراق، شام اور حجاز سے تھا انہیں مدون کیا۔"

"وقال الشیخ حسین والد العلامه البهبهانی فی ذکر الصادق : ودون العامه والخاصه ممن تبرز بعلمه من العلماء والفقهاء اربعه آلاف"۔ ۳۴

"علامہ بھبھانی کے والد شیخ حسین امام صادق کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیعہ و سنی علماء و فقہاء میں سے جو لوگ آپ کے شاگردوں میں سے ممتاز ہوئے اور کتابیں تصنیف کیں ان کی تعداد چار ہزار ہے۔"

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے شاگردوں نے اور خود آپ نے بھی دوسرے مقامات پر بھی مدارس قائم کیے تھے الحسن بن علی الوشاء کا بیان ہے کہ :

"ادرکت فی هذا المسجد' یعنی مسجد الکوفه' تسعمائه شیخ' کل یقول : حدثنی جعفر بن محمد۔ ۳۵ علما بانه کان یسیر الیها قسرا و یقیم فیها تحت مراقبه شدیدة من قبل الدوله"

"میں نے اس مسجد کوفہ میں نو سو شیوخ کو دیکھا جو سب کے سب کہہ رہے تھے کہ ہم سے حدیث بیان کی جعفر بن محمد نے۔ لگتا ایسا ہے کہ آپ مدینہ سے زبردستی یہاں لائے جاتے تھے اور حکومت کی طرف سے شدید پہرے میں رہتے تھے۔"

ان بیانات سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ علمائے اسلام کے نزدیک امام جعفر

صادق علیہ السلام کا حلقہ درس بہت بڑا تھا اور آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جن میں سے ۴ ہزار تو صرف وہ ہیں جنہیں شیعہ اور غیر شیعہ دونوں علماء نے ثقہ قرار دیا ہے یہاں مختلف فیہ حضرات کا ذکر نہیں جنہیں بعض متعصبین نے ترک کردیا ہے۔ آپ کے ان چار ہزار ثقہ اصحاب میں بڑے بڑے نام آتے ہیں جن میں ائمہ مذاہب بھی شامل ہیں مثلاً ابو حنیفہ' مالک بن انس' سفیان ثوری' سفیان بن عینیہ وغیرہ اور ایسے حضرات بھی جن سے صحیح بخاری' صحیح مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے ان میں سے چند کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہ

آپ کا نام نعمان تھا کنیت ابو حنیفہ تھی اہل سنت میں امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ خطیب بغدادی اور مؤرخ ابن خلکان نے امام ابو حنیفہ کے پوتے اسماعیل کی زبانی بیان کیا ہے کہ ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں آیا۔ ہم لوگ فارسی نسل کے ہیں ہمارے دادا امام ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے آپ نے ان کے اور خاندان کے لئے دعا کی تھی ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں ہوئی ہے ۱۲۷۔ سن پیدائش کو ۷۱ھ میں بتایا گیا ہے ۱۲۸۔ لیکن پہلا ہی صحیح ہے۔

امام ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے اس بات کو سوائے ابن تیمیہ کے سب نے تسلیم کیا ہے۔ مفتی عزیز الرحمن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ : فقہ میں اگرچہ آپ امام حماد ہی کے تربیت یافتہ تھے لیکن آپ نے دوسروں سے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً امام جعفر صادقؑ۔ ان کے بارے میں ارشاد

فرماتے ہیں "وما رایت افقہ من جعفر بن محمد الصادق" (یعنی میں نے امام جعفر صادقؑ سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ امام جعفر صادقؑ اہل بیت اور خاندان رسالت سے ہیں اپنے زمانے میں ہر اعتبار سے امام فن اور صاحب کمال سمجھے جاتے تھے۔ صحاح ستہ میں متعدد روایات ان سے منقول ہیں۔۱۲۹۔ علامہ شبلی نعمانی امام محمد باقر علیہ السلام سے امام ابو حنیفہ کے تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے۔ "وصاحب البیت ادری بما فیھا"۔۱۳۰ (یعنی گھر والا زیادہ جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے؟)

ہم اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتے کیونکہ یہ ایک امر مسلم ہے کہ آپؑ کے تلامذہ میں ابو حنیفہ کا شمار ہوتا ہے۔ اس پر مزید گفتگو ہم بعد میں فقہی باب میں کریں گے۔

(۲) مالک بن انس

المتوفی ۱۷۹ھ آپ مالکی مذہب کے امام ہیں آپ کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے خاص تعلق تھا۔ آپ نے امام صادقؑ سے روایت حدیث بھی کی ہے اور آپ کا یہ قول مشہور ہے "ما رات عین افضل من جعفر بن

محمد" یعنی آنکھ نے امام جعفر بن محمد الصادق سے افضل نہیں دیکھا۔

(۳) سفیان الثوری

المتوفی سن ۱۶۱ھ ان کا شمار مذاہب کے رئیسوں میں ہوتا ہے حافظ حدیث تھے ائمہ میں شمار ہے۔ آپ کا مذہب چوتھی صدی ہجری کے بعد تک قائم رہا۔ سفیان ثوری کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے خصوصی تعلق تھا ان سے احادیث کے علاوہ امام صادقؑ کی سیرت کے واقعات اور اخلاق و مواعظ بھی منقول ہیں۔

(۴) سفیان بن عیینہ

المتوفی سن ۱۹۸ھ یہ حجون میں مدفون ہیں ابتدائی مذاہب کے رئیسوں میں ہیں۔

(۵) شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی

المتوفی سن ۱۶۰ھ ان کی احادیث اصحاب صحاح ستہ اور سنن نے روایت کی ہیں آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد کثیر ہے۔ امام شافعی کا آپ کے بارے میں قول ہے کہ "لو لا شعبہ لما عرف الحدیث بالعراق" اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق والوں کو حدیث کی معرفت ہی نہ ہوتی اور امام احمد کہتے ہیں : "شعبہ امہ واحدۃ" شعبہ خود ایک امت ہیں۔

(۶) فضیل بن عیاض بن سعد بن بشر التمیمی الیربوعی

المتوفی سن ۱۸۷ھ یہ بھی امام صادقؑ کے شاگرد ہیں جزری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ائمہ ھدیٰ و سنت میں سے ہیں ان سے اعمش، سلیمان التمیمی،

ابن المبارک' ابن القطان اور احمد بن المقدام اور خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ امام نسائی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ بخاری' ترمذی' مسلم اور نسائی نے ان کی حدیث روایت کی ہے۔

(۷) حاتم بن اسماعیل

المتوفی سن ۱۸۰ھ یہ کوفی ہیں بخاری' مسلم اور ترمذی کے علاوہ بھی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے اور انہیں حدیث میں ثقہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے اخذ علوم کیا اور ان سے خلق کثیر نے فائدہ اٹھایا ان میں اسحاق اور یحییٰ ابن معین وغیرہ شامل ہیں۔۔۔ ۱۳۱

(۸) حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک ابو عمرو الکوفی

المتوفی سن ۱۹۴ھ انہوں نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے اور ان سے امام احمد' اسحاق' ابو نعیم' یحییٰ بن معین' علی بن المدینی' عفان بن مسلم اور کوفہ کے عام علماء نے روایت کی ہے۔ بغداد کے قاضی مقرر ہوئے پھر معزول کردیئے گئے بعد ازاں کوفہ کے قاضی بنائے گئے آپ کو کثرت سے احادیث مکمل طور پر پوری طرح یاد تھیں۔ مشائخ نے آپ سے ۳ یا ۴ ہزار حدیثیں روایت کی ہیں ایک جماعت آپ سے راوی ہے۔۔۔ ۱۴۲

(۹) زہیر بن محمد التمیمی ابو المنذر الخراسانی

المتوفی سن ۱۶۲ھ انہون نے امام صادقؑ سے اخذ کیا اور ان سے امام ابوداؤد الطیالسی نے نیز روح بن عبادہ' ابو عامر العقدی' عبد الرحمٰن بن مہدی' الولید بن

مسلم، یحییٰ بن بکیر اور ابو عاصم وغیرہ نے اخذ کیا۔ امام احمد، یحییٰ اور عثمان الدارمی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے آپ صحاح کے راویوں میں سے ہیں۔

(۱۰) اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری

المتوفی بغداد سن ۱۸۰ھ ان سے محمد بن جہضم و یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، ابو ربیع الزہرانی، ابو معمر الھذلی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ اسماعیل بن جعفر انصاری ثقہ ہیں۔ اہل مدینہ سے ہیں لیکن بعد میں بغداد چلے گئے تھے اور مرتے وقت تک وہیں رہے۔ ان سے بخاری، مسلم، اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔[۱۳۳]

(۱۱) ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ابو اسحاق المدنی

المتوفی سن ۱۹۱ھ امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں ان کی ایک مبوب کتاب حلال و حرام پر ہے اس کا ذکر شیخ طوسی نے الفہرست میں کیا ہے۔ ان سے روایت نے والوں میں ابراہیم بن طہمان اور الثوری ہیں اور ابن جریج، الشافعی، سعید بن ابی مریم، ابو نعیم اور بہت سے دوسروں نے ان سے روایت کی ہے انھیں امام شافعی کے اساتذہ میں شمار کیا جاتا ہے ان کی کتابیں شافعی سے زیادہ ہیں۔[۱۳۴]

(۱۲) ضحاک بن مخلد ابو عاصم النبیل البصری

المتولد سن ۱۲۲ و المتوفی سن ۲۱۲۔ امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بخاری، احمد بن حنبل، ابن المدینی، اسحاق بن راہویہ روایت کرتے ہیں ابن شیبہ کہتے ہیں قسم بخدا میں نے ان کا مثل نہ دیکھا۔

(۱۳) محمد بن فلیح بن سلیمان المدنی

المتوفی سن ۱۷۷ھ۔ ان سے بخاری' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

(۱۴) عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت

المتوفی سن ۱۹۴ھ۔ ان سے محمد بن ادریس شافعی نے روایت کی ہے نیز امام احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین و ابن المدینی وغیرہ نے بھی۔ منصور دوانیقی کے عہد میں بغداد گئے اور وہاں اسے حدیثیں سنائیں ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ عبدالوہاب کی آمدنی سالانہ ۱۲ لاکھ چالیس ہزار تھی جسے وہ اصحاب حدیث پر صرف کرتے۔ مسلم اور بخاری نے ان سے روایات لی ہیں۔

(۱۵) عثمان بن فرقد العطار ابو معاذ البصری

بخاری نے اپنی صحیح اور ترمذی نے جامع الصحیح میں ان سے روایت لی ہے۔ ان سے ابن مدائنی' ابن المثنیٰ' زید بن احزم نے بھی روایت کی ہے اور ابن حاتم کہتے ہیں کہ وہ مستقیم الحدیث تھے۔

(۱۶) عبدالعزیز بن عمران بن عبدالعزیز الزھری بن ابی ثابت الاعرج المدنی

المتوفی سن ۱۹۷ھ۔ ان سے ترمذی نے روایت کی ہے۔

(۱۷) عبداللہ بن دکین الکوفی

کتاب الادب المفرد میں امام بخاری نے ان سے روایت لی ہے۔ امام احمد نے

انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ان سے یحییٰ الوضاحی و موسیٰ بن اسماعیل نے روایت کی ہے۔

(۱۸) زید بن عطاء بن سائب

ان سے اسرائیل و جریر بن عبدالحمید نے روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ترمذی و نسائی نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

(۱۹) مصعب بن سلام التمیمی الکوفی

ان سے امام احمد و ابو سعید الاشج نے روایت کی ہے۔ ان سے ترمذی نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں ان سے روایت لینے میں حرج نہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں وہ شیخ ہیں اور سچے ہیں۔

(۲۰) بشیر بن میمون الخراسانی

المتوفی سن ۱۸۴ھ۔ ان سے احمد بن عاصم الخراسانی نے روایت کی ہے۔ یہ بغداد گئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے روایات لیں۔ ابن ماجہ نے ان سے روایت لی ہے۔

(۲۱) ابراہیم بن سعد الزہری

المتوفی سن ۱۸۳ھ۔ یہ اکابرین میں سے ہیں صحاح میں ان سے روایات موجود ہیں۔ امام احمد بن حنبل کے اساتذہ میں سے ہیں۔

(۲۲) سعید بن مسلمہ الاموی

المتوفی سن ۲۰۱ھ۔ وہ امام شافعی کے استاد اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔

(۲۳) الحارث بن عمیر البصری

یہ مکہ آئے اور امام صادقؑ سے روایت کیا ان سے ابن عینیہ' ابن مہدی اور ابو اسامہ روایت کرتے ہیں۔

(۲۴) مفضل بن صالح الاسدی

ابو جمیلہ الکوفی ترمذی نے ان سے روایت کیا ہے۔ محمد بن عبید اللہ المحاربی ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۲۵) ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی

ابوبکر البصری مولی عنزہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جھینہ کے مولا تھے ان سے اعمش اور قتادہ نے روایت کی ہے۔ یہ قتادہ کے شیخ بھی ہیں۔ دونوں حمادوں' دونوں سفیانوں' شعبہ اور خلق کثیر نے ان سے روایت کی ہے۔ ابن سعد اور ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۱ھ میں انتقال فرمایا۔

(۲۶) عبد الملک بن جریح القریشی

یہ مشہور عالم ہیں اور کہا جاتا ہے کہ عالم اسلام میں سب سے پہلی کتاب انہوں نے لکھی۔ سن ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور سن ۱۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔

اور ان حضرات کے علاوہ ہزاروں اصحاب ہیں جو مدرسہ امام صادقؑ کی طرف منسوب ہیں ان کے نام ابن حجر نے تہذیب التہذیب' لسان المیزان اور تقریب التہذیب میں' ذہبی نے میزان الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ میں' الجزری نے خلاصۃ الکمال میں' خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں' ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں جابجا ذکر کئے ہیں۔ جہاں تک امام جعفر صادق علیہ السلام کے خاص اصحاب کا تعلق ہے تو ان میں سے بعض کا ذکر ہم علیحدہ باب میں کریں گے۔

کیفیت مدرسہ و تدریس

امام جعفر صادق علیہ السلام کا مدرسہ اصلاً تو مدینہ میں مسجد نبوی میں ہی تھا لیکن جیساکہ ہم اوپر الحسن بن علی الوشاء کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ کوفہ کی مسجد میں بھی ایک مدرسہ قائم تھا۔ نیز جن تلامذہ امام کے نام اوپر آئے ہیں ان میں بشیر بن میمون الخراسانی نے بغداد میں امامؑ سے درس لیا ہے اور الحارث بن عمیر البصری نے مکہ آکر۔ ابوزھرۃ نے ایک نص کے سلسلے میں استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابو حنیفہ نے یا عراق میں امام علیہ السلام سے یہ روایت لی ہے یا مدینہ میں۔ اس پر ہم آگے فقہی باب میں گفتگو کریں گے۔ اس طرح امام علیہ السلام کے مدارس کا مکہ' مدینہ' کوفہ اور بغداد میں قائم ہونا ثابت ہوتا ہے جسے بعد میں آپ کے شاگردوں نے قائم رکھا۔ مشہور مورخ حسین عماد زادہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :

"مدرسہ امام جعفر صادق علیہ السلام منزل او در مدینہ و مسجد پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بین قبر و منبر بودہ کہ امام ششم پس از نماز صبح روی بحاضر کردہ و محصلین و طلاب علوم جمع میشدند و درس علم و فضیلت را می

خواندند۔ قبل از امام ششم در همین مسجد و همیں مدرسہ کہ از هم تفکیک نمیشد و غیر قابل تجزیہ در اسلام بودہ پنج شخصیت علمی نیز این مدرسہ را تشکیل دادہ و تدریس میکردند۔ اول موسس این مدرسہ و مسجد شخصیت پیغمبر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بود کہ عقل کل و اشراف رسل بود و پس از ہجرت از مکہ در همیں مسجد می نشست و اصحاب را علم و فضیلت می آموخت۔" ۱۳۵

"یعنی مدینہ میں امام صادق علیہ السلام کا مدرسہ آنجناب" کا گھر اور مسجد نبوی میں قبر و منبر کے درمیان تھا جہاں نماز صبح کے بعد امام علیہ السلام حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے، محصلین اور طالبان علم جمع ہو جاتے اور درس علم و فضیلت پڑھتے۔ امام ششمؑ سے پہلے اس مسجد میں اور اسی مدرسہ میں جو کبھی نہ بند ہوا اور جس کا عالم اسلام میں مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ پانچ علمی شخصیات نے اس مدرسہ میں درس دیا اور اس مدرسے کے پہلے مؤسس پیغمبر اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے جو عقل کل اور اشراف رسل تھے اور ہجرت مکہ کے بعد اسی مسجد میں بیٹھتے اور اصحاب کرام کو علم و فضیلت کا درس دیتے۔"

اس کے دوسرے مدرس علی بن ابی طالبؑ تیسرے امام سجادؑ چوتھے مدرس امام محمد باقر علیہ السلام تھے اور پانچواں مدرسہ جو پہلے پانچ مدرسوں سے زیادہ بڑا اس کے مدرس امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ اس طرح یہ مدرسہ پانچو بزرگوں کی روایات کا امین تھا۔ یہ ایسا مدرسہ تھا جس میں ۴ ہزار سے زیادہ علماء فضلاء درس لیتے تھے۔

طریقہ تدریس

روایات اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نماز صبح کے بعد امام علیہ السلام اپنا رخ حاضرین کی طرف کرتے یہ باقاعدہ کلاس نہ ہوتی بلکہ ایک مجمع علمی ہوتا تھا لوگ سوالات پوچھتے جاتے اور امام علیہ السلام جوابات دیتے جاتے اور فرماتے کہ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔ ان سوالات میں حدیث' فقہ' عقائد' فلسفہ' کلام' طب' ادیان مختلفہ' نجوم' فلکیات' ہیئت' ہندسہ غرض مختلف علوم سے متعلق سوالات ہوتے اور آپ ایک ایک کر کے جواب دیتے جاتے۔ کبھی غیر مسلموں اور دیگر فرقوں کے افراد سے مناظرے بھی ہوتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی شخص اس مجلس علمی میں ایک سوال کرتا۔ امامؑ کہتے کہ پہلے تم لوگ آپس میں بحث کرو بعد ازاں خود اس پر فیصلہ فرماتے اس طرح انتہائی آزادانہ ماحول میں علمی و فکری بحثیں ہوتیں۔

عمرو بن المقدام کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہر درس سے پہلے مجھے صداقت' راستی اور فضیلت کا درس دیتے اور درس سے قبل ہر روز تھوڑی بہت نصیحت کرتے اور ایمان و اخلاق کی وصیت کرتے اور جب تدریس شروع کرتے تو پہلے سے زیر بحث مسائل پر روشنی ڈالتے۔ بعض دوسرے شاگردوں نے بیان کیا ہے کہ امامؑ درس سے پہلے تحصیل علم و سعادت اور حصول فضیلت و ایمان و امانت کی تاکید فرماتے اور مکارم اخلاق اور احتساب نفس پر بہت زور دیتے۔[۱۳۶]

عقائد اسلامیہ پر ان بحثوں اور اسلام کے تحفظ کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی کوششوں کے مختصر تعارف کے بعد ہم مسائل اعتقادیہ پر حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات و تعلیمات مختصراً بیان کرتے ہیں۔

اعتقادات کے بارے میں آپ کی تعلیمات

یہاں ہمارا مقصد تمام معتقدات اسلامیہ کے بارے میں امامؑ کے مفصل ارشادات و خطبات کو پیش کرنا نہیں ہے بلکہ صرف ان امور کے بارے میں امامؑ کے مختصر ارشادات نقل کرنا مقصود ہیں جن کو اوپر کسی نہ کسی فرقے کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ ہمیں حیرت مصر کے مشہور عالم محمد ابوزہرہ پر ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "الامام الصادق" ص ۱۴۳ میں جہاں معتقدات پر امامؑ کی آراء پر بحث کی ہے وہاں مستند کتابوں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات نقل کرنے کی بجائے علمائے امامیہ کے حوالے سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ بہرحال یہاں استاذ ابوزہرہ پر مفصل تنقید تو مطلوب نہیں لیکن امامؑ کے ارشادات ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

نفی رؤیت باری تعالیٰ

اللہ تبارک و تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو عرصہ دراز سے علمائے اسلام کے درمیان موضوع بحث بنا ہوا ہے اور علماء نے اس مسئلہ پر خوب عقلی بحثیں کی ہیں۔ بعض علماء مثلاً اشاعرہ اور اصحاب ظواہر اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے نہ صرف یہ کہ دیکھا جا سکتا ہے بلکہ قیامت میں تو سب ہی اللہ کو دیکھ سکیں گے کیونکہ قرآن مجید کی آیہ مبارکہ ہے۔

"وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ" (سورہ القیمہ ۷۵۔

آیت ۲۳)

"اس روز چہرے چمک رہے ہوں گے اور وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔"

پھر یہ کہ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ کو دیکھا اور حضرت موسیٰؑ نے طور پر دیکھا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس عقیدے کی نفی فرمائی ہے۔ امالی شیخ صدوقؒ میں اسماعیل بن الفضل سے روایت ہے۔

"قال : سالت ابا عبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیھما السلام عن اللہ تبارک و تعالی ھل یری فی المعاد؟ فقال : سبحان اللہ و تعالی عن ذلک علوا کبیرا یا ابن الفضل ان الابصار لا تدرک الا ما لہ لون و کیفیہ' واللہ خالق الالوان والکیفیہ"۔[۱۳۸]

"میں نے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ قیامت میں نظر آئے گا؟ آپؑ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔ اے ابن فضل آنکھیں صرف ان چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں جن کا رنگ یا کیفیت ہو جبکہ اللہ رنگ اور کیفیت کا بھی خالق ہے۔"

مشہور صوفی ابراہیم الکرخی سے امالی الشیخ الصدوق میں ہی روایت ہے۔

"قلت للصادق جعفر بن محمد علیھما السلام : ان رجلا رای ربہ عزوجل فی منامہ فما یکون ذالک؟ فقال : ذلک رجلا لا دین لہ ان اللہ تبارک و

تعالی لا یری فی الیقظه ولا فی المنام ولا فی الدنیا ولا فی الاخرة" [۱۳۹]

"میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اللہ کو خواب میں دیکھا اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپؑ نے فرمایا: یہ ایسا شخص ہے جس کا کوئی دین نہیں بے شک اللہ تعالیٰ کو نہ جاگتے میں دیکھا جا سکتا ہے نہ سوتے میں، نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔"

شیخ صدوقؒ ہی نے کتاب التوحید میں اور الاحتجاج میں طبرسیؒ نے یہ روایت دی ہے۔

"عن عبداللّٰه بن سنان عن ابی عبداللّٰه علیه السلام فی قوله عزوجل: لا تدرکه الابصار وهو یدرک الابصار، قال: احاطه الوهم، الا تری الی قوله: قد جاء کم بصائر من ربکم لیس یعنی بصر العیون (فمن ابصر فلنفسه) لیس یعنی من البصر بعینه (ومن عمی فعلیها) لم یعن عمی العیون، انما عنی احاطه الوهم کما یقال: فلان بصیر بالشعر، و فلان بصیر بالفقه و فلان بصیر بالدراهم و فلان بصیر بالشیاب، اللّٰه اعظم من ان یری بالعین" [۱۴۰]

"عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اسے نظریں نہیں ادراک کر سکتیں وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے

کے متعلق نقل کیا ہے کہ اس سے مراد عقلوں کا احاطہ اور ـــ ت ــ
کیا تم اللہ کا یہ قول نہیں دیکھتے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف
سے بصائر آئے' یہاں آنکھوں کی بینائی مراد نہیں۔ اور فرمایا جو بصیرت
سے کام لیتا ہے وہ خود اس کے لئے فائدہ مند ہے یہاں بھی بصارت عینی
مراد نہیں اور یہ فرمایا کہ جس نے اندھا پن دکھایا وہ اس کے لئے نقصان
وہ ہے اس سے آنکھوں کا اندھا پن مراد نہیں بلکہ احاطہ عقول مراد ہے
جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کو شعر میں بصیرت حاصل ہے' فلاں کو فقہ میں
اور فلاں کو دراھم میں اور فلاں کو کپڑوں میں بصیرت حاصل ہے۔ اللہ
تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ آنکھوں سے اسے دیکھا جاسکے۔"

معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا بھی
مسلمانوں کے نزدیک بہت متنازع رہا ہے اس بارے میں امام جعفر صادق علیہ
السلام کا ایک قول ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔ روضہ الکافی میں شیخ محمد بن یعقوب
الکلینی" نے یہ روایت لکھی ہے۔

"سال محمد الحلبی الصادق علیه السلام
فقال : رای رسول الله صلی الله علیه و آله ربه؟
قال : نعم رآه بقلبه' فامار بنا جل جلاله فلا تدرکه
ابصار حلق الناظرین ولا یحیط به اسماع
السامعین" ۱۴۱ـ

"محمد الحلبی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا رسول
اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا : ہاں

قلب سے، ہمارا رب جلیل وہ ہے کہ آنکھیں اسے کوشش کے باوجود پا نہیں سکتیں اور نہ ہی سننے والوں کی قوت سماعت اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔"

قدرت الٰہیہ قضاء و قدر اور جبر و تفویض

قدرت الٰہیہ کے مفہوم اور اطلاق پر علمائے اسلام کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ جن تک بہت سی آیات موجود ہیں جن میں اللہ کا ہر شئے پر قادر ہونا بتایا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے "ان اللہ علی کل شئی قدیر" (آیت ۲۵۹) "بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" یہی بات سورۂ ہود کی چوتھی آیت میں کہی گئی ہے۔ سورہ کہف ۱۸ میں فرمایا گیا ہے کہ "و کان اللہ علی کل شئی مقتدرا" (۴۵) "اللہ تعالیٰ کو ہر شئے پر تسلط حاصل ہے۔" سورہ نور ۲۴ میں فرمایا "یخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شئی قدیر" (۴۵) "اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور ہر شئے پر اللہ قادر ہے۔" اور اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں جن کے پیش نظر بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھائی اور برائی دونوں پر قادر ہے۔ لیکن بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ اگر انسان سے اچھائی اور برائی دونوں اللہ تعالیٰ ہی کرواتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کے کیا معانی جب کہ وہ عادل ہے۔ اس بارے میں ہم امام جعفر صادق علیہ السلام اور علمائے اہل تشیع کے چند اقوال پیش کرتے ہیں۔

"عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال : ان من شبہ اللہ

بخلقہ فھو مشرک و من انکر قدرتہ فھو کافر"۔ ۱۴۲
"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دے وہ مشرک ہے اور جو اس کی قدرت سے انکار کرے وہ کافر ہے۔"

اب کیا قدرت کے یہ معانی لئے جائیں گے کہ انسان مجبور محض ہے جو اس کے لئے مقدر کردیا گیا ہے وہ اس کے سوا کچھ کر ہی نہیں سکتا یا یوں کہئے کہ انسان مجبور ہے مختار نہیں۔ اس مسئلے کو قضاء قدر اور جبر و تفویض کے نام سے جانا جاتا ہے، قضاء و قدر ائمہ علیہم السلام کے نزدیک حق ہے لیکن جبر و تفویض غلط ہے بلکہ "المنزلہ بین المنزلتین" حقیقت ان دونوں کی درمیانی منزل ہے۔ یہاں اس جملے کو معتزلہ کے جملے سے مشابہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کیونکہ وہاں اس جملے کا مطلب مرتکب گناہ کبیرہ کا کفر اور ایمان کی درمیانی منزل میں ہونا ہے۔ اب ہم یہاں امام جعفر صادق علیہ السلام کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں۔

"عن عبداللہ بن سلیمان عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال : سمعتہ یقول : ان القضاء والقدر خلقان من خلق اللہ، واللہ یزید فی الخلق مایشاء"
"عبداللہ بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو کہتے سنا کہ قضاء و قدر اللہ کی صفتوں میں سے دو صفتیں ہیں اور اللہ اپنی مخلوقات میں جس قدر چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔"۔ ۱۴۳

اس حدیث میں "خلقان من خلق اللہ" میں "خلق" کے اعراب میں اختلاف ہے اگر "خ" پر پیش پڑھیں جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے اختیار کیا ہے اور ہم نے ان کی پیروی کی ہے تو مراد اللہ کی دو صفتیں ہوں گی اور اگر "خ" پر زبر

پڑھیں تو مخلوق مراد ہوگی جیسا کہ علامہ السید ہاشم الحسینی الطہرانی نے "کتاب التوحید" کے اعراب میں اختیار کیا ہے۔ اس حدیث کے حاشئے میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

"ولا يبعد ان يكون المراد بهما موجودين من الملائكه او غيرهم يجرى على ايديهما قضاوة تعالٰى وقدره كالنازلين ليله القدر"۔۱۳۴

"اور یہ بعید نہیں ہے کہ قضاء و قدر سے مراد دو ملائکہ یا دو مخلوق ہوں جن کے ذریعے سے اللہ کی قضاء و قدر جاری ہوتی ہو جیسے لیلۃ القدر میں نازل ہونے والے فرشتے۔" (والله يزيد فى الخلق سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں امام علیہ السلام نے ان کے فرق کو یوں ظاہر کیا ہے۔

"عن ابن اذينه عن ابى عبدالله عليه السلام قال : قلت له : جعلت فداك ما تقول فى القضاء والقدر؟ قال : اقول : ان الله تبارك و تعالى اذا جمع العباد يوم القيامه سالهم عما عهد اليهم ولم يسالهم عما قضا عليهم"۔۱۳۵

"ابن اذینہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ قضاء و قدر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالٰی یوم قیامت جب سب کو جمع کرے گا تو جو عہد ان سے لیا تھا اس کے بارے میں تو پوچھے گا اور جو ان پر مسلط کیا گیا تھا ان کے بارے

میں نہیں پوچھے گا۔"

علامہ مجلسیؒ نے اس موقع پر وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

"ھذا الخبر یدل علی ان القضاء و القدر انما یکون فی غیر الامور التکلیفیہ کالمصائب والامراض وامثالھا فلعل المراد بھما القضا والقدر حتمیان"

"یہ خبر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قضاء و قدر کا تعلق امور تکلیفیہ (یعنی شرعی) کے علاوہ دوسری چیزوں جیسے مصائب، امراض وغیرہ سے ہے اور غالباً یہاں حتمی قضا و قدر مراد ہے۔" ۱۳۶؎

ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک "قدری" سے کہا۔

"اقراء الفاتحہ، فقرء فلما بلغ قولہ : "ایاک نعبد وایاک نستعین" قال لہ جعفر : علی ماذا تستعین باللہ و عندک ان الفعل منک و جمیع ما یتعلق بالاقدار والتمکین والالطاف قد حصلت و تمت؟ فانقطع القدری، والحمد للہ رب العالمین"

"سورۂ فاتحہ پڑھو، اس نے پڑھنا شروع کیا جب وہ "ایاک نعبد۔۔۔۔۔" یعنی ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں پر پہنچا تو آپ نے فرمایا : تم کس چیز میں اللہ کی مدد چاہتے ہو حالانکہ تم کہتے ہو کہ تمام افعال تم سے ہی صادر ہوتے ہیں اور جو کچھ قدروں، تمکین اور الطاف الٰہی سے متعلق ہے وہ حاصل ہو چکا اور مکمل ہو گیا پس قدری چپ ہو گیا۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو

تمام جہانوں کا رب ہے۔"۔۔۔ ۱۴۷

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام علیہ السلام "قدریوں" کی اس گروہ کی نفی فرما رہے ہیں جو اللہ کو بالکل معطل سمجھتا ہے یعنی اس کے خیال میں بندوں کے افعال میں مطلقاً اللہ کا دخل نہیں۔ اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بحارالانوار کے حاشیہ نویس کی رائے ہم یہاں نقل کریں۔ یہ تشریح مشہور عالم' مفسر اور فلسفی علامہ محمد حسین الطباطبائیؒ نے اس حدیث کے ذیل میں لکھی ہے جو اوپر ابن اذینہ کے حوالے سے گزری۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تکالیف شرعیہ اور احکام امور اعتباری ہیں ان کا تکوین (یعنی خلقت) سے تعلق نہیں اور جہاں تک قضاء و قدر کا تعلق ہے وہ اپنے معانی کے لحاظ سے تکوینیات سے متعلق ہیں۔ پس اعمال اپنے وجود خارجی کے اعتبار سے دیگر تمام موجودات کی طرح ہیں اور قضاء و قدر ان سے متعلق ہے لیکن امر و نہی' اطاعت و معصیت کے اشتمال کے لحاظ سے یہ امور اعتباری ہیں اور دائرہ قضاء و قدر سے باہر ہیں اور اس کے وہی معانی ہیں جو امیرالمومنینؑ نے صفین سے واپسی کے وقت مرد شامی کو بتائے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ تکلیف شرعی کی بنیاد مصالح عوام پر ہے پس اعمال میں "قدر" [illegible] سے وجود میں آتی ہے جس کی وجہ سے تکلیف لازم ہے اور "قضاء" [illegible] وجوب' حرمت' امر و نہی کا نام ہے۔۔۔ ۱۴۸

اصول کافی' کتاب التوحید باب الجبر و القدر کی دوسری حدیث میں امام صادقؑ نے فرمایا۔

"من زعم ان اللہ یامر بالفحشاء فقد کذب علی اللہ

ومن زعم ان الخیر والشر الیہ فقد کذب علی اللّٰہ"

"جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ فحشاء کا حکم دیتا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ خیر و شر دونوں بندے کی طرف سے ہیں اس نے بھی اللہ پر جھوٹ بولا۔" ۱۴۹

اس کی وضاحت خود امام علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمائی ہے جو اس باب کی چھٹی حدیث ہے آپ فرماتے ہیں۔

"قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ : من زعم ان اللّٰہ یامر بالسوء والفحشاء فقد کذب علی اللّٰہ ومن زعم ان الخیر و الشر بغیر مشیئہ اللّٰہ فقد اخرج اللّٰہ من سلطانہ و من زعم ان المعاصی بغیر قوۃ اللّٰہ فقد کذب علی اللّٰہ ومن کذب علی اللّٰہ ادخلہ اللّٰہ النار" ۱۵۰

"آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ برائی اور فحشاء کا حکم دیتا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور جس نے کہا کہ خیر اور شر بغیر اللہ کی مشیت ہوتے ہیں اس نے اللہ کو اس کی حکومت سے خارج کردیا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ گناہ بغیر اللہ کی دی ہوئی قوت کے ہوتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اللہ اسے جہنم میں ڈال دیتا ہے۔"

اس موقع پر ہم دو تشریحیں نقل کرنا چاہتے ہیں ایک علامہ مجلسیؒ کے حوالے سے اور دوسری علامہ محمد حسین الطباطبائیؒ کے حوالے سے وہ یہ ہیں۔

"الفاحشه : الفعله المتناهيه فى القبح كعبادة الصنم و كشف العورة فى الطواف حيث كان المشركون يطوفون عراة و يقولون لا نطوف فى الثياب التى قارفنا فيها الذنوب' فكانوا اذا نهوا عنها اعتذروا واحتجوا بامرين : تقليد الاباء والافتراء على الله' فاعرض عن الاول لظهور فساده" ۱۵۱

"فاحشہ کے معنی ایسے قبیح فعل کے ہیں جس سے منع کیا گیا ہے جیسے بتوں کی عبادت اور طواف میں برہنہ ہو جانا' جیسے مشرک برہنہ طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ان کپڑوں میں کیسے طواف کریں جس میں ہم نے گناہ کئے ہوئے ہیں' پس جب انہیں اس فعل سے منع کیا جاتا تو وہ عذر کرتے اور دو باتوں سے استدلال کرتے۔ آباء و اجداد کی تقلید اور اللہ پر افتراء' پس ظہور فساد کی وجہ سے پہلی بات سے تعرض کیا گیا ہے۔"

اور علامہ طباطبائی فرماتے ہیں یعنی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ خلاف شریعت یا بے ہودہ کاموں کا حکم دیتا ہے اور وہ عقیدۂ جبر کا قائل ہے تو اس کا عقیدہ یہ ہو گا کہ معاصی کے بارے میں اللہ کا ارادہ حتمی ہے تو یہ کہنے والے نے اللہ پر جھوٹ باندھا ایسے شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے قرآن مجید میں فرمایا "ان اللہ لا یامر بالفحشاء" (الاعراف۔ آیت ۲۸) "اللہ بری باتوں کا حکم نہیں دیتا۔" اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اچھے اور برے افعال بغیر مشیت الٰہی کے ہو جاتے ہیں

تو وہ لوگ مفوضہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ افعال انسانی مشیت کی مخلوق ہیں نہ کہ اللہ کی مشیت کے۔ اور جس نے ایسا دعویٰ کیا اس نے اللہ سے اس کی حکومت چھین لی حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ولہ الملک" اور حکومت تو اسی کی ہے اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ معاصی اللہ کی قوت کی بجائے انسان کی قوت سے وجود میں آتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" جو کچھ کہ اللہ چاہتا ہے اللہ کی عطا کردہ قوت کے سوا کوئی قوت نہیں ہے۔ ۱۵۲

حدیث صحیح میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔

"ان اللہ خلق الخلق فعلم ماھم صائرون الیہ و امرھم ونھاھم فما امرھم بہ من شئی فقد جعل لھم السبیل الی ترکہ ولا یکونون آخذین ولا تارکین الا باذن اللہ"۔ ۱۵۳

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو خلق کیا اور وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ کس راہ پر جائیں گے پس اس نے بعض باتوں کا حکم دیا بعض سے روکا۔ اور اس نے جس کام کو بھی کرنے کا حکم دیا اس کے ترک کرنے کی سبیل بھی اس کے لئے بنا دی ہے اب وہ کام کرنے والے اور کام نہ کرنے والے صرف اللہ ہی کے حکم سے قرار دیئے جائیں گے۔"

علامہ محمد باقر البہبودی المحدث نے صحیح الکافی میں اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے۔ ۱۵۴۔ اور علامہ مجلسیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

"قال بعض المحققین : ای کل ما یتعلق بہ الامر

جعل للامور سبیل الی ترکه باعطاء القدرة له و امکان المامور به"۔۱۵۵

"بعض محققین کہتے ہیں ہر وہ کام جس سے کہ امر الٰہی وابستہ ہے اللہ نے انسان کو اس کے ترک کی قدرت عطا فرما کر اس کے ترک کا راستہ انسان کے لئے پیدا کر دیا اور جسے حکم دیا اس کے لئے اطاعت کا امکان بھی باقی رکھا۔"

اب ہم امام صادقؑ کی ایک حدیث نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

"عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال : سئل عن الجبر و القدر، فقال : لا جبر و لا قدر ولکن منزله بینهما فیها الحق التی بینهما لا یعلمها الا العالم او من علمها ایاه العالم۔۱۵۶ ------ فی الروایه الاخری قال : نعم اوسع ما بین السماء و الارض"۔۱۵۷

"امام جعفر صادق علیہ السلام سے جبر و قدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا نہ مکمل جبر ہے اور نہ ہی مکمل قدر لیکن ان دونوں کے درمیان ایک منزل ہے اور اس منزل کی حقیقت کو صرف عالم جانتا ہے یا وہ جان سکتا ہے جسے عالم نے بتایا ہو ------ اور دوسری روایت میں ہے کہ زمین اور آسمان کی درمیانی وسعت سے بڑھ کر اس میں وسعت ہے۔" (عالم سے مراد امام وقت ہے)

اس موضوع پر تفصیلی بحث کے خواہش مند سید العلماء علی نقی النقویؒ کی کتاب جبر و اختیار، استاذ مطہری کی کتاب انسان اور تقدیر، علامہ مجلسیؒ کی

بحار الانوار کی ج ۳ '۴ '۵ اور علامہ مجلسیؒ ہی کی شرح کافی یعنی مراۃ العقول ج ۲۔ ص ۱۹۵ تا ۲۱۳ اور عقائد کی دوسری کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب استاد مطہری شہید کی ہے۔

کیا قرآن مجید مخلوق ہے؟

معتزلہ کے وہ مخصوص عقائد جن کی وجہ سے عالم اسلام میں انہیں ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے انہیں میں سے ایک عقیدہ قرآن مجید کا مخلوق ہونا تھا جس کی بعض دوسرے فرقوں نے سختی سے تردید کی یہاں تک کہ اس مسئلے میں امام احمد بن حنبل کو سختیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ معتزلہ کا کہنا تھا کہ قرآن حادث اور مخلوق ہے ازل سے نہیں ہے جب کہ امام احمد بن حنبل اور دوسرے حضرات یہ کہتے تھے کہ قرآن قدیم ازلی ہے۔ چنانچہ اس فتنے نے سر اٹھایا اور لوگوں کے کفر و ایمان کا دارومدار اسی کے متعلق عقیدہ قرار دے لیا گیا۔ بعض فرقوں کے نزدیک قرآن کو حادث اور مخلوق قرار دینے والے خارج از اسلام ہیں اور معتزلہ کے نزدیک قرآن کو حادث نہ ماننے والے خارج از اسلام ہیں۔ بہرحال یہ عقیدہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس موضوع پر ہم امام علیہ السلام کے چند اقوال نقل کرتے ہیں۔

"عن سالم قال : سالت الصادق جعفر بن محمد علیہما السلام فقلت له : یابن رسول الله ما تقول فی القرآن؟ فقال : هو کلام الله و قول الله و کتاب الله و وحی الله و تنزیله' وهو الکتاب العزیز

الذی لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه
تنزیل من حکیم حمید" ۱۵۸

"علی بن سالم نے اپنے والد سالم سے روایت کی ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی اے فرزند رسولؐ آپ قرآن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا : وہ اللہ کا کلام' اس کا قول' اس کی کتاب' اس کی وحی اور اس کا نازل کردہ ہے۔ وہ ایسی مضبوط کتاب ہے کہ نہ آگے سے اور نہ ہی پیچھے سے باطل اس میں داخل ہو سکتا ہے اور وہ ایک صاحب حکمت اور لائق مدح ذات کا نازل کردہ ہے۔"

عبدالرحیم القصیر کہتے ہیں کہ میں نے عبدالملک بن اعین کے ہاتھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں چند سوالات روانہ کئے اور ان سے ان عقائد کے بارے میں مذہب صحیح دریافت کیا جو عوام میں رائج اور موضوع بحث بنے ہوئے ہیں تو امام علیہ السلام نے اسی خط پر یہ جواب لکھ کر بھیجا۔ یہ خط بعض دوسرے موضوعات پر بھی مشتمل ہے لہٰذا قرآن سے متعلق حصہ نقل کرتے ہیں۔ عبدالرحیم نے لکھا۔

"واختلفوا فی القرآن' فزعم قوم : ان القرآن کلام اللہ غیر مخلوق' وقال آخرون : کلام اللہ مخلوق--- فاجاب ۱۵۹ الامام علیه السلام : وسالت ۱۶۰ رحمک اللہ عن القرآن واختلاف الناس من قبلکم فان القرآن کلام اللہ محدث' غیر مخلوق' و غیر ازلی مع اللہ تعالٰی ذکرہ' و تعالٰی

عن ذلک علوا کبیرا کان اللہ عزوجل ولا شئی غیر اللہ معروف ولا مجھول کان عزوجل ولا متکلم ولا مرید ولا متحرک ولا فاعل جل و عز ربنا فجمیع ھذہ الصفات محدثہ عند حدوث الفعل منہ جل و عز ربنا۔ والقرآن کلام اللہ غیر مخلوق فیہ خبر من کان قبلکم و خبر ما یکون بعدکم انزل من عند اللہ علی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم"[۱۶۱]

"قرآن کے بارے میں ان کے عقائد مختلف ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن مخلوق نہیں (حادث نہیں) اور دوسرے کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام ہے اور مخلوق ہے (یعنی حادث ہے) امام نے جواب دیا۔ تم نے' اللہ تم پر رحمت کرے' قرآن کے بارے میں پوچھا ہے اور تمہارے سامنے عوام کی جو مختلف آراء ہیں ان کا ذکر کیا ہے تو قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور حادث ہے' کذب و افتراء نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازلی بھی نہیں اور اللہ اس سے بہت بلند و برتر ہے' اللہ عزوجل موجود تھا اور اس کے سوا کوئی شئے معروف و مجہول موجود نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ موجود تھا حالانکہ نہ متکلم تھا' نہ مرید' نہ متحرک تھا اور نہ فاعل' ہمارا رب ان سب سے بزرگ و برتر ہے' یہ تمام صفات و کیفیات اس وقت وقوع پذیر ہوتی ہیں جب اس ذات احدیت سے صادر ہوتی ہیں' ہمارا رب بزرگ و برتر ہے' قرآن اللہ کا کلام ہے جسے جھٹلایا نہیں

جا سکتا اس میں تم سے پہلے گزرنے والوں اور تمہارے بعد آنے والوں کی خبریں ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے محمد رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوا۔"

امامؑ کا یہ کلام ذرا سا تشریح طلب ہے' عام قارئین کے لئے اس کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔ بعض انسانوں میں ایک کام کرنے کی صلاحیت بالقوۃ موجود ہوتی ہے لیکن مناسب مواقع پر ان کا اظہار ہوتا ہے' بعض انسانوں میں کوئی کام کرنے کی صلاحیت بالقوۃ موجود ہی نہیں ہوتی لہٰذا ان سے اس فعل کا اظہار ہوتا ہی نہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جن میں کسی کام کی بالقوۃ صلاحیت موجود ہوتی ہے لیکن جا بجا اس کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً بولنے کو ہی لیجئے ارشد بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بوقت ضرورت بولتا ہے۔ تو ایسے وقت جب کہ وہ نہ بول رہا ہو' وہ بولنے پر قادر تو ہو گا لیکن اسے بولتا ہوا کہا نہیں جائے گا بولتا ہوا یا متکلم اس وقت کہا جائے گا جب وہ کسی دوسرے سے بول رہا ہو' بات کر رہا ہو۔ راشد گونگا ہے اس میں بولنے کی صلاحیت ہی نہیں لہٰذا وہ کبھی متکلم نہیں کہلائے گا۔ مرشد میں بولنے کی صلاحیت تو ہے لیکن وہ خواہ مخواہ بولتا رہتا ہے اس کو پاگل کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلی ذات ہے وہی ذات دوسری تمام چیزوں کی خالق ہے۔ اس کی صفات خود اس کی ذات کا جزء ہیں ایسا نہیں ہے کہ وہ صفتیں اس میں بعد میں پیدا ہوئی ہوں۔ اب ہمیں ایک ایسا وقت ضرور فرض کرنا پڑے گا جب اللہ تو اپنی تمام صفات کے ساتھ موجود تھا لیکن کوئی دوسری شئے موجود نہ تھی۔ وہ کلام تو کر سکتا تھا لیکن کوئی مخلوق ہی اس نے نہیں بنائی تھی تو کس سے کلام کرتا۔ وہ چیزوں کی ہیئت تبدیل کرنے کی قدرت تو

رکھتا تھا لیکن اس نے کسی مخلوق کو خلق ہی نہیں کیا تھا تو کس مخلوق کی شکل تبدیل کرتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اگر وہ بغیر کسی لائق کلام کے بولتا رہتا' کلام کرتا رہتا تو ہم عام آدمی کو بے جا بولتے دیکھتے ہیں تو بے عقل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا کہتے؟ (معاذ اللہ) لہٰذا وہ اس وقت تک بولا نہیں جب تک اس نے لائق کلام پیدا نہ کرلیا۔ حالانکہ اس میں بولنے کی صفت موجود تھی۔ پس صفت کلام قدیم ہوئی کیونکہ وہ باری تعالیٰ کی عین ذات ہے لیکن اس کا کلام مخلوق یا حادث ہوا تو جوں جوں اللہ سے ان صفات کا صدور ہوتا جاتا ہے وہ حادث یعنی مخلوق ہوتی جاتی ہیں۔ یہ ایک واضح اور بدیہی بات ہے۔

اس حدیث میں دو مرتبہ امامؑ نے "غیر مخلوق" فرمایا ہے اس کے معانی غیر مکذوب کے ہیں یعنی جو جھٹلایا نہ جاسکے کیونکہ امامؑ نے قرآن کو محدث یعنی عدم سے وجود میں آنے والا اور "غیر ازلی" یعنی مخلوق قرار دیا ہے تو "غیر مخلوق" کے معانی عربی کی رو سے یہ ہوں گے کہ وہ جعلی نہیں ہے۔ ۱۴۲ کہ جسے جھٹلایا جاسکے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اس کی جو تشریح فرمائی ہے اسے ہم ان کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

"قد جاء فی الکتاب ان القرآن کلام اللہ و وحی اللہ و قول اللہ و کتاب اللہ و لم یجئی فیہ انہ مخلوق و انما امتنعنا من اطلاق المخلوق علیہ لان المخلوق فی اللغہ قد یکون مکنوبا و یقال : کلام مخلوق ای مکنوب' قال اللہ تبارک و تعالیٰ : انما تعبدون من دون اللہ او ثانا و تخلقون افکا' ای کنبا' و قال

تعالی حکایه عن منکری التوحید : ما سمعنا بھذا فی الملہ الاخرۃ ان ھذا الا اختلاق' ای افتعال و کذب' فمن زعم ان القر آن مخلوق بمعنی انه مکذوب فقد کفر' ومن قال : انه غیر مخلوق بمعنی انه غیر مکذوب فقد صدق و قال الحق والصواب' ومن زعم انه غیر مخلوق بمعنی انه غیر محدث و غیر منزل و غیر محفوظ فقد اخطاو قال غیر الحق والصواب۔ وقد اجمع اھل الاسلام علی ان القر آن کلام الله عزوجل علی الحقیقه دون المجاز و ان من قال غیر ذلک فقد قال منکرا من القول وزورا' ووجدنا القر آن مفصلا و موصلا و بعضه غیر بعض و بعضه قبل بعض کالناسخ الذی یتاخر عن المنسوخ' فلولم یکن ماھذه صفته حادثا بطلت الدلاله علی حدوث المحدثات" ۔۱۲۵

"قرآن میں آیا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے وحی الٰہی ہے اس کا قول ہے اور اس کی کتاب ہے لیکن اس میں یہ نہیں آیا ہے کہ قرآن "مخلوق" ہے اسی لئے ہم قرآن پر لفظ مخلوق کا اطلاق کرنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ لغت عربی کے لحاظ سے "کلام مخلوق" کے معنی جھٹلائے ہوئے کلام کے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے تم صرف بتوں کی پرستش کرتے ہو اللہ کے سوا اور بہتان باندھتے رہے ہو یعنی جھوٹ اور منکرین توحید

کی زبانی۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں "ہم نے پہلی ملتوں میں تو ایسی باتیں نہیں سنیں یہ تو صرف گڑھی ہوئی باتیں ہیں۔ یہاں خلق کے معنی بہتان اور گڑھی ہوئی باتوں کے ہیں۔ پس جو یہ دعویٰ کرے کہ قرآن مخلوق ہے یعنی جھٹلانے کے لائق ہے اس نے کفر کیا اور جس نے قرآن کو غیر مخلوق اس معنی میں قرار دیا کہ وہ جھٹلایا نہیں جا سکتا اس نے سچ بولا اور صحیح بات کہی اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے اس معنی میں کہ وہ حادث نہیں' نازل نہیں کیا گیا اور غیر محفوظ ہے اس نے خطا کی اور حق و صواب کی بات نہیں کہی اور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ کا کلام ہے نہ کہ مجازاً۔ اور جو اس کے سوا کسی بات کا قائل ہے تو اس نے جھوٹ اور منکر بات کہی۔ ہم قرآن میں مفصل و موصل ۱۶۶ دونوں طرح کی آیات پاتے ہیں' آیات ایک دوسرے سے مختلف اور آگے پیچھے ہیں جیسے ناسخ آیات جو بہرحال منسوخ شدہ آیات کے بعد آئی ہیں۔ اگر ان صفات کو حادث نہ مانیں تو مخلوقات کے حادث ہونے پر کوئی دلیل باقی نہیں رہتی اور یہ عقیدہ باطل قرار پاتا ہے۔"

شیخ صدوقؒ آگے چل کر اور وضاحت کرتے ہیں کہ جھوٹ کہتے ہیں ایسی بات کو کسی کی طرف منسوب کرنا جو اس نے اب تک نہ کہی ہو اور جھوٹ کی اس تعریف پر سب کا اتفاق ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے آنحضرتؐ سے پہلے کے بادشاہوں' فرعون وغیرہ اور انبیاء علیہم السلام کے اقوال بیان کئے ہیں اگر قرآن قدیم ہے تو وہ بیانات اللہ نے ان لوگوں کے صادر ہونے سے پہلے بیان کر دیئے جو

جھوٹ ہے۔ لہٰذا قرآن ان لوگوں کے مقولوں کے بعد ہوا اس لئے حادث ہوا۔۔۔۔۔ آگے بڑھ کر ایک اور دلیل دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ۔

"ما ننسخ من آیه او ننسها نات بخیر منها او مثلها"
(البقرة ۱۰۶)

"ہم کسی آیت کو نہ منسوخ کرتے ہیں نہ محو مگر یہ کہ اس سے اچھی یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ جو آیت منسوخ ہوئی وہ پہلے ہوگی اور ناسخ آیت بعد میں اور مثال پہلے ہوتی ہے مثل بعد میں۔

وعدہ و وعید کے بارے میں

وعدہ و وعید کے بارے میں جس طرح اسلامی فرقے افراط و تفریط کا شکار ہوئے اسے ہم اوپر بیان کر آئے ہیں مرجئہ اللہ کے وعدہ پر زور دیتے اور وعید کو رحمت سے بدل کر گناہوں پر جری کرتے تھے معتزلہ وعید کے بارے میں زیادہ بحث کرتے اور زور دیتے وعدے اور رحمت کو نظر انداز کرتے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

"ان الله لا یکلف نفسا الا وسعها۔۔ ا ولا یکلفها فوق طاقتها' وافعال العباد مخلوقه خلق تقدیر ولا خلق تکوین۔ والله خالق کل شئی ولا نقول بالجبر ولا بالتفویض' ولا یاخذ الله عزوجل البری بالسقیم' ولا یعذب الله عزوجل الاطفال

بذنوب الاباء فانه قال فی محکم کتابه : ولا تزر وازرة وزرا اخری ۲۴۷ و قال عزوجل وان لیس للانسان الا ماسعی ۲۴۸ ولله عزوجل ان یعفو و یتفضل، ولیس له ان یظلم، ولا یفرض الله عزوجل علی عباده طاعته من یعلم انه یغویهم و یضلهم ولا یختار رسالته ولا یصطفی من عباده من یعلم ان یکفر به ویعبد الشیطان من دونه ولا یتخذ علی خلقه حجه الا معصوما ۲۴۹"

"اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور نہ ان امور کا مکلف کرتا ہے جو اس کی طاقت سے بڑھ کر ہیں اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں یہ خلق تقدیری ہے تکوینی نہیں۔ اور اللہ ہر شئے کا خالق ہے۔ نہ ہم جبر کے قائل ہیں اور نہ تفویض کے۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ بے گناہ کو گنہگار کے بدلے پکڑے گا اور نہ ہی بچوں کو ماں باپ کے گناہ کے بدلے پکڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی محکم آیات میں فرماتا ہے کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان کو صرف اس کا بدلہ ملے گا جو اس نے کیا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ معاف فرما سکتا اور فضل کر سکتا ہے لیکن کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ نہ ہی اللہ نے بندوں پر ایسے شخص کی اطاعت فرض کی ہے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ بندوں کو گمراہ کریں اور بہکادیں گے اور نہ ہی رسالت کے لئے ایسے لوگوں کو اختیار کرتا اور ایسے بندوں کو چنتا ہے جن کے

بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ کفر اختیار کریں گے اور اللہ کے سوا شیطان کی پیروی کریں گے اور وہ اپنی مخلوق پر صرف اور صرف معصوم کو حجت قرار دیتا تھا۔"

ایک دوسری روایت میں منصور بن حازم کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

"الناس مامورون منهيون ومن كان له عذر عذره الله عزوجل" ۱۷۰

"لوگوں کو بعض کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے بعض سے منع کیا گیا ہے اور جو معذور ہیں اللہ نے انہیں معاف فرما دیا ہے۔"

ان دونوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے جو بھی احکام دیئے ہیں انسان میں ان کے بجا لانے کی طاقت بھی موجود ہے اور انہیں ترک کرنے کی قدرت بھی۔ پس جو اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں انہیں اس کا ثواب ملے گا اور جو معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں عذاب بھی دیا جائے گا۔ نہ ہی اللہ کی رحمت سے خوش فہمی میں مبتلا گناہوں پر جری ہونا چاہئے اور نہ ہی کسی گناہ کے بعد اس کی وعید کے سبب اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اپنے کو ابدی جہنمی سمجھنا چاہئے بلکہ توبہ کا باب کھلا ہوا ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا نہ بیٹا باپ کے جرم میں پکڑا جائے گا اور نہ دوست دوسرے دوست کے جرم میں۔ اللہ کی اطاعت صاحب استطاعت پر فرض اور معذور پر معاف ہے۔

فرقہ زیدیہ کے دو عقائد کی نفی

فرقہ زیدیہ کے عقائد پر تھوڑی بہت روشنی ہم پچھلے صفحات میں ڈال چکے ہیں

یہاں امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے ان کے دو عقیدوں کی نفی کرنی مقصود ہے۔ پہلا عقیدہ تو یہ ہے کہ امامت کا اولاد امام حسینؑ میں ہونا ضروری نہیں۔ امامؑ فرماتے ہیں۔

"فهو عالم بمايرد عليه من ملتبسات الدجى' و معميات السنن و متشابهات الفتن' فلم يزل الله تعالىٰ مختارهم لخلقه من ولد الحسين عليه السلام من عقب كل امام اماما؟ يصطفيهم لذلك ويجتبيهم' ويرضى بهم لخلقه ويرتضيهم' كلما امضى منهم امام نصب لخلقه من عقبه اماما" ۱۷۲ے

"جہالت کے اندھیرے میں مشتبہ ہونے والے مسائل جو اس کے پاس آتے ہیں اور سنن یعنی خدا و رسول کے اعمال و افعال کے معمے اور فتنوں کے پروردہ متشابہ مسائل کو امام خوب جانتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ ایک امام کے بعد دوسرا امام مخلوق کے لئے مسلسل اختیار کرتا رہا ان کا انتخاب اور چناؤ مذکورہ مقاصد کے لئے ہوا انہیں مقاصد کے لئے خدا ان سے بھی راضی ہوا اور انہیں کی بدولت مخلوق سے بھی راضی ہے ان میں سے جب کوئی امام گزر جاتا ہے تو اللہ اس کی اولاد میں سے اپنی مخلوق کے لئے دوسرا امام مقرر کردیتا ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ امامؑ کا اولاد امام حسین علیہ السلام سے ہونا ضروری ہے۔ اور اللہ انہیں میں سے امام مقرر کرتا ہے اور دوسرا عقیدہ جس کی ہم یہاں

نفی کرنا چاہتے ہیں وہ فرقہ زیدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اہل بیت میں سے ہر شخص کا علم برابر ہوتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' بچہ ہو' جوان ہو کہ بوڑھا۔ ۱۷۲۔ ایک تو یہ عقیدہ عقلاً باطل ہے اور دوسرے تاریخ میں بھی بہت سے مواقع وہ ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کے بھائیوں کی طرف بعض حضرات نے رجوع کیا ہے اور وہ اپنے علم سے اپنی امامت ثابت نہ کر سکے۔ روضہ کافی میں شیخ کلینی ؒ نے حضرت علی بن جعفر (امام موسیٰ کاظم کے بھائی اور امام صادقؑ کے فرزند) سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن حسن نے امام صادق علیہ السلام کو پیام بھجوایا کہ "انا اشجع منک وانا اسخی منک وانا اعلم منک" میں تم سے زیادہ شجاع' زیادہ سخی اور زیادہ عالم ہوں۔ تو امامؑ نے پیامبر سے کہا کہ ان سے جا کر کہو کہ جنگ کا کوئی موقع نہیں آیا کہ پتا چل سکے کہ تم زیادہ بہادر ہو یا میں اور جہاں تک سخاوت کا تعلق ہے تو سخاوت یہ ہے کہ مال صحیح طریقے سے ہاتھ آئے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مصارف میں خرچ ہو اور جہاں تک اعلم نہ ہونے کا تعلق ہے تو آپ کے دادا حضرت علیؑ نے ایک ہزار غلام آزاد کئے تھے تم ان میں سے ۵ کے نام گنوا دو۔ عبداللہ نے جب یہ جواب سنا تو کہا "انت رجل صحفی" تمہارا علم کتابی ہے تم نے کسی استاد کی شکل نہیں دیکھی جو کچھ کتابوں میں پڑھ لیا بیان کرتے ہو۔ حضرتؑ نے فرمایا ہاں قسم بخدا میرا علم ازروئے کتاب ہے لیکن کون سی کتابیں! صحف ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کی رو سے۔ ۱۷۳۔

ایمان کے متعلق حضرتؑ کا فرمان

ایمان کیا ہے؟ اس کے اجزاء کیا ہیں؟ کیا یہ صرف زبان سے اقرار کا نام ہے؟

کیا اس میں دلی تصدیق بھی شامل ہے؟ کیا اعمال سے اسکا کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ کیا ایمان کم و زیادہ بھی ہوتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں مختلف فرقوں کے درمیان زیر بحث تھے ایمان کے بارے میں تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس موقع پر تقابل مسالک چاہتے ہیں لیکن اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ایمان کے بارے میں مرجئہ کے مذہب پر تھے جیسا کہ ہم پہلے ثابت بھی کر چکے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کو انکے ایک ہم عصر شیخ عثمان بستی نے جو ایک مشہور محدث تھے ایک خط لکھ کر بعض مسائل دریافت کئے تھے انکے جواب میں امام ابو حنیفہ نے جو خط تحریر کیا تھا وہ تاریخ میں محفوظ ہے اس خط کے بیشتر مندرجات کو علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں بھی نقل کیا ہے جس کی رو سے ایمان کا اعمال سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ کم و زیادہ ہوتا ہے۔ ۱۷۵۔ اس موضوع پر یوں تو بہت سی احادیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہیں لیکن ایک طویل ارشاد ہم یہاں نقل کرنیکی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو ایمان اور اسکے متعلقات کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے اصل عربی متن کے لئے ملاحظہ فرمائیں درج ذیل کتب۔ ۱۷۶

ابو عمرو الزبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: اے عالم (امام) اللہ کے نزدیک سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا جس عمل کے بغیر اللہ کوئی دوسرا عمل قبول نہیں فرماتا۔ میں نے عرض کی وہ کون سا عمل ہے؟ فرمایا کہ اس اللہ پر ایمان جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں یہی ایمان اعمال انسانی میں اعلیٰ درجہ، منزلت میں سب سے اشرف اور فائدہ میں بلند ترین ہے۔ میں نے عرض کی کیا آپ مجھے یہ نہیں بتائیں گے کہ ایمان کیا ہے؟ کیا وہ قول

اور عمل کا نام ہے یا قول بغیر عمل ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان کل کا کل عمل کا نام ہے اور قول تو اس عمل کا ایک حصہ ہے جو خدا نے واجب کیا ہے اور کتاب میں بیان کیا ہے اس وجوب کے ساتھ کہ اس کا نور روشن ہے اور اس کی حجت ثابت اور قرآن اس کی گواہی اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ الزبیری کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی میں آپ پر قربان جاؤں ایمان کی ایسی شرح بیان فرمایئے کہ میں سمجھ جاؤں---- آپؑ نے فرمایا ایمان کی مختلف حالتیں، درجے، طبقات اور منازل ہیں کوئی درجہ کامل ترین ہے کوئی ناقص ہے اور اس کا یہ نقص بھی ظاہر ہے اور کوئی درجہ راجح ہے اور اس کا راجح ہونا بھی زیادہ ہے---- میں نے عرض کی کیا ایمان بھی مکمل، ناقص اور کم و زیادہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں! عرض کی کیونکر! فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرزند آدم کے اعضاء و جوارح پر بھی ایمان کو فرض کیا ہے اور اسے مختلف اعضاء پر تقسیم کیا ہے ہر عضو انسانی پر ایک ایسا فرض عائد ہے جو دوسرے پر نہیں مثلاً:

دل - (دماغ) جس سے عقل و فہم اور سمجھ کا کام لیا جاتا ہے جو جسم کا امیر ہے کہ دوسرے اعضاء اس کے حکم، فرمان اور رائے کے بغیر نہ کوئی کام کرتے ہیں اور نہ کسی کام کو ترک کرتے ہیں۔ (اصول کافی کی ایک حدیث کی تصریح کے مطابق قلب سے مراد عقل ہے) اور یہاں قلب سے مراد دماغ ہی ہے۔ اور

(آنکھیں) ہیں جن سے آدمی دیکھتا ہے اور (کان) ہیں جن سے آدمی سنتا ہے۔ (دونوں ہاتھ) ہیں جن سے اپنی قوت کا اظہار کرتا ہے اور دونوں (پاؤں) ہیں جن سے چلتا ہے اور (مرکز تولید) ہے کہ جنسی خواہش ادھر سے ظاہر ہوتی ہے اور (زبان) جس سے وہ بات کرتا ہے اور (سر) کہ جس میں اسکے رخسار بھی شامل

ہیں۔ پس ان میں ہر ایک کا ایمانی فریضہ دوسرے اعضاء کے ایمانی فریضہ سے جدا ہے اسی دستور پر جو خدا سے ہم تک پہنچا ہے اور قرآن اس پر ناطق و گواہ ہے۔ دل پر جو کچھ واجب ہے وہ اس سے مختلف ہے جو کان پر واجب ہے۔ اور جو کان پر واجب ہے وہ اس سے مختلف ہے جو آنکھ پر واجب ہے' اور جو آنکھ پر واجب کیا گیا ہے وہ زبان پر واجب نہیں ہے اور جو زبان پر واجب ہے وہ اس سے مختلف ہے جو ہاتھوں پر واجب ہے اور جو ہاتھوں پر واجب ہے وہ پاؤں کے فرائض سے مختلف ہے اور جو مرکز تولید پر واجب ہے وہ پاؤں پر واجب نہیں اور جو مرکز تولید پر واجب ہے وہ اس سے مختلف ہے جو رخساروں پر واجب ہے۔ دل (عقل) پر ایمان کا فریضہ ہے اقرار توحید' معرفت الہٰی' تصمیم اور رضا و تسلیم۔ وہ بھی یوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ ایک ہے نہ اس نے اپنی بیوی بنائی' اور نہ کوئی بیٹا اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ان پر اور ان کی آل پر درود ہو اور اقرار کرنا ہر اس چیز کا جو نبیؐ یا کتاب کی صورت میں اللہ کی طرف سے ہمارے پاس آئی ہے۔ یہی وہ ایمان کا جزء ہے جو اللہ نے قلب پر اقرار و معرفت کی صورت میں عائد کیا ہے اور یہی قلب کا فعل ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے : وہ شخص مستثنیٰ ہے جو مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو لیکن جو کفر کے واسطے سینہ کھول دے (اور خوشی خوشی ایمان کو چھوڑ دے اس پر خدا کا غضب بھی ہے اور عذاب بھی جو درد انگیز ہے۔۱۷۷ (سورہ نحل ۱۶- آیت ۱۰۶) نیز فرمایا آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ (سورہ رعد ۱۳- آیت ۲۸) نیز فرمایا وہ لوگ جو زبان سے تو ایمان لے آئے مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ (اشارہ ہے سورہ

مائدہ کی آیت ۴۱ کی طرف) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا اگر تم لوگ جو کچھ کہ دلوں میں ہے ظاہر کردو یا چھپائے رکھو اللہ تم سے اس کا حساب لے گا پس جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ (بقرہ۔ آیت ۲۸۴) دل پر اللہ کی طرف سے اقرار اور معرفت کے حوالے سے یہ فریضہ تھا اور یہی دل کا عمل اور راس ایمان ہے۔

اور خدا نے زبان پر یہ فرض عائد کیا کہ وہ دل کے عقیدہ و اقرار کی بات کہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اور لوگوں سے اچھی طرح کی بات کیا کرو (سورہ بقرہ ۲ - آیت ۸۳) نیز فرمایا : اور کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا و تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں (یعنی مسلمان ہیں)۔ (عنکبوت ۲۹ - آیت ۴۶) پس یہ ہے جو اللہ نے زبان پر فرض کیا ہے اور یہی زبان کا عمل ہے۔

اور کان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایسی باتوں کو سننے سے رکے رہیں جن کا سننا خدا نے حرام قرار دیا ہے اور جن کو سننے کی اللہ نے نہی فرمائی ہے اور ایسی باتوں کو سننے کی طرف توجہ نہ دیں جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ : اور تمہارے لئے قرآن میں یہ بات نازل کی ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں سے مذاق اور انکار کیا جانا سنو تو ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں۔ (سورہ النساء ۴ - آیت ۱۴۰) بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے بھول اور نسیان کو اس سے مستثنیٰ کیا اور فرمایا : اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم گروہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دو۔ (الانعام ۶ - آیت ۶۸) اور پھر فرمایا : میرے ان بندوں کو بشارت دے دو جو بات سنتے اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ

ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی لوگ صاحبان عقل ہیں۔ (الزمر ۳۹ - آیت ۱۸) نیز فرمایا : یقیناً فلاح پائی مؤمنوں نے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں اور جو مہمل باتوں سے منہ پھیرتے رہتے ہیں اور جو زکات دیتے ہیں۔ (مؤمنون ۲۳- آیت ۱'۴) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا : جب بھی وہ کوئی مہمل بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال (القصص ۲۸- آیت ۵۵) ایک اور موقع پر فرمایا : جب کسی ایسی جگہ سے گزرتے ہیں جہاں لغو باتیں ہو رہی ہوں تو وہ بزرگانہ رکھ رکھاؤ سے گزر جاتے ہیں (الفرقان ۲۵- آیت ۷۲) یہ ہے وہ بات جو ایمان کے حوالے سے سماعت پر فرض کی گئی ہے کہ جو بات حلال نہیں ہے اس کی طرف کان نہ لگائے۔

اور آنکھ پر واجب یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ نے دیکھنا حرام قرار دیا ہے ان کی طرف نہ دیکھے اور جس کو دیکھنے کی اللہ نے ممانعت کی ہے اور جو حلال نہیں اس سے روگرداں رہے۔ یہی آنکھ کا عمل ایمانی ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : کہ مومنوں سے کہہ دو کہ جب موقع ہو تو اپنی آنکھیں نیچی رکھیں (یعنی صرف حرام کے وقت' ہر وقت نہیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (سورہ النور ۲۴- ۳۰) پس انہیں اپنے پوشیدہ مقامات دیکھنے سے منع کیا اور اس سے بھی کہ ایک شخص اپنے کسی بھائی کی شرمگاہ پر نظر کرے اور وہ خود بھی اپنی شرمگاہ کو دوسروں کی نظروں سے بچائے۔ پھر ارشاد خداوندی ہے کہ مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ جب کوئی ایسا موقع ہو تو اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ (سورہ نور ۲۴ - آیت ۳۱) اس سے کہ کوئی عورت اپنی بہن کی

شرمگاہ پر نظر نہ کرے اور خود اپنی شرمگاہ کی بھی حفاظت کرے تاکہ کوئی دوسرا نہ دیکھ پائے۔ نیز امامؑ نے فرمایا کہ ہر وہ موقع جہاں قرآن میں حفظ شرمگاہ کا ذکر ہے وہاں زنا مراد ہے سوائے اس آیت کہ کہ یہاں دیکھنا ہی مراد ہے۔

اس کے بعد دل، زبان اور آنکھ کے اوپر جو امور واجب کئے ہیں ان کو دوسری آیت میں ایک ترتیب سے یوں ارشاد فرمایا اور جو کچھ کہ تم چھپاتے تھے اعمال میں سے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، آنکھیں اور جلدیں گواہی نہ دیں۔ (حم سجدہ ۴۱۔ آیت ۲۲) جلود یعنی جلدیں اور کھالیں استعارہ ہے شرمگاہ اور رانوں کے لئے۔ نیز فرمایا کہ اس چیز کی پیروی نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں کیونکہ کان، آنکھ اور دل سب ہی سے پوچھ گچھ ہوگی۔ (بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۶) یہ ہے وہ فریضہ جو خدا نے آنکھ پر واجب کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے عزوجل کے قرار دیئے ہوئے محرمات کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے اور یہی آنکھ کا ایمان عمل ہے۔

خدا نے ہاتھ پر واجب قرار دیا ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی طرف نہ بڑھیں اور جس کی طرف بڑھنے کا حکم دیا ہے صرف اس طرف دراز ہوں اور ان پر صدقہ دینا، صلہ رحم، جہاد در راہ خدا اور نماز کی خاطر طہارت واجب قرار دی ہے اور فرمایا کہ ایمان والو جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ دھوؤ اور ہاتھ کہنیوں تک اور اپنے سروں کے کچھ حصے اور پیروں کا مسح کرو گٹوں تک۔ (المائدہ ۵۔ آیت ۶) یہ بھی ارشاد فرمایا جب کافروں سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں مار دو اور جب انہیں مار مار کے زخموں سے چور کر کے گرفتار کر لو تو ان کی مشکیں کس دو اور اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لے لو یہاں تک کہ دشمن جنگی ہتھیار پھینک دے۔ (سورہ محمد ۴۷۔ آیت ۴) اللہ کی طرف سے یہ ہاتھوں کا

عمل ہے۔ ضرب لگانا ہاتھ کا کام ہے۔

اور پیر پر واجب کیا کہ وہ اللہ کی نافرمانیوں کے واسطے نہ چلیں اور جب بھی انہیں بڑھایا جائے ایسے کام کے لئے بڑھایا جائے جو اللہ کی خوشنودی کا سبب ہو۔ اسی لئے فرمایا : زمین پر متکبرانہ چال نہ چلو تم زمین کو پھاڑ تو نہ ڈالو گے اور نہ اکڑ کی وجہ سے بلندی میں پہاڑ کے برابر ہو جاؤ گے۔(الاسراء ۱۷۔ آیت ۳۷) نیز فرمان الٰہی ہے کہ چلنے میں میانہ روی قائم رکھو اور اپنی آواز کو بھی دھیما کرو کیونکہ سب سے کرخت آواز گدھے کی آواز ہے۔(سورہ لقمان ۳۱۔ آیت ۱۹) یہ بھی ذکر کیا کہ ہاتھ اور پاؤں خود اپنے خلاف گواہی دیں گے اور انسان پر فرد جرم عائد کریں گے کہ اس نے انہیں اللہ کے حکم اور اپنی ذمہ داری کے برخلاف استعمال کیا۔ قرآن میں فرمایا : کہ آج کے روز ہم لبوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پیر گواہی دیں گے جو کچھ کہ یہ کام کرتے تھے۔(یٰسین ۳۶۔ آیت ۶۵) ہاتھ اور پیروں کا یہ فرض تھا جو خدا نے ان پر عائد کیا یہی ان دونوں کا عمل ایمانی ہے۔

اور چہرے پر یہ فرض کیا کہ صبح شام نماز کے اوقات اسے سجدے کریں ارشاد فرمایا : اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ۔(الحج ۲۲۔ آیت ۷۷) پس یہ ایک جامع فریضہ ہے جو چہرے، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں پر عائد ہے اور ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا : عبادت گاہیں اللہ کے لئے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔(الجن ۷۲۔ آیت ۱۸) اعضاء و جوارح پر جو فرائض طہارت اور نماز کے لئے عائد کئے ان کا ذکر قرآن کی ان آیات میں آیا ہے۔ اور یہ بھی کہ جب اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا رخ البیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف موڑا تو یہ آیت نازل فرمائی : خدا ایسا نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کردے بے شک اللہ لوگوں پر شفیق و رحیم ہے۔(البقرہ ۲۔ آیت ۱۴۳) اس آیہ مبارکہ میں نماز کو ایمان کا نام دیا گیا ہے اب جو شخص بھی اللہ کی بارگاہ میں اپنے اعضاء جسمانی کی حفاظت اور ان اعضاء پر عائد اعمال ایمانی کے فرائض کی بجاآوری کے ساتھ حاضر ہوگا وہ اللہ سے کامل الایمان کی حیثیت میں ملے گا اور وہ اہل جنت میں سے ہوگا اور جو ان امور میں سے کسی میں خیانت کرے گا یا اللہ کے احکام سے تجاوز کرے گا ان امور میں تو وہ اللہ سے ناقص الایمان کی حیثیت سے ملاقات کرے گا۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ میں ایمان کے نقصان اور کمال کو تو سمجھ گیا یہ فرمایئے کہ ایمان میں زیادتی کس راہ سے ہوتی ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے (منافقین) ایک کہتا ہے کہ اس آیت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔ پس جو لوگ ایماندار ہیں آیت ان کے ایمان میں اضافہ کردیتی ہے اور وہ اس سے شادمان ہوتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کے دل مریض ہیں تو پلیدی ان کی پلیدی میں اضافہ کردیتی ہے۔(سورہ التوبہ ۹ ۔ آیت ۱۲۴'۱۲۵) دوسرے موقع پر ارشاد باری ہے : ہم ان کی داستان تمہیں سچ سچ سناتے ہیں وہ جوان لوگ تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تو ہم نے ان کی ہدایت زیادہ کردی۔(الکہف ۱۸۔ آیت ۱۳) اگر ہر شخص کا ایمان ایک سا ہوتا تو نہ اس میں کمی ہوتی اور نہ زیادتی اور نہ ہی ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوتی اور اللہ کی ایمانی نعمتیں (اس کی مخصوص ہدایتیں) سب پر

برابر ہوتیں (اور لوگ بہشت میں برابر ہوتے) تمام افراد اس لحاظ سے برابر ہوجاتے اور فضیلت کا تصور ختم ہوجاتا۔ لیکن ایمان کے کامل ہونے کی وجہ سے (یعنی تصدیق قلبی، واجبات پر عمل اور کبائر سے اجتناب) مؤمن داخل بہشت ہونگے اور ایمان میں زیادتی کے سبب (جو عبارت ہے مستحبات پر عمل کرنے، مکروہات کو چھوڑنے اور تحصیل اخلاق حمیدہ سے) مؤمنین کے درجات اللہ کے نزدیک بڑھتے ہیں اور ایمان میں نقصان کے سبب (جو عبارت ہے فرائض و واجبات میں کوتاہی سے) کوتاہی کنندگان دوزخ میں جائیں گے۔ (انتھی الترجمہ)

ایمان پر ایسی پر اثر اور مدلل تقریر ہماری نظر سے کہیں اور نہیں گزری اس لئے ہم نے اسے یہاں مکمل نقل کردیا ہے تاکہ اردو دان حضرات بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

امام جعفر صادقؑ اور تربیت علماء

امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کے مدرسے کا حال آپ اوپر پڑھ چکے ہم نے مختصراً یہ بھی بیان کردیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا مدرسہ کتنا عظیم الشان تھا اور آپ کس طرح درس دیتے تھے، ہم نے مختصراً اس عہد کی کلامی کیفیت اور امام علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں ان کا مختصر جائزہ بھی لے لیا۔ ہم نے چند ان افراد کے نام بھی گنوادیے جو امام علیہ السلام کے مدرسے کے تعلیم یافتہ تھے اور علمائے اہل سنت نے جن سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ گوکہ یہ موضوع نہایت تفصیل طلب ہے جس کی یہ کتاب متحمل نہیں ہوسکتی کیونکہ ہم امام علیہ السلام کے ثقہ شاگردوں میں (۴۰۰۰) چار ہزار افراد کا نام پاتے ہیں۔ اب اختصار کے پیش

نظر یہاں ہم امام علیہ السلام کے چند فقیہ شاگردوں کا ذکر کریں گے جنہیں خاص طور پر ہمارے مذہب میں اہمیت حاصل ہے ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) ابان بن تغلب (۲) ابان بن عثمان بن احمر البجلی ابو عبداللہ اصلہ الکوفی (۳) بکیر بن اعین (۴) جمیل بن دراج (۵) حماد بن عثمان بن زیاد الرواسی الکوفی (۶) الحارث بن مغیرہ النصری (۷) ہشام بن الحکم البغدادی الکندی (۸) المعلی بن خنیس (۹) برید العجلی (۱۰) جمیل بن صالح الاسدی الکوفی (۱۱) حماد بن عیسیٰ (۱۲) حبیب بن ثابت (۱۳) حمزہ بن الطیار (۱۴) محمد بن علی بن النعمان البجلی الکوفی المعروف مومن الطاق۔

اب ہم ان میں سے ہر فرد کا ذرا تفصیلی ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ مدرسہ امامؑ سے کیسے کیسے نابغہ ھائے روزگار تربیت پاکر نکلے جنہوں نے بعد میں ایک عالم کو اپنے فیوض و برکات سے معمور کیا۔

(۱) ابان بن تغلب

ابو سعد الکوفی انہوں نے ۳ "ائمہ" کا زمانہ پایا یعنی امام زین العابدین" امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام اور انہیں کے دور امامت میں ۱۴۱ھ میں انتقال فرمایا۔ شیخ طوسیؒ نے "الفہرست" میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ابان بن تغلب بن رباح ابو سعد البکری الحریری یہ جریر بن عباد کے غلام تھے، ثقہ ہیں اور ہمارے اصحاب میں جلیل القدر اور عظیم المنزلہ ہیں انہوں نے امام زین العابدین اور امام محمد باقر علیہما السلام کی خدمت میں حاضری دی اور امام محمد باقرؑ نے ان سے

فرمایا : "اجلس فی مسجد المدینہ وافت الناس فانی احب ان یری فی شیعتی مثلک" "مسجد مدینہ میں بیٹھو اور لوگوں کو فتویٰ دو کیونکہ مجھے یہ پسند ہے کہ میرے شیعوں میں تمہارے مثل لوگ ہوں۔۱۷۸۔ وہ قاری تھے، فقیہ تھے، لغوی تھے۔ یہ بات نجاشی اور طوسی اور علامہ حلی نے کہی ہے۔ نجاشی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ تمام علوم میں دوسروں پر سبقت رکھتے تھے۔ قرآن، فقہ، حدیث، ادب اور لغت والنحو وغیرہ میں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امام صادقؑ سے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کے بارے میں احادیث میں کثرت سے مدح آئی ہے اور علماء اہل تسنن نے بھی ان کی مدح کی ہے۔۱۷۹

(۱) یاقوت الحموی نے لکھا ہے کہ یہ قاری تھے، لغوی تھے، امامی فقیہ تھے۔ ثقہ اور عظیم المنزلت، جلیل القدر تھے۔ امام علی بن الحسینؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اہل عرب سے بھی سماع کیا اور غریب القرآن وغیرہ پر کتاب لکھی۔۱۸۰

(۲) ذہبی کہتے ہیں کہ : ابان بن تغلب شیعی ہیں سچے سمجھے جاتے ہیں لیکن بدعتی تھے۔ ہمیں ان کی سچائی سے واسطہ ہے ان کی بدعتیں ان کے ساتھ۔ احمد بن حنبل و ابن معین نے ان سے روایت کی ہے ان سے موسیٰ بن عقبہ و شعبہ و حماد بن زید، ابن عینیہ اور ایک جماعت نے روایت کرتی ہے۔۱۸۱

(۳) ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ روایت میں سچے ہیں گو کہ ان کا مذہب شیعہ ہے لیکن وہ روایت میں درست ہیں ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) حاکم کہتے ہیں۔ وہ شیعہ ہیں ثقہ ہیں۔ ابن عینیہ نے ان کی مدح فصاحت کے

ساتھ کی ہے۔

(۵) عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو ان کی عقل' ادب اور صحت حدیث کی تعریف کرتے سنا لیکن یہ کہ وہ غالی شیعہ ہے۔

(۶) ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۱۸۲

امام مسلم نے اپنی صحیح میں' ترمذی نے جامع میں' ابوداؤد نے مسند میں' نسائی نے سنن میں' ابن ماجہ نے سنن میں ان سے روایت لی ہے اور یہ اہل تسنن اور اہل تشیع دونوں کے نزدیک قابل اعتماد سمجھے جاتے ہیں۔

ابان کا علم اور اساتذہ

ابان بن تغلب کے علمی مقام کے اظہار کے لئے یہی کافی ہے کہ امام محمد باقر نے انہیں مسجد نبوی میں بیٹھ کر فتویٰ دینے کا حکم دیا تھا۔ جہاں انہوں نے امام زین العابدین' امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے علم حاصل کیا تھا اس کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا جن میں سے ایک حکم بن عتیبہ الکندی المتوفی ۱۱۵ھ تھے یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں' عالم حدیث تھے۔ دوسرے فضیل بن عمرا لفقیمی ابوالنظر الکوفی المتوفی ۱۱۰ھ ہیں ان سے سوائے بخاری کے صحاح خمسہ کے مصنفین نے روایت کی ہے۔ اور تیسرے ابواسحاق عمرو بن عبداللہ الھمدانی السبیعی المتوفی ۱۲۷ھ ہیں۔ تابعین میں بڑے درجے پر ہیں اور صحاح ستہ کے راوی بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابان بن تغلب کو ہم اقوال علماء اور اختلاف علماء کا ماہر بھی پاتے ہیں جو فتویٰ دینے

کے لئے ضروری ہے۔

آپ کی جلالت قدر کا یہ عالم تھا کہ علامہ محمد بن علی الاردبیلی الحائری لکھتے ہیں کہ۔

"و روی انه دخل علی ابی عبدالله علیه السلام فلما بصر به امر بو سادة فالقیت له و صافحه واعتنقه وسائله ورحب به وانه کان اذا قدم المدینه تقوضت الیه الخلق واخلیت له ساریه النبی صلی اللہ و آله"

"اور یہ روایت ہے کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملنے آئے تو جیسے ہی آپؑ نے انہیں دیکھا گاؤ تکیہ لگانے کا حکم دیا جو ان کے لئے رکھ دیا گیا آپؑ نے ان سے ہاتھ ملایا' گلے ملے اور ان کا حال احوال پوچھا انہیں خوش آمدید کہا اور جب مدینہ تشریف لے جاتے تو طالبان درس ٹوٹ کر ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخصوص نشست گاہ خالی کر دی جاتی۔"۔ ۱۸۳

ابان کے شاگردوں میں موسیٰ بن عقبہ الاسدی المتوفی ۱۴۱ھ صاحب مغازی اور شعبہ بن الحجاج' حماد بن زید الازدی' سفیان بن عینیہ' محمد بن خازم التمیمی' عبداللہ بن مبارک بن واضح الحنظلی وغیرہ شامل ہیں اور علمائے رجال نے لکھا ہے کہ ایک خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ انہیں امام صادق علیہ السلام کی ۳۰ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ ۱۸۴۔ سلیم بن ابی حبہ کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جب میں نے چاہا کہ اب میں امامؑ سے اجازت لوں اور واپس آؤں تو میں نے

امامؑ سے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کچھ زاد راہ دیں۔ آپؑ نے فرمایا : تمہارے پاس ابان بن تغلب موجود ہیں انہوں نے مجھ سے بہت زیادہ روایتیں سنی ہیں۔ پس جو حدیث وہ تم سے روایت کریں تم میری حدیث کی حیثیت سے اسے روایت کرسکتے ہو۔

مصنفات ابان

ابان بن تغلب کے بہت سے مصنفات کا ذکر ہمیں کتابوں میں ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تقریباً تمام علوم اسلامیہ میں کتابیں تالیف کیں۔ ان میں چند مشہور مصنفات کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔

(۱) غریب القرآن : یہ اس موضوع پر پہلی کتاب ہے اس لئے یہ علم اللغۃ کی اساس شمار ہوتی ہے اور اس میں الفاظ قرآنی کے مفہوم پر اشعار عرب سے استدلال کیا ہے۔ ان کے بعد ہی عبدالرحمٰن محمد بن الازدی الکوفی نے کتاب لکھی جس میں ابان کی تالیف کردہ کتاب کے مفاہیم کو دوبارہ جمع کیا اور محمد بن سائب الکلبی اور ابی ورقہ عطیہ بن الحرث کی کتابوں کو ایک کتاب میں جمع کردیا۔ اس کتاب میں یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ان علماء میں کہاں کہاں اتفاق ہے اور کہاں کہاں اختلاف اس طرح کبھی ابان کی رائے منفرداً سامنے آئی ہے کبھی مشترکہ طور پر۔

(۲) کتاب الفضائل : اس میں مختلف امور کے فضائل جمع کئے ہیں۔

(۳) کتاب معانی القرآن :

(۴) کتاب القراءت : علم القراءت میں آپ کا درجہ وہ ہے کہ ایک مستقل قرأت آپ کی موجود ہے۔

(۵) کتاب الاصول فی الروایہ علی مذہب الشیعہ : اس کا ذکر ابن ندیم نے بھی الفہرست میں کیا ہے۔ ۱۸۵

(۲) ابان بن عثمان بن احمر البجلی

یہ ابو عبد اللہ الکوفی کبھی کوفہ میں رہتے اور کبھی بصرہ میں۔ ان دونوں مقامات کے رہنے والوں نے ان سے استفادہ کیا ہے ان میں ابو عبیدۃ معمر بن مثنیٰ، ابو عبد اللہ محمد بن سلام وغیرہ شامل ہیں۔ ان سے اکثر شعراء کے حالات نسب اور لڑائیوں کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ آپ امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں ان کی کئی کتابیں ہیں ان میں کتاب، المبتدی، البعث، المغازی، الوفاۃ، السقیفہ، الردۃ وغیرہ شامل ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ محمد بن ابی عمر کہتے ہیں کہ ابان لوگوں میں سب سے زیادہ قوی الحافظہ تھے اگر کوئی کتاب پڑھ لیتے تو حرف بہ حرف یاد رکھتے۔ ان کا انتقال دوسری صدی کی ابتداء میں ہوا۔ ۱۸۶ علامہ اسد حیدر سے یہ تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں ابان بن عثمان بن احمر البجلی کا جو ترجمہ لکھا ہے ۱۸۷ وہی ترجمہ دوسری جلد ۱۸۸ میں ابان بن عثمان بن یحییٰ بن ذکریا اللولوی المتوفی ۲۰۰ھ کا لکھ دیا ہے حالانکہ اس نام کا کوئی راوی شیعہ کتب رجال میں موجود نہیں۔ صاحب تنقیح المقال نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی ایک بڑی کتاب لکھی تھی جس میں المبتداء، البعث، المغازی، الوفاۃ اور السقیفہ نامی کتابیں شامل تھیں۔ ۱۸۹ صاحب جامع الرواۃ علامہ محمد بن علی الاردبیلی نے اپنی کتاب جامع الروۃ میں انہیں غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ علامہ مامقانی نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کر کے

انہیں "ثقۃ علی الاقوی" قرار دیا ہے۔۱۹۰۔ ابان بن عثمان سے کثیر تعداد میں لوگوں نے روایت کی ہے جن میں الحسن بن علی الوشاء، علی بن الحکم الکوفی، فضالہ بن ایوب، الحسین بن سعید، صفوان بن یحییٰ، عیسیٰ الفراء، جعفر بن سماعہ وغیرہ شامل ہیں۔ وہ خود بھی امام صادقؑ کے علاوہ آپ کے اصحاب سے بھی روایت کرتے ہیں مثلاً زرارہ بن اعین، فضیل بن یسار، عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ وغیرہ۔۱۹۱

(۳) بکیر بن اعین الشیبانی

یہ زرارہ بن اعین کے بھائی ہیں امام محمد باقر اور امام جعفر الصادق علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں امام صادقؑ کے زمانے میں انتقال کیا جب امامؑ کو آپ کی وفات کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا : قسم بخدا اللہ نے بکیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان اتارا ہے۔۱۹۲۔ اسی طرح ایک دن آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ بکیر پر اپنی رحمت نازل کرے۔ آپ ثقہ ہیں اور ایک جماعت آپ سے روایت کرتی ہے۔

(۴) جمیل بن دراج بن عبداللہ النخعی

یہ مشہور عالم اور صحابی ہیں امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے بھائی نوح بن دراج دولت عباسیہ میں قاضی تھے اور وہ اپنا محب اہل بیت ہونا چھپاتے تھے جمیل سن میں نوح سے بڑے تھے اور آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے ان کا انتقال امام رضا علیہ السلام کے عہد میں ہوا (خلاصہ الرجال۔ رجال نجاشی) ان کی ایک کتاب بھی ہے جو ان سے ابن ابی عمیر نے روایت کی ہے۔ ایک کتاب انہوں نے محمد بن حمران کے اشتراک سے لکھی

اور دوسری کتاب مرازم بن حکیم کے اشتراک سے (رجال نجاشی)۔ ان کا شمار ان اصحاب میں ہوتا ہے جن کی روایت کی صحت مسلم ہے اور جن کا قول معتبر، جن کی تصدیق ثابت اور جن کی فہم وبصیرت کا اقرار علمائے کبار نے کیا ہے یعنی جمیل بن دراج۔ عبداللہ بن مکان، عبداللہ بن بکیر، حماد بن عیسیٰ، حماد بن عثمان اور ابان بن عثمان۔ "قالوا وزعم ابو اسحاق الفقیہ یعنی ثعلبہ بن میمون ان افقہ ھولاء جمیل بن دراج وھم احدث اصحاب ابی عبداللہ علیہ السلام" (الکشی)۔ ۱۹۳۔ علماء کہتے ہیں کہ ثعلبہ بن میمون ابو اسحاق الفقیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان حضرات میں بھی فقیہ تر جمیل بن دراج تھے اور یہ حضرات امام جعفر صادق علیہ السلام کے بہترین اصحاب میں سے ہیں۔ ان سے حسن بن محبوب، صالح بن عقبہ، عبداللہ بن جبلہ، ابومالک الحضرمی، محمد بن عمرو وغیرہ نے روایت کی ہے۔ علماء نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ جب تک نوح بن دراج نے اپنے بھائی جمیل کے ذریعے امامؑ سے اجازت حاصل نہ کرلی قاضی کا عہدہ قبول نہ کیا۔ ۱۹۴۔

(۵) حماد بن عثمان

بن زیاد الرواسی الکوفی المتوفی سن ۱۹۰ء ان کا شمار ان چھ اصحاب میں ہے جن کی فقاہت اور صحت پر علماء کا اتفاق ہے حماد بن عثمان نے امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہم السلام سے روایت کی ہے نیز ائمہؑ کے بہت سے اصحاب سے بھی روایت کرتے ہیں ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان میں محمد بن الولید، علی بن مھزیار، صفوان بن یحییٰ وغیرہ شامل ہیں۔

ان کو عثمان الناب بھی کہا جاتا ہے انکے دوسرے دو بھائی جعفر اور حسین بھی امامؑ کے صحابی ہیں۔۔۔۱۹۵

(۶) الحارث بن المغیرہ النصری

امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تینوں سے روایت کرتے ہیں۔ جلیل القدر اور مقبول الروایہ تھے ان کی منزلت بہت عظیم ہے۔ ایک کتاب بھی ان کی ہے جو ان سے صفوان روایت کرتے ہیں (نجاشی' خلاصہ الرجال' فہرست طوسی) یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس پناہ گاہ نہیں ہے؟ کیا تمہارے پاس آرام گاہ نہیں ہے جہاں تم لوگ آرام کر سکو۔ تمہیں کس چیز نے حارث بن المغیرہ النصری سے باز رکھا ہے تم ان کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے۔ (خلاصہ الرجال۔ الکشی)۔۔۱۹۶

(۷) ہشام بن الحکم البغدادی الکندی

المتوفی ۱۹۷ھ ۔ یہ ایسی بزرگ ہستی ہیں کہ تاریخ اسلام اور کتب رجال میں ان کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے اور مخالف و موالف سب ہی نے آپ کی تعریف کی ہے گو کہ چند تنگ نظر ایسے بھی ہیں جنہوں نے ہشام بن الحکم پر بے بنیاد الزامات لگائے ہیں لیکن ان کا قابلِ وثوق مصادر سے کوئی تعلق نہیں۔ جی تو چاہتا ہے کہ ہشام بن الحکم جیسی شخصیت پر بہت تفصیل سے لکھوں اور اگر کبھی اللہ نے توفیق دی تو اس پاسدار ولایت پر مستقل کتاب لکھوں گا لیکن یہاں طوالت کے خوف سے مختصراً ان کی زندگی کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ہشام بن الحکم کوفہ میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ کوفہ مختلف مذاہب اسلامیہ کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ علم کلام کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ہر فرقے کے لوگ یہاں آباد تھے اور ایک دوسرے سے بحث مباحثے میں مصروف رہتے تھے۔ ہشام نے اسی ماحول میں پرورش پائی اور مختلف مذاہب اور ان کے مباحث کو ان کے متکلمین سے حاصل کیا۔ بعد ازاں وہ بغداد تجارت کی غرض سے گئے اور ایک عرصے کے بعد وہیں سکونت اختیار کرلی اور مدینہ السلام میں کرخ کے محلے میں "قصروضاح" کو مسکن قرار دیا ان کا ایک گھر واسط میں بھی تھا۔ آپ تجارت کی غرض سے ایک شہر سے دوسرے شہر آتے جاتے رہتے اور اس دوران ان شہروں میں مناظرے کرتے چنانچہ ہشام کا شمار ان کے استدلال اور مناظروں کی وجہ سے اس عہد کی ممتاز ترین شخصیات میں ہونے لگا۔

امامؑ تک رسائی

ہشام جب مختلف مذاہب کا مطالعہ کر چکے اور فلسفہ پر بھی خاصا عبور حاصل کر چکے تو انہوں نے ایک کتاب "الرد علی ارسطا طالیس" تالیف کی جس میں ارسطو کے فلسفے پر تنقید کی۔ بعد ازاں وہ فرقہ جہمیہ کے سرغنہ جہم بن صفوان سے متاثر ہوئے۔ امامؑ کی خدمت میں پہنچنے کا واقعہ ہشام کے چچا عمر بن یزید بن ذبیان نے یوں بیان کیا ہے کہ میرا بھتیجا بہت تیز طرار اور گستاخ تھا اس نے امامؑ سے ملاقات کی خواہش کی تو میں نے کہا کہ امامؑ سے اجازت لینے کے بعد لے چلوں گا۔ میں نے امامؑ سے اجازت طلب کی بعد ازاں میں ہشام کو آپؑ کے پاس لے گیا۔ ہشام نے اس مجلس میں امامؑ سے مختلف سوالات پوچھے امامؑ نے ان کا

مکمل جواب دیا پھر خود چند سوال کئے جس کے لئے امامؑ سے ہشام نے مہلت طلب کی چند دن بعد ہشام دوبارہ آئے تو امامؑ نے خود ہی ان سوالات کے جوابات دے دیئے اور چند اور سوالات کئے جو فرقہ جمیہ سے متعلق تھے ہشام نے پھر مہلت مانگی اور لاجواب ہو کر چند دن بعد پھر امامؑ کی خدمت میں آئے امامؑ نے انہیں حقیقت سے آگاہ کیا۔ پھر امامؑ نے کہا کہ کل میں تمہیں حیرہ کے مقام پر فلاں وقت ملوں گا تم وہاں میرا انتظار کرنا۔ وہ وہاں پہلے سے پہنچ کر امامؑ کا انتظار کرنے لگا وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امامؑ ایک اونٹ پر سوار چلے آرہے ہیں آپ انتہائی شان و شوکت سے تشریف لا رہے تھے جوں جوں آپ قریب آتے جاتے آپ کی عظمت و ہیبت میں اضافہ ہوتا جاتا امامؑ نے انتظار کیا کہ میں کچھ کہوں لیکن مجھ پر ہیبت اتنی تھی کہ میں کچھ نہ بول سکتا تھا میں نے یقین کر لیا کہ یہ ہیبت اللہ کی طرف سے ہے پس میں نے اپنا سابقہ مذہب چھوڑا اور دل و جان سے امامؑ کے ساتھ ہو گیا۔ ۱۹۷۔

علامہ مامقانی نے تحریر فرمایا ہے کہ اپنی پہلی نشست میں ہشام نے امامؑ سے پانچ سو مسائل دریافت کئے اور امامؑ نے ان سب کا جواب دیا بس وہیں سے ایسی ہیبت امامؑ ان کے دل پر بیٹھی کہ جب تک زندہ رہے پاسداران ولایت میں رہے۔ ۱۹۸۔ یہ تمام مسائل کلامی نوعیت کے تھے۔ ۱۹۹۔

اساتذہ کرام و شاگرد

ہشام نے علم الفقہ، الحدیث، تفسیر وغیرہ امام صادقؑ سے حاصل کی تھی ویسے کوفہ میں رہنے کی وجہ سے انہوں نے بہت سے لوگوں سے استفادہ کیا تھا لیکن بعد میں مکمل طور پر اپنے آپ کو حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت کے لئے وقف

کردیا تھا۔ انہوں نے آپؑ سے بے شمار احادیث روایت کی ہیں علماء نے لکھا ہے کہ :

"وکان الامام الصادقؑ یکرمه ویرفع من مقامه"۔۲۰۰۔

امام صادقؑ ان کی بہت عزت و تکریم کرتے اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے۔ ان کی ایک کتاب اصول اربع ماۃ میں شامل ہے جسے شیخ طوسیؒ نے بہت سے اصحاب سے روایت کیا ہے۔ جب امام صادقؑ کا انتقال ہو گیا تو یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے وابستہ ہو گئے اور ان سے بڑا فیض حاصل کیا۔ ان کے شاگردوں میں نضر بن سوید الصیرفی، نشیط بن صالح العجلی، یونس بن عبدالرحمٰن مولیٰ آل یقطین وغیرہ شامل ہیں۔

تالیفات

جناب ہشام بن الحکم کی بہت سی تالیفات کا ذکر علمائے کرام نے کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) کتاب الامامہ (۲) کتاب الدلالات علی حدوث الاشیاء (۳) کتاب الرد علی الزنادقہ (۴) کتاب الرد علی اصحاب الاثنین (۵) کتاب الرد علی ہشام الجوالیقی (۶) کتاب الرد علی اصحاب الطبائع (۷) کتاب الشیخ والغلام (۸) کتاب التدبیر (۹) کتاب المیزان (۱۰) کتاب الرد علی من قال بامامہ المفضول (۱۱) کتاب اختلاف الناس فی الامامہ (۱۲) کتاب الوصیہ والرد علی من انکرھا (۱۳) کتاب فی الجبر والقدر (۱۴) کتاب الحکمین (۱۵) کتاب الرد علی المعتزلہ فی طلحہ والزبیر (۱۶) کتاب القدر (۱۷) کتاب الالفاظ (۱۸) کتاب

الرد علی ارسطا طالیس۔

ہشام کے مناظرے

یوں تو جناب ہشام بن الحکم کی پوری زندگی مناظروں میں گزری وہ جب امام جعفر صادقؑ کے دامن سے وابستہ نہیں ہوئے تھے جب بھی مناظروں میں مشہور تھے اور بعد میں تو ان کے مناظرے زیادہ تر امامت کے اثبات میں ہوئے۔ چند مشہور مناظروں کی فہرست یہ ہے۔ (۱) فرقہ اباضیہ سے مناظرہ (۲) براہمہ سے مناظرہ (۳) حجت خدا کی طرف لوگوں کی احتیاج پر مناظرہ (۴) اہل شام کی ایک جماعت سے مختلف موضوعات پر مختلف مقامات پر مناظرے (۵) حضرت علیؑ کا دوسروں سے زیادہ مستحق خلافت ہونا (۶) جمیع امت پر حضرت علیؑ کی فضیلت اور آیہ مبارکہ ثانی اثنین سے غلط استدلال پر مناظرہ (۷) حضرت علیؑ سے موالات کے وجوب پر مناظرہ (۸) امامت حق کی اطاعت کے لازم ہونے پر مناظرہ (۹) ابی شاکر الدیصانی سے متعدد مناظرے (۱۰) جاثلیق نصرانی سے مناظرہ (۱۱) نفی جہت اور عدم ثنویت پر مناظرہ (۱۲) ابن ابی العوجاء سے مناظرہ (۱۳) ابوحنیفہ سے متعدد مناظرے (۱۴) ابراہیم بن یسار المعتزلی سے مناظرے (۱۵) ابی الھذیل العلاف معتزلی سے مناظرے۔

ان کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں ہشام کے مناظرے کتب تاریخ و رجال میں موجود ہیں۔ ۔ ۲۰۱

ان کے بارے میں ائمہؑ کے اقوال

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "یا ھشام لا زالت مؤیدا بروح

القدس" یعنی اے ہشام تمہیں ہمیشہ روح القدس کی تائید حاصل رہے۔
دوسرے موقع پر امام صادقؑ نے فرمایا۔
"هذا ناصرنا بقلبه ولسانه"
"یہ قلب و زبان دونوں سے ہماری نصرت کرنے والا ہے۔"
ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔
"هشام رائد حقنا المؤيد لصدقنا والدافع لباطل اعدائنا۔ من تبع و تبع امره تبعنا ومن خالفه فقد عادانا"
"یعنی ہشام ہمارے حق کا سراغرساں، ہماری صداقت کا مؤید، ہمارے اعداء کی باطل باتوں کا دفع کرنے والا ہے۔ جس نے اس کی اتباع کی اور اس کے احکام کی اتباع کی اس نے گویا ہماری اتباع کی اور جس نے اس کی مخالفت کی اس نے ہم سے عداوت کی۔"
امام رضا علیہ السلام نے فرمایا :
"رحمه الله كان عبدا ناصحا واوذى من قبل اصحابه حسدا منهم له"
"اللہ ان پر رحمت کرے وہ عبد ناصح تھے ان کے حسد میں ان کے اصحاب نے انہیں اذیتیں دیں۔"
امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا۔
"هشام بن الحكم رحمه الله ما كان اذبه عن هذه الناحيه"

"ہشام بن الحکم اللہ ان پر رحمت کرے وہ کسی طرف سے ہم پر حرف نہیں آنے دیتے تھے۔"۔ ۲۰۲

(۸) معلی بن خنیس المدنی

مولا ابی عبداللہ جعفر الصادق علیہ السلام۔ ان کے بارے میں علماء نے کثرت سے مدحیہ اقوال نقل کئے ہیں اور کیوں کہ غالیوں نے بہت سی باتیں آپ سے منسوب کردی ہیں لہٰذا بعض علماء نے آپ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (نجاشی) ابن الغضائری کہتے ہیں کہ پہلے ان کا امر متغیر تھا پھر یہ جناب محمد بن عبداللہ النفس الزکیہ سے جا ملے جس کی وجہ سے داوٗد بن علی نے انہیں گرفتار کرکے قتل کردیا۔ ابن الغضائری کہتے ہیں کہ میں ان کی روایت کردہ احادیث پر اعتماد نہیں کرتا۔ اس کی وجہ بقول ان کے غالیوں کا ان کی طرف بہت سی باتیں منسوب کرنا ہے۔ شیخ ابو جعفر الطوسی نے کتاب الغیبہ میں لکھا ہے کہ آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے امور کے نگراں تھے اور انہیں کے کہنے پر چلتے تھے اور یہ بات ان کے عادل ہونے کے لئے کافی ہے (خلاصہ الرجال للحلی) اور الکشی نے لکھا ہے کہ جب امام صادق علیہ السلام کو آپ کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے کہا "اما واللہ لقد دخل الجنہ" قسم بخدا وہ جنت میں داخل ہوئے۔ ۲۰۳

المسمعی کہتے ہیں کہ جب داوٗد بن علی نے معلی بن خنیس کو گرفتار کیا اور ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے معلی بن خنیس نے کہا کہ میرے پاس مال کثیر ہے مجھے لوگوں کے پاس لے چلو تاکہ میں انہیں ان کا مال دے دوں۔ اس کے سپاہی انہیں بازار میں لے گئے جب سب لوگ جمع ہوگئے تو معلی نے لوگوں سے مخاطب

ہو کر کہا کہ جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں معلی بن خنیس ہوں تم گواہ رہو کہ میں جو کچھ بھی مال' قرضہ 'لونڈی غلام یا گھر ترکے میں چھوڑوں خواہ کم ہو خواہ زیادہ وہ سب کا سب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہے۔ یہ سنتا تھا کہ سپاہیوں کے افسر نے ان پر سختی کی اور انہیں قتل کر ڈالا۔ جب یہ بات امام صادق علیہ السلام کو پتہ چلی تو آپ غصے کی حالت میں اس طرح گھر سے نکلے کہ چادر زمین پر لٹک رہی تھی اور داؤد بن علی کے پاس پہونچے۔ آپ کے صاحبزادے اسماعیل پیچھے پیچھے تھے اور کہا اے داؤد تو نے ہمارے چاہنے والے کو قتل کر دیا اور میرا مال قبضے میں لے لیا۔ اس نے کہا میں نے انہیں قتل نہیں کیا اور نہ ہی آپ کا مال ہتھیایا۔ آپ نے فرمایا واللہ جس نے ہمارے غلام کو قتل کیا اور ہمارا مال غصب کیا اس کے حق میں اللہ سے میں بددعا کروں گا۔ اس نے کہا کہ میں نے قتل نہیں کیا بلکہ سپاہیوں کے افسر نے انہیں قتل کیا ہے۔ آپؑ نے پوچھا تمہارے حکم سے یا بغیر تمہارے حکم کے؟ داؤد نے جواب دیا میرے بغیر اذن کے اور کہا اسماعیل اب تمہارا کام ہے۔ پس اسماعیل تلوار ہاتھ میں لے کر چلے اور اس پولیس افسر کو وہیں قتل کر دیا۔

مسمعی ہی نے امام صادقؑ کے غلام معتب سے روایت کی ہے کہ امامؑ ہمیشہ رات عبادت میں گزارتے تھے ایک روز میں نے دیکھا کہ آخری رات کے حصے میں سجدے میں دعا مانگ رہے ہیں یہاں تک کہ شور ہوا کہ داؤد بن علی کو قتل کر دیا گیا۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا کہ میں نے اس کے لئے بددعا کی تھی اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اس کے سر پر تلوار ماری اور مثانہ تک کاٹ ڈالا۔ ۲۰۴

روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے داؤد سے کہا تم نے ایک ایسا گناہ کیا جس کو اللہ

معاف نہیں کرے گا اس نے پوچھا وہ گناہ کونسا ہے آپ نے فرمایا تو نے اہل جنت میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا۔۔۔۲۰۵

(۹) برید العجلی

برید بن معاویہ ابو القاسم العجلی المتوفی ۱۴۸ھ۔ آپ امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادقؑ کے حواریوں میں سے ہیں۔ اور ان دونوں ائمہ علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں آپ کا شمار فقہاء و محدثین میں ہوتا ہے اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک عظیم منزلت کے حامل تھے آپ کی مدح میں روایات صحیحہ وارد ہوئی ہیں اور آپ کا شمار اصحاب اجماع میں ہے یعنی جن کی وثاقت و جلالت پر علماء کا اجماع ہے۔ جن چھ حضرات کو امامؑ نے افقہ الناس قرار دیا ہے ان میں آپ بھی ہیں یعنی زرارۃ بن عین، معروف بن خربوذ، برید العجلی، ابو بصیر الاسدی، فضیل بن یسار، محمد بن مسلم الطائفی اور ان میں بھی افقہ زرارۃ بن اعین ہیں۔ امام صادق علیہ السلام کا قول مشہور ہے کہ زرارۃ بن اعین و محمد بن مسلم، برید العجلی اور الاحول مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں زندہ ہوں کہ مردہ (الکشی) ان سے روایت کرنے والوں میں داؤد بن یزید بن فرقد، الحکم و اسماعیل (دونوں بیٹے ہیں حبیب کے) قاسم بن عروہ، منصور بن یونس، عبداللہ بن مغیرہ اور خلق کثیر شامل ہیں۔

برید العجلی کا شمار امامؑ کے عہد کے مصنفین میں ہوتا ہے ان کی ایک کتاب علی بن عقبہ بن خالد الاسدی نے روایت کی ہے۔۔۔۲۰۶

(۱۰) جمیل بن صالح الاسدی الکوفی

آپ امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام دونوں کے صحابی ہیں۔

ثقہ ہیں ان کی ایک کتاب اصول اربعہ ماۃ میں شامل ہے ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے ان میں حسن بن محبوب' سعد بن عبداللہ اور عمار بن موسیٰ الساباطی اور محمد بن عمرو غیرہ شامل ہیں۔۔۔۲۰۷

(۱۱) حماد بن عیسیٰ

بن عبیدۃ الجہنی الواسطی' بعد میں بصرے میں آباد ہو گئے تھے' جحفہ میں ڈوبنے سے انتقال ہوا۔ امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام کے شاگرد ہیں' ان کا شمار اصحاب اجماع میں ہے۔ ان کا انتقال سن ۲۰۹ یا ۲۰۸ھ میں نہر قناۃ میں ہوا۔ یہ امام محمد تقی علیہ السلام کا زمانہ تھا لیکن انہوں نے امام رضا اور امام تقی علیہما السلام دونوں سے روایت نہیں کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے ستر احادیث سنی تھیں پھر مجھے شک ہونے لگا اب صرف ان ۲۰ روایتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۹۰ سال سے متجاوز تھی۔۔۔۲۰۸

(۱۲) حبیب بن ثابت

الکاہلی المتوفی ۱۲۲ھ ۔ یہ تابعین میں سے ہیں اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں' امام زین العابدین' امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کے شاگرد ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں مسعر' الثوری' شعبہ' ابوبکر النہشلی اور خلق کثیر شامل ہیں۔ العجلی' ابوزرعہ اور بہت سے علماء نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ ان سے قریباً ۲۰۰ حدیثیں روایت ہیں۔۔۔۲۰۹

(۱۳) حمزہ بن الطیار

ان کا پورا نام حمزہ بن محمد الطیار ہے آپ کا شمار رجال فقہ میں ہوتا ہے اور

آپ متکلمین میں مقام تفوق پر فائز تھے۔ انکے بہت سے مناظرات مخالفین اہل بیت علیہم السلام سے ہیں۔ جیساکہ انکے حالات سے بھی اندازہ ہوتا ہے اور انکی مدح میں اہل بیت علیہم السلام سے جو کچھ منقول ہے وہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ خود حمزہ بن الطیار کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ مناظروں کو پسند نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا تمہاری طرح کا مناظرہ ناپسند نہیں کیا جاسکتا۔ تم ایسے ہو کہ جب پرواز کرتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھ جاؤ گے اور جب بیٹھے ہوئے ہوتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی پرواز کروگے۔ (یہ آپؑ نے لفظ طیار کی نسبت سے فرمایا جس کے معنی اڑنے والے کے ہیں) جو ایسا ہو تو ہم اسکے کلام سے کراہت نہیں ظاہر کرسکتے۔ ۲۱۰

ہشام بن الحکم کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا ابن الطیار نے اب کیا کام کیا؟ میں نے کہا انکا تو انتقال ہوگیا! آپؑ نے فرمایا "رحمہ اللہ تعالٰی ولقاہ نضرۃ و سرورا فقد کان شدید الخصومہ عنا اھل البیت"۔ ۲۱۱

"اللہ ان پر رحمت کرے اور ان سے کشادہ روئی و مسرت کی حالت میں ملے، وہ ہم اہل بیت کے مخالفین سے شدید خصومت رکھتے تھے اور مناظرہ کرتے تھے۔" اسی مضمون کی ایک اور روایت بھی الکشی نے نقل کی ہے۔

(۱۴) محمد بن علی بن النعمان مومن الطاق۔ ۲۱۲

اب ہم ایک ایسے شخص کا تذکرہ کررہے ہیں جو علم و فضل اور بحث مباحثے میں یکتا ہونے کی وجہ سے علمائے شیعہ میں مومن طاق اور علمائے اہل سنت میں

شیطان طاق کے نام سے معروف ہوا۔ یہ ابو جعفر محمد بن علی بن النعمان البجلی الکوفی ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہیں سب سے پہلے شیطان الطاق کا لقب ابو حنیفہ نے دیا۔ ہوا یوں کہ ان کے اور خوارج کے درمیان ایک مناظرہ ہوا جس کی کارروائی ابو حنیفہ بھی دیکھ رہے تھے جب ان کو خوارج پر غلبہ حاصل ہوا تو ابو حنیفہ نے انہیں شیطان الطاق کا لقب دیا۔ علماء کے خیال میں انہیں پہلے صاحب الطاق کہا جاتا تھا کیونکہ کوفہ میں طاق المحامل کے علاقے میں ان کی صرافے کی دکان تھی اور سونے کا کھرا اور کھوٹا پرکھنے میں انہیں ملکہ حاصل تھا اس لئے انہیں کبھی صاحب الطاق کبھی شیطان الطاق کہا جاتا تھا۔ جب جناب ہشام بن الحکم کو پتہ چلا کہ لوگ انہیں شیطان الطاق کہنے لگے ہیں تو ہشام نے ان کا نام مؤمن الطاق رکھ دیا۔ انہیں مناظروں پر بڑی قدرت حاصل تھی خاص طور پر ان کے مناظرے خوارج، معتزلہ اور ابو حنیفہ سے ہوتے تھے۔ شیخ عباس قمی نے ابو خالد الکابلی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو جعفر صاحب الطاق کو مسجد نبویؐ میں روضہ رسولؐ کے پاس دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگوں سے سوال وجواب ہو رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا اور کہا : امام صادق علیہ السلام نے ہمیں مناظروں سے منع کیا ہے، صاحب طاق نے پوچھا کیا انہیں نے تمہیں حکم دیا ہے کہ یہ بات مجھ تک پہنچاؤ؟ میں نے کہا نہیں بس انہوں نے ہمیں منع کیا ہے کہ کسی سے مناظرہ نہ کریں۔ یہ سنا تو مؤمن طاق نے کہا تم جاؤ اور امام کے کہنے پر عمل کرو۔ الکابلی کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں آیا اور صاحب طاق سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔ آپؑ نے سنا تو فرمایا : اے ابو خالد صاحب الطاق لوگوں سے گفتگو کرتا ہے اور پرواز کر جاتا ہے اور تم باوجود انتہائی کوشش کے بیچ کے نہیں نکل سکتے۔ ۲۱۳

تالیفات

جناب مؤمن طاق نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں سے چند کے نام شیخ طوسی نے الفہرست میں اور ابن ندیم نے الفہرست میں گنوائے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کتاب الامامہ (۲) کتاب المعرفہ (۳) کتاب الرد علی للمعتزلہ فی امامہ المفضول (۴) کتاب فی امر طلحہ والزبیر والعائشہ (۵) کتاب اثبات الوصیہ (۶) کتابن افعل لا تفعل (۷) کتاب المناظرۃ مع ابی حنیفہ۔

آپ کے مناظرے نقل کرنے کا یہ موقع نہیں کچھ مناظرے فقہی باب میں ہم نقل کریں گے لیکن مثالاً ایک مناظرہ نقل کرتے ہیں۔

ابو مالک احمسی کہتا ہے کہ ضحاک الشادی نے خروج کیا اور کوفے پر قابض ہو گیا اور اپنا لقب "امیر المومنین" قرار دیا اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینی شروع کی۔ مؤمن طاق اس کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں اپنے دین میں بصیرت رکھنے کی وجہ سے مشہور ہوں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ ضحاک نے اپنے ہم نشینوں سے کہا : اگر یہ شخص ہم میں شامل ہو جائے تو بہت فائدہ مند رہے گا۔ پھر مؤمن طاق اور ضحاک کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

مومن طاق : تم لوگ علی بن ابی طالبؑ سے علیحدہ کیوں ہو گئے اور ان سے جنگ اور ان کے قتل کو حلال کیوں قرار دے ڈالا؟

ضحاک : کیونکہ انہوں نے دین میں اللہ کے سوا دوسرے کو حکم بنایا۔

مومن طاق : ہر وہ شخص جو دین میں دوسرے کو حکم بنا دے تم نے اس کا خون

حلال کردیا اور اس سے جنگ اور اس سے برات حلال کردی؟

ضحاک : ہاں ایسا ہی ہے۔

مومن طاق : بہت خوب! اب تم مجھے اپنا دین بتاؤ تاکہ میں تم سے اس پر مناظرہ کروں، اگر تمہاری دلیل میری دلیل پر غالب آگئی تو میں تمہارا مذہب قبول کرلوں گا اور اگر میری دلیل تم پر غالب آگئی تو تم قبول کرلینا۔

ضحاک : بالکل ٹھیک ہے۔

مومن طاق : لیکن یہ بتاؤ کہ کون عالم ہماری گفتگو کا فیصلہ کرے گا کہ کس کی بات درست ہے کس کی غلط، کسی شخص کو مقرر کرو؟

ضحاک : نے ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ عالم دین ہیں یہ ہمارا، تمہارا فیصلہ کریں گے۔

مومن طاق : اچھا تو تم نے ان کو ثالث مقرر کیا ہے اس دین میں مناظرے کے بارے میں جو میں تم سے کرنے آیا ہوں۔

ضحاک : ہاں۔ یہ سن کر مومن طاق ضحاک کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ دیکھو تمہارے سردار نے دین کے معاملے میں ایک آدمی کو حکم مقرر کیا ہے اب تم اس سے خود نمٹو۔ اس بات پر ضحاک کے ساتھیوں میں اختلاف ہوگیا اور لوگ خاموش ہوگئے۔ مومن طاق یہ کہہ کر کامیاب واپس لوٹے۔[۲۱۴] (یعنی خود ضحاک کے اصول کے مطابق اسے قتل کردینا واجب تھا)

فقہی مدارس ۲۱۵ھ
حنفی - مالکی - شافعی - حنبلی - زیدی

امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد کو ہم فروغ علم کا عہد کہہ سکتے ہیں اس عہد میں علوم اسلامیہ کی جتنی ترقی ہوئی وہ اور کسی عہد میں نہیں ہوئی۔ فقہی اجتہادات کے مختلف مکاتب بھی اسی عہد میں وجود میں آئے گو کہ شافعی اور حنبلی کچھ بعد کی پیداوار ہیں لیکن یہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ امام جعفر صادقؑ کے خوشہ چین ہیں۔ اس کی طرف مشہور مصری عالم علامہ عبدالحلیم الجندی نے یوں اشارہ کیا ہے۔

"کان سفیان الثوری امام العصر فی الورع والسنن والفقه للعراق کافه---- وبعدذالک یقول---- وکان کثیرون من رواد المجلس کسفیان مکانه فی المسلمین' منهم عمرو بن عبید الذی نشات علی یدیه فرقه المعتزله' و ابوحنیفه' و محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ترب ابی حنیفه و امام المدینه مالک بن انس--- و ابوحنیفه هوالامام الاعظم لاهل السنه' ومالک اکبر من تلقی علیه

الشافعی علما و اطولهم فی تعلیمه زمانا۔ والشافعی شیخ احمد بن حنبل۔۲۱۶۔ و یقول بعد ذلک۔۔۔ و کمثلهم کان المحدثون العظماء یحیی بن سعید محدث المدینه و ابن جریح و ابن عیینه محدثا مکه و ابن عیینه هو المعلم الاول للشافعی فی الحدیث"۔۲۱۷

"سفیان ثوری اپنے وقت کے امام تھے تقویٰ میں سنن میں اور فقہ میں اور کل عراق میں۔۔۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔۔۔ امامؑ کی مجلس میں آنے والوں میں کئی ایسے تھے جن کا مرتبہ مسلمانوں میں سفیان کی طرح ہے ان میں عمرو بن عبید بھی ہے جس کے ہاتھوں میں فرقہ معتزلہ پلا بڑھا۔ اور ابو حنیفہ' محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی جو ابو حنیفہ کے پروردہ تھے اور امام مدینہ مالک بن انس۔۔۔ ابو حنیفہ تو اہل سنت کے نزدیک امام اعظم ہیں اور مالک تو یہ شافعی کے استاد ہیں شافعی نے سب سے زیادہ عرصے تک انہیں سے فیض حاصل کیا اور شافعی استاد ہیں احمد بن حنبل کے۔۔۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔۔۔ اسی طرح بڑے بڑے محدثین آتے تھے یحییٰ بن سعید محدث مدینہ' ابن جریح اور ابن عیینہ یہ دونوں مکہ کے محدث تھے اور ابن عیینہ تو علم حدیث میں امام شافعی کے پہلے استاد ہیں۔"

گویا اس طرح دیکھا جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک دونوں امام جعفر صادقؑ کے براہ راست شاگرد تھے' شافعی بالواسطہ دو طرف سے شاگرد تھے کیونکہ وہ امام

مالک کے بھی شاگرد ہیں اور سفیان بن عیینیہ کے بھی اور احمد بن حنبل بھی شاگرد ہیں امام شافعی کے لہٰذا سب کے سب بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر امامؒ کی فقہ کے خوشہ چین ہیں۔

اب ہم علیحدہ علیحدہ ان مکاتب فقہ کا مختصرا جائزہ لیتے ہیں۔

فقہ حنفی اور اس کی نشوونما

ہم گزشتہ صفحات میں امام ابو حنیفہ کا امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا شاگرد ہونا نقل کر آئے ہیں۔ یہی امام ابو حنیفہ ہیں جن کی طرف فقہ حنفی کو نسبت دی گئی ہے گو کہ ہم اس نسبت کو درست نہیں سمجھتے اور اس پر مختصرا بعد میں گفتگو کریں گے۔

امام ابو حنیفہ کا نام نعمان بن ثابت بن مرزبان بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن نوشیرواں تھا۔۲۱۸۔ امام ابو حنیفہ مشہور روایت کے مطابق ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور یہیں پلے بڑھے۔ کوفہ اس وقت علوم اسلامیہ کا مرکز اور علمائے کرام کا گہوارہ تھا۔ یہاں جتنے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے درس و تدریس فرمائی ہے کسی دوسرے شہر کو اتنا شرف حاصل نہ ہو سکا۔

امام ابو حنیفہؒ کو آج کل کے لڑکوں کی طرح علم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ صرف اپنے ریشمی کپڑوں کے کاروبار میں مصروف رہا کرتے تھے اور اسی ادھیڑبن میں لگے رہتے تھے۔ ایک روز اتفاقاً امام شعبی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا میاں صاحبزادے کہاں پھرتے رہتے ہو جواب دیا تجارت مشغلہ ہے۔ بس اسی میں مصروف رہتا ہوں۔ شعبی نے پوچھا علماء کے پاس بھی بیٹھتے ہو؟ اس کا

جواب خود امام ابوحنیفہ کی زبانی یہ ہے "انا قلیل الاختلاط الیھم" میں ان کے پاس بہت کم آتا جاتا ہوں ---- امام شعبی نے یہ گوہر نایاب دیکھا تو علم کی ترغیب دی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ "فوقع فی قلبی من قولہ فترکت الاختلاف السوق واخذت فی العلم" میرے دل میں امام شعبی کی بات بیٹھ گئی اور میں نے بازار کی آمد و رفت چھوڑ کر علم حاصل کرنا شروع کردیا۔۲۱۹۔ ابتداء میں انہوں نے قرات' حدیث' نحو' ادب' شعر' کلام وغیرہ متداول علوم کا مطالعہ کیا۔۲۲۰۔ خاص طور پر انہیں علم کلام سے دلچسپی تھی اپنے مشہور شاگرد زفر بن الھذیل سے ایک مرتبہ انہوں نے کہا "پہلے میں علم کلام سے دلچسپی رکھتا تھا اور اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ میری طرف اشارے کئے جاتے تھے ۔۔۔۲۲۱

امام ابوحنیفہ کا فقہ کی طرف بالکل رجحان نہ تھا ایک دن وہ اپنی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ ابوحنیفہ نے کہا مجھے نہیں پتہ' تم امام حماد کے حلقے میں جاؤ اور جو وہ جواب دیں مجھے بتاتی جانا۔ چنانچہ واپسی پر اسی عورت نے جواب بتادیا۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ مجھے اس جواب کو سن کو اپنے علم پر بہت افسوس ہوا اور میں نے امام حماد کے حلقہ درس میں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں "خدعتنی امراۃ و زھدتنی اخری و فقھتنی اخری" ایک عورت نے مجھے دھوکہ دیا' دوسری نے زہد سکھایا اور تیسری نے فقیہ بنادیا۔

امام صادقؑ کی خدمت میں

روایات بتاتی ہیں کہ ابوحنیفہ حماد کے حلقہ درس میں ۱۸ سال تک رہے لیکن

انہوں نے حماد کے علاوہ دوسروں سے بھی کسب فیض کیا۔ جن میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ امام صادقؑ کی صحبت کی ان پر بہت ہیبت تھی اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوتا ہے۔ یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں منقول ہے لیکن ہم اسے علامہ مناظر احسن گیلانی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں امام (ابو حنیفہ) نے بعض ایسی باتیں بھی منصور کے کہنے سے کیں کہ شاید اپنی غرض ان کے سامنے نہ ہوتی تو ہرگز نہ کرتے، مثلاً کہتے ہیں کہ منصور سے ملنے کے لئے حضرت امام جعفر صادقؑ تشریف لانے والے تھے۔ حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو بلا کر یہ آرزو ظاہر کی کہ لوگ جعفر صادقؑ کے علم سے بہت مرعوب ہو رہے ہیں کیا کچھ ایسے علمی سوالات تیار کر سکتے ہیں جن کے جواب میں ان کو بھی دشواری پیش آئے۔ امام ابو حنیفہ جیسا کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کے ان بزرگوں سے گہری عقیدت رکھتے تھے، خصوصاً انہیں امام جعفر صادقؑ کے متعلق تو امام سے یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ ان سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ آپ نے جن جن علماء کو دیکھا ہے ان میں سب سے بڑا فقیہ کس کو پایا تو کہتے ہیں کہ امام نے جواب میں فرمایا : "ما رایت افقه من جعفر بن محمد الصادق" (موفق ج ۱۔ ص ۵۳) میں نے جعفر صادق سے زیادہ سمجھ والا فقیہ نہیں دیکھا۔۔۔۔ امام کے اساتذہ کی فہرست میں لوگوں نے امام جعفر صادقؑ کا نام بھی درج کیا ہے۔ یہ بھی

لکھتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ امام جعفر صادقؑ کوفہ تشریف لائے تو امام ابو حنیفہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ان سے ملنے گئے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ "قعد ابو حنیفه کالمستوفز معظما له" یعنی بیٹھے امام جعفر صادقؑ کے سامنے امام ابو حنیفہ ایک بے چین، مرعوب آدمی کی طرح ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی عظمت سے ان کا دل معمور ہے (ص ۱۳۴ الموافق) بہرحال کچھ بھی ہو باوجود ان تمام عقیدت مندیوں کے بہ ظاہر یہی خیال گزرتا ہے کہ منصور پر اپنی ساکھ قائم کرنے کے لئے امام نے چند ایسے مشکل سوالات مرتب کئے کہ منصور بھی بھڑک اٹھا کہتے ہیں کہ یہ چالیس (مسائل شداد) تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ منصور کی علمی پرواز کے لحاظ سے ان سوالوں کی نوعیت خواہ کچھ ہی ہو لیکن امام ابو حنیفہ چونکہ جعفر صادقؑ کی علمی گہرائیوں اور وسعت معلومات سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اس میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کیا کہ حضرت کے سامنے ان سوالوں کو پیش کیا جائے بلکہ اندرونی طور پر ممکن ہے کہ اس کو بھی امام جعفر صادقؑ کی رفعت قدر کا ذریعہ بنانا چاہتے ہوں، جیسا کہ بعد کو ہوا بھی ---- امام جعفر صادقؑ ابھی منصور کے پاس نہیں پہنچے تھے حیرہ ہی میں تھے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو ان کے پاس روانہ کیا، امام کا بیان ہے کہ میں نے ان مسائل کو جونہی خدمت میں پیش کیا جیسی کہ توقع تھی ہر سوال کا جواب انتہائی بسط و تفصیل کے ساتھ سننے کے ساتھ دیتے چلے جاتے تھے، یہی نہیں کہ اپنی صرف رائے ظاہر کرتے بلکہ یہ بھی کہ اس سلسلے میں عراق والوں کا فتویٰ

یہ ہے' مدینہ والے یہ کہتے ہیں' خود ہمارا یہ خیال ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ : "حتی اتیت علی الاربعین مسئلہ ما اخل منھا بمسئلہ" (الموفق ج ا - ص ۱۷۳) چالیسوں مسئلے انہوں نے اس طور پر بیان کر دیئے کہ کسی مسئلے کے بیان میں کسی قسم کا خلل پیدا نہ ہوا۔ ۲۲۲۔ منصور کی جو غرض تھی وہ تو پوری نہیں ہوئی لیکن امام ابو حنیفہ کا مطلب پورا ہو گیا یعنی ان مشکل سوالوں کو سن کر امام کی علمی عقیدت ان کے دل میں اور بڑھ گئی۔ ۲۲۳۔

علامہ عبدالحلیم الجندی نے ابو حنیفہ کے امام جعفر صادقؑ سے تلمذ کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"وابو حنیفه (۸۰ - ۱۵۰ھ) اکبر عمرا من الامام الصادق لکن الصادق یشنازره بعبارات مشجعه فیقول له : اجلس یا ابا حنیفه فعلی هذا ادرکت ابائی یریدبذلک اعظام مجلس العلم ووقوف الجمیع و جلوس الاستاذ--- انقطع ابو حنیفه الی مجالس الامام طوال عامین قضاهما بالمدینه و فیهما یقول : لولا العامان لهلک النعمان --- کان لا یخاطب صاحب المجلس الا بقوله (جعلت فداک یاابن بنت رسول الله)"۔ ۲۲۴

"اور ابو حنیفہ (۸۰ - ۱۵۰ھ) عمر میں جو امام صادق سے بڑے تھے وہ بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں لیکن امام صادقؑ ان سے مختلف باتیں کر کے

تقویت پہنچاتے اور حصول علم پر ابھارتے تھے اور ان سے کہتے اے ابو حنیفہ بیٹھ جاؤ یہاں تمہیں میرے آباء و اجداد کا سا ڈھنگ ملے گا۔ یہ کہہ کر آپ مجلس علم کی عظمت' ائمہ ماسبق کا موجود ہونا اور استاذ کا تشریف رکھنا باور کرانا چاہتے تھے۔ ابو حنیفہ دو سال تک صرف امام علیہ السلام کی مجالس علم سے وابستہ رہے جو انہوں نے مدینہ میں گزارے اور ان دو سالوں کے بارے میں وہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ دو برس نہ ہوتے تو نعمان (خود) ہلاک ہو جاتا اور آپ صاحب مجلس امام صادق کو جب بھی مخاطب کرتے تو کہتے میں آپ پر فدا ہو جاؤں اے بنت رسولؐ کے فرزند ارجمند۔"

یہ فدا ہونے والا جملہ آپ کے کئی تذکرہ نگاہوں نے لکھا ہے۔۲۲۵۔ علامہ مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ : ایک دوسری روایت امام جعفر صادقؑ اور امام ابو حنیفہ کے باہمی مکالے کے متعلق لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں بار بار یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب جعفر صادقؑ کو امام خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "جعلت فداک" میں حضور پر قربان کیا جاؤں۔ واللہ اعلم ائمہ اہل بیتؑ سے اس زمانے میں یہ گفتگو کا عام طریقہ تھا یا امام صاحب کی خصوصیت تھی۔۲۲۶۔ واضح ہو کہ ائمہ علیہم السلام کے سب شاگرد و صحابہ یہ جملہ استعمال کرتے تھے جیسا کہ ہم حدیث و تاریخ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتے صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر بہت کچھ حاصل کیا۔ اکثر امام صادق علیہ السلام امام ابو حنفیہ کو تنبیہ بھی فرماتے تھے اور وہ امام کا

بہت لحاظ کرتے تھے۔ علامہ جندی نے لکھا ہے کہ۔۔۔۔۔

"ولقد يتحدى الامام الصادق فی مجلسه ابا حنيفه ليختبر رای صاحب الرای' فيسال : ماتقول فی محرم كسر رباعيه الظبی۔ ويجيب ابو حنيفه : يا ابن رسول الله لا اعلم ما فيه۔ فيقول له الامام الصادق : انت تتداهى' اولا تعلم ان الظبی لا تكون له رباعيه! وانما سكت ابو حنيفه لانه لم يعلم كما قال اولا نه يمتنع ان يصحح للامام السوال۔ وما كان اعظم ادب ابی حنيفه بين نظرائه"۲۲۷

"امام صادق علیہ السلام اپنی مجلس میں ابو حنیفہ کو اکثر تحدی کرتے تاکہ صاحب رائے کی رائے معلوم کریں۔ آپ نے ایک مرتبہ پوچھا : تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے حالت احرام میں ہرن کے سامنے کے چار دانتوں اور کچلیوں کے درمیان والا دانت (رباعیہ) توڑ ڈالا۔ ابو حنیفہ جواب دیتے ہیں یا ابن رسول اللہ میں نہیں جانتا کہ اس کا کفارہ کیا ہے۔ امام نے ان سے کہا یا تو تم انجان بن کر ہشیاری کر رہے ہو یا تم جانتے ہی نہیں کہ ہرن کے یہ دانت نہیں ہوتا۔ ابو حنیفہ یہ سن کر خاموش ہو گئے کیونکہ یا تو وہ امام کے بقول اس امر سے ناواقف تھے یا وہ امام کا سوال درست کرنے سے احتراماً باز رہے۔۔۔۔۔ ابو حنیفہ کا اپنے ہم عصروں کے سامنے کیا ادب و لحاظ کا برتاؤ تھا۔"

استاذ ابو زہرہ کے ساتھ

ابو زہرہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے بہت سے فقہی مسائل کی بنیاد امام جعفر صادق علیہ السلام کے فتوے پر رکھی ہے یا ان کی بیان کردہ حدیث پر اس کی بنیاد ہے۔ ہم مثلاً ایک روایت پیش کرتے ہیں اور ساتھ میں علامہ ابو زہرہ المصری کے تبصرے کے اقتباس بھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

"ومهما يكن فان للذين التقوا به من الفقهاء والمحدثين قداخذوا عنه روايه كمااخذالكثيرون عنه فقهه' فقد جاء في كتاب الاثار لابى يوسف مانصه : حدثنايوسف عن ابيه عن ابى حنيفه عن جعفر بن محمد عن سعيد بن جبير عن ابن عمر رضى الله عنهما قال : جاء رجل فقال : انى قد قضيت المناسك كلها غير الطواف البيت ثم واقعت اهلى قال فاقض مابقى عليک' واهرق دما وعليک الحج من قابل' قال فعاد اليه' قال انى جئت من شقه بعيدة قال : فقال له مثل قوله"۔ ۲۲۸

"ایسا بھی ہوتا تھا کہ فقہاء اور محدثین امام صادقؑ سے ملاقات کرتے اور ان سے ان کی روایت حاصل کرتے جیساکہ ان سے کثیر تعداد میں لوگوں نے ان کی فقہ حاصل کی اس مقصد کے لئے احکام فقیہ میں سے بعض کے لئے ہم امام ابو حنیفہ کی امام صادقؑ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف کی کتاب الاثار میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے یوسف

نے انہوں نے اپنے والد ابو یوسف سے انہوں نے ابو حنیفہ سے انہوں نے جعفر صادق سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے طواف کعبہ کے سوا سارے مناسک حج ادا کئے ہیں پھر میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا؟ انہوں نے جواب دیا جو مناسک حج باقی ہیں انہیں ادا کرو، کفارہ اور قربانی کرو اور تم پر آئندہ سال حج واجب ہے۔ وہ پھر واپس آیا اور کہا کہ میں بہت دور سے مشقت برداشت کر کے پہنچا ہوں۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔"

اس روایت سے استاذ ابو زہرہ نے تین باتیں اخذ کی ہیں (۱) امام صادقؑ سعید بن جبیر سے وہ احادیث روایت کرتے تھے جو وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے تھے لہٰذا امام صادقؑ کا علم کسبی تھا وہ اپنے عہد کے اساتذۂ فن سے منقطع نہ تھے بلکہ کبار تابعین سے روایت کرتے تھے۔ (۲) امام صادقؑ نے مدینہ کی فقہ وہیں سے حاصل کی تھی اور فقہ ابن عمر کا تعلق بھی مدینہ سے تھا اور امام ابو حنیفہ نے یہ فقہ امام صادقؑ سے عراق یا مدینہ میں حاصل کی تھی۔ (۳) یہ کہ امام صادقؑ صحابی کا فتویٰ قبول کرتے تھے کیونکہ یہ عبداللہ بن عمر کا ہی فتویٰ ہے اور صحابی کا فتویٰ چاروں فقہوں میں مقبول ہے۔۔۔۲۲۹

استاذ ابو زہرہ کی خدمت میں ہم اس مقام پر چند گزارشات اس روایت کے حوالے سے عرض کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ کتاب الاثار کی یہ روایت جس کو انتہائی شد و مد کے ساتھ استاذ ابو زہرہ نے صحیح قرار دیا ہے، ضعیف ہے کیونکہ اس روایت میں امام

جعفر صادقؑ راوی ہیں سعید بن جبیر سے اور سعید بن جبیر سے امام صادقؑ کا سماع ثابت نہیں ہے کیونکہ امام صادقؑ کی ولادت ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں علماء نے بیان کی ہے جب کہ سعید بن جبیر ابن الاشعث کے ساتھ مل کر حجاج بن یوسف کے خلاف جنگ کر رہے تھے چنانچہ واقعہ دجیل سن ۸۲ھ اور واقعہ دیر الجماجم سن ۸۳ - ۸۵ھ میں سعید بن جبیر کا شامل ہونا ثابت ہے۔ بعد ازاں سعید بن جبیر بلاد ایران کی طرف حجاج بن یوسف کے خوف سے فرار ہو گئے تھے اور ۱۲ سال تک خفیہ زندگی بسر کرتے رہے پھر خفیہ طور پر عمرہ کرنے آئے اور کچھ لوگوں سے ملے۔ دریں اثناء حجاج کو خبر ہو گئی چنانچہ انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ۹۵ھ میں شعبان کے مہینے میں انہیں حجاج نے شہید کر دیا۔ اس وقت امام صادقؑ کی عمر ۱۵ یا ۱۲ سال تھی۔ اس طرح سعید بن جبیر کے اخفاء کی وجہ سے اور بلاد ایران میں روپوش رہنے کی بناء پر امام صادقؑ کا ان سے سماع ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ بنایا گیا تھا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ استاذ ابوزہرہ یہ بھول گئے ہیں کہ خود انہوں نے اپنی اس کتاب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ۔

"انه بلا ریب کان الامام الصادق من ابرز فقهاء عصره، ان لم یکن ابرزهم، وقد شهدله بالفقه فقیه العراق الامام ابوحنیفه الذی قال فیه الشافعی الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفه رضی الله عنه و قد ساله ابوحنیفه عن اربعین مساله فی مجلس واحد فاجاب عنها بما عند العراقیین وما

عند الحجازيين و ما يختاره من قولهم' اوير تئيه مماليس عندهم' وقد قال ابو حنيفه بعد ذكر ما كان بينه و بينه : اعلم الناس هو اعلمهم باختلاف الناس"۔ ۲۳۰

"بلاشک وشبہ امام صادقؑ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے فقیہ ہونے کی گواہی فقیہ عراق ابو حنیفہ نہ دیتے جن کے بارے میں امام شافعی نے فرمایا کہ فقہ میں لوگ ابو حنیفہ کی طرف رجوع کرنے میں مجبور ہیں۔ انہیں ابو حنیفہ نے امام صادق سے ایک نشست میں چالیس سوال پوچھے تو آپ نے ان کا جواب اس انداز سے دیا کہ اہل عراق یہ کہتے ہیں اور اہل حجاز کا یہ مسلک ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ جن میں بعض جواب کسی ایک مسلک سے مطابقت رکھتے اور بعض دونوں سے مختلف۔ ابو حنیفہ اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم ہی وہ ہے جو علماء کے اختلاف کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔"

یہ وہی واقعہ ہے جس کو ہم پہلے مختلف حوالوں سے نقل کر آئے ہیں۔ طے شدہ بات ہے کہ علمائے عراق ہوں یا علمائے حجاز یا امام صادقؑ ہوں ان کے فتوے کی بنیاد حدیث رسولؐ ہوتی ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ اگر ایک عالم کو کسی مسئلے میں کوئی حدیث صحیح مل گئی تو فتوے کی بنیاد اس پر رکھ لی ظاہر ہے کہ کوئی عالم حدیث رسولؐ کے مقابلے میں فتویٰ نہیں دے سکتا اور جہاں اسے حدیث نہ مل سکی اس نے اجتہاد کر لیا لیکن امام صادقؑ ہوں یا امام محمد باقرؑ یا ائمہ اثنا عشر میں سے کوئی اور امامؑ

سب نے وضاحت سے کہہ دیا ہے۔۲۳۱ کہ ہماری روایت ہمارے والد کی روایت ہے اور ان کی روایت ان کے والد کی یہاں تک کہ آنحضرتؐ تک سلسلہ پہونچتا ہے اور وہ اللہ سے نقل کرتے ہیں تو اب حدیث کی پرکھ میں امامؑ سے نیچے کے راویوں میں تو بحث ہو سکتی ہے اوپر کے تمام راوی چونکہ خود امام ہیں لہٰذا ان پر کوئی بحث نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ امام صادق علیہ السلام کا ارشاد حدیث رسول ہوتا ہے۔ علمائے عراق و حجاز کا فتویٰ حدیث مل جانے کی صورت میں حدیث پر اور حدیث نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ کبھی تینوں کا فتویٰ ایک ہی ہوگا۔ کبھی دو کا متحد اور ایک کا مختلف اور کبھی جب عراقی و حجازی علماء کو کوئی حدیث نہ ملے تو دونوں کے فتوے اجتہاد پر اور امامؑ کا ارشاد حدیث رسولؐ کے مطابق ہوگا تو اس اتحاد فتویٰ کو حدیث رسولؐ کے سوا فقہ عراق یا حجاز پر مبنی قرار دینا درست نہیں۔

(۳) اس روایت سے جس کو ہم اوپر ضعیف ثابت کر آئے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ پتہ چلتا ہے کہ امام صادقؑ علماء کے اختلاف و آراء سے واقف تھے جیسا کہ ابو زہرہ نے امام ابو حنیفہ کا قول بھی نقل کیا ہے۔ اور جس طرح ایک امام کسی دوسرے امام یا فقیہ کی رائے نقل کرتا ہے اسی طرح امام صادقؑ نے بھی سعید بن جبیر کے حوالے سے عبداللہ بن عمرؓ کی رائے نقل یا روایت کی۔ علامہ عبدالحلیم الجندی نے لکھا ہے کہ :

"وعند ما نذكر ان القاسم بن محمد ظل مصدرا للعلم حتى شارف الصادق ربع القرن من حياته، وان الصادق شهد حلقات عكرمه مولا ابن عباس

(۱۰۴) و عطاء بن ابی رباح بمکه حیث کان یجلس ابن عباس وان او امر الولاۃ فی الموسم کانت : لا یفتی الناس الا عطاء کما شهد بالمدینه حلقه عبداللہ بن ابی رافع - مولی امیر المومنین علی الذی املی علیؑ علیه کتابه الی معاویه و حلق خاله عبدالرحمٰن بن القاسم و عروۃ بن الزبیر (۹۴) الراویه عن خالته عائشهؓ و محمد بن المنکدر (۱۳۰) شیخ مالک"۔۲۳۲

"اور جب ہم یہ ذکر کرتے ہیں کہ قاسم بن محمد اپنے زمانے میں مرجع علمی بن گئے تھے یہاں تک کہ امام صادقؑ نے اپنی زندگی کے ۲۵ سال ان کے سایہ میں گزارے تو یہ بھی ملتا ہے کہ امام صادقؑ دوسرے حلقہ ہائے درس میں بھی تشریف لے جاتے تھے مثلاً عکرمہ مولی ابن عباس (ف ۱۰۴ھ) اور عطاء بن ابی رباح مکہ میں جب کہ وہ ابن عباس کی مسند پر بیٹھتے تو والیان امر کا یہ حکم ہوتا تھا کہ لوگوں کو سوائے عطاء کے کوئی فتویٰ نہ دے' اسی طرح آپ مدینہ میں عبداللہ بن ابی رافع مولی علی امیرالمومنین علیؑ کے حلقے میں تشریف لے جاتے یہ وہ شخص ہیں کہ امام علیؑ نے معاویہ کو جو خط لکھا تھا وہ انہیں کو املاء کروایا تھا اور اپنے ماموں عبدالرحمٰن بن القاسم اور عروۃ بن الزبیر (ف ۹۴ھ) کے حلقوں میں آپ جاتے' حضرت عائشہ کی بھانجی (یعنی جناب اسماء کی بیٹی) جو اپنی خالہ حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں اور محمد بن المنکدر (ف ۱۳۰ھ) کے

حلقہ ہائے درس میں بھی جاتے یہ محمد بن منکدر امام مالک کے شیخ ہیں۔"

ان حلقہ ہائے درس میں امام صادقؒ تشریف لے جاتے۔ ان کی روایات و فتاویٰ سنتے اور یوں اختلاف علماء سے واقف ہوتے اور پھر اپنے اجداد کی احادیث بیان کرتے۔ جب مسند درس پر جلوہ افروز ہوتے تو لوگوں کو بتاتے کہ کس عالم کا کیا فتویٰ ہے اور پھر اپنی روایت بیان کرتے وہی امامؑ کا فتویٰ ہوتا۔ اولاً تو کتاب الاثار کی محولہ بالا روایت درست نہیں اور بفرض محال اگر اسے درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ امامؑ نے عبداللہ بن عمر کے فتوے کو بیان کیا ہے۔

(۴) ہمارے اس بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فقہ جعفریہ میں فتویٰ اس کے خلاف ہے کیونکہ ہماری کتابوں میں درج احادیث میں اس فقہی مسئلے کی ذرا تفصیل آئی ہے۔ کافی کی احادیث صحیحہ کا اس بارے میں خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

(۱) اگر مرد اور عورت دونوں حالت احرام میں ہیں اور دونوں مسئلے سے جاہل ہیں تو ان کے لئے استغفار ہے کوئی کفارہ نہیں۔

(۲) اگر مسئلہ جانتے ہیں تو ان دونوں کے درمیان مقام جماع ہی سے تفریق کرادی جائے دونوں کفارے کے طور پر قربانی کریں اور باقی مناسک حج ادا کریں اور آئندہ سال حج کر کے قضا کریں اور آئندہ حج کے دوران اس مقام سے جہاں جماع واقع ہوا تھا حج مکمل ہونے تک ایک دوسرے سے جدا رہیں اور جہاں دونوں اکھٹے ہوں ایک نامحرم موجود رہے۔

(۳) مسئلے سے جاہل ہونے کی صورت میں طواف النساء سے پہلے جماع کیا تو کچھ نہیں اور اگر جانتے ہوئے جماع کیا تو کفارے میں قربانی کرے۔

(۴) مزدلفہ پہنچنے سے قبل جماع کیا تو آئندہ سال اعادۂ حج واجب ہے۔۔۲۳۳

(۵) اگر عورت اور مرد دونوں نے اپنی خوشی سے قضائے شہوت کی تو دونوں پر قربانی ہے اور دونوں کو علیحدہ کر کے وہاں واپس لایا جائے جہاں جماع واقع ہوا' وہاں سے دوبارہ مناسک حج ادا کریں۔

(۶) اور اگر عورت پر زبردستی کی گئی تو مرد پر دو قربانیاں ہوں گی عورت پر کچھ نہیں۔۔۔۲۳۴

ہمارے اس بیان کی تائید کہ امام جعفر صادقؒ کا ارشاد عبداللہ بن عمر سے ماخوذ نہیں وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں حضرت عمر بن الخطاب' حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہ کے حوالے سے لکھا ہے امام مالک لکھتے ہیں : "عن مالک انه بلغه ان عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب و ابا هریره سئلوا عن رجل اصاب اهله وهو محرم فقالوا ینفذان یمضیان لوجههما حتی یقضیا حجهما ثم علیهما الحج من قابل والهدی۔۔۔ وقال علی بن ابی طالب ر ۱۰ اهلا بالحج من عام قابل تفرقا حتی یقضیا حجهما"۔۔۲۳۵۔ امام مالک کو پتہ چلا کہ حضرت عمر حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے سوال ہوا ایک شخص نے اپنی عورت سے حالت احرام میں جماع کیا وہ کیا کرے؟ ان سب نے جواب دیا کہ وہ دونوں خاوند اور جورو حج کے ارکان ادا کرتے رہیں یہاں تک کہ حج پورا ہو جائے پھر آئندہ برس ان پر حج اور ہدی لازم ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ پھر آئندہ سال جب حج کریں تو وہ دونوں جدا جدا رہیں یہاں تک کہ حج پورا ہو جائے۔ امام مالک اس کے

فوراً بعد جناب سعید بن المسیب کا بھی یہی فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ یہ روایت تو تعلیقاً ہوئی یہ مرسلاً بھی روایت ہے جیسا کہ آگے آتا ہے---- شرح الوقایہ میں تاج الشریعہ نے لکھا ہے کہ "ووطیه ولو ناسیا قبل وقوف فرض یفسد حجه و یمضی و یذبح و یقضی ولم یفترقا ای لیس علیه ان یفارقها فی قضاء ما افسداه و عند مالک یفارقها اذا خرج من بیتها و عند فرض اذا احرما و عندالشافعی اذا بلغ المکان الذی واقعها فیه" (شرح الوقایہ ج-ص ۳۴۸ طبع محمد سعید اینڈ سنز کراچی) یعنی اور اس کا جماع کرنا خواہ بھولے سے ہو اگر قبل وقوف فرض (یعنی عرفہ) ہو تو حج کو فاسد کردیتا ہے وہ مناسک حج ادا کرے قربانی کرے اور پھر حج قضاء کرے لیکن انہیں جدا نہ کیا جائے یعنی جو حج انہوں نے فاسد کردیا ہے اس کی قضاء کے دوران دونوں میں علیحدگی نہیں کی جائے گی اور مالک کے نزدیک جب وہ گھر سے نکلیں تب سے جدائی کی جائے اور امام زفر کے نزدیک جب وہ دونوں میاں بیوی احرام باندھ لیں اور شافعی کے نزدیک اس وقت سے جدائی ڈالی جائے جب وہ اس مقام پر پہنچیں جہاں جماع واقع ہوا تھا---- شرح وقایہ کے شارح علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ المحدث تحریر کرتے ہیں۔ "قوله و یمضی ای یجب علیه ان یتم ذلک الحج و یهدی هدیا ویقضی حجه فی العام القابل هکذا قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم آخرجه البیهقی و ابوداؤد فی المراسیل"۔ پھر لکھتے ہیں "قوله عند مالک الخ--- السر فی الافتراق زجرهما و لئلا یتذکرا ما سبق منهما فیقعا فیه و

قد نقل عن علی انه امر بالافتراق من عند الاحرام اخرجه المالک فی المئوطا واختاره و ذهب الیه زفر ایضا و عن عمر عنه امر به حین و صولهما الی المکان الذی ارتکبا فیها الجنایه اخرجه ابن ابی شیبه وهو الذی اختاره الشافعی "(حاشیہ شرح الوقایہ ۱/۳۴۸) یعنی ان کا یمضی کہنا۔ یعنی اس پر واجب ہے کہ اس حج کو مکمل کرے اور قربانی کرے اور آئندہ برس حج کی قضاء کرے آنحضرتؐ نے اسی طرح فرمایا ہے کہ جیسا کہ بیہقی اور ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے اور یہ جو کہا کہ مالک کے نزدیک الخ تو علیحدہ کرنے میں راز یہ ہے کہ یہ سزا کے طور پر ہے یا پھر اس لئے کہ انہیں اپنی گزشتہ لغزش یاد آجائے اور حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ افتراق احرام باندھنے کے وقت سے ہوگا اسے مالک نے مؤطا میں تخریج کیا ہے اور اختیار کیا ہے اور یہی امام زفر کا بھی مذہب ہے اور حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ جدائی اس وقت ہوگی جب وہ دونوں اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں لغزش سرزد ہوئی اسے ابن ابی شیبہ نے تخریج کیا اور امام شافعی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ان روایات اور تفاصیل کی موجودگی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ امام جعفر صادقؑ کا فتویٰ حدیث رسولؐ پر مبنی ہے۔۲۳۶ ابن عمر کے قول پر نہیں۔ اسی طرح کی اور بھی کئی بے سروپا باتیں ہیں جو ابو زہرہ نے کہی ہیں جو ان جیسے عالم کے شایان شان نہیں۔

کیا یہ فقہ ابو حنیفہؒ ہے؟

یہاں ہم ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ آج کل

جو فقہی نظام فقہ حنفی کے نام سے موجود ہے کیا وہ فقہ حنفی ہے بھی؟ ہم اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں اس کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) کیونکہ فقہ حنفی کی بنیاد امام ابو حنیفہ کے فتاویٰ پر نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے فتاویٰ پر ہے جنہوں نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ سے ساٹھ فیصد سے زیادہ مسائل میں اختلاف کیا ہے اور ان فتاویٰ کو فقہ حنفیہ کی مبسوط کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بقول امام غزالی بلاشبہ علمائے احناف میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے اور جو اپنے مستقل پسندیدہ اقوال رکھتے ہیں سب سے زیادہ جن حضرات نے امام صاحب سے اصول و فروع میں اختلاف کیا ہے وہ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) ہیں لیکن امام صاحب سے ان کے یہ اختلافات دو تہائی یعنی صرف ۶۶ فیصد ہیں۔۲۳ اس بحث کو ہم طول نہیں دینا چاہتے کیونکہ یہ اس کا محل نہیں بلکہ اس مقام پر صرف مشہور عالم دین اور جدید مؤرخ محمد بک الخضری وکیل مدرسہ القضاء الشرعی واستاذ الشریعہ الاسلامیہ بھاوا لمفتش بوزارۃ المعارف سابقا کی کتاب سے ایک طویل اقتباس پیش کر کے اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جس سے فقہ حنفی کی امام ابو حنیفہ سے نسبت کی حقیقت آشکار ہو جائے گی۔ علامہ محمد بک الخضری امام ابو حنیفہ کے چاروں شاگردوں ابو یوسف، زفر بن الھذیل، محمد بن الحسن بن فرقہ الشیبانی اور حسن بن زیاد اللولوی کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ھولاء الاربعہ ھم الذین انتشر بھم مذھب العراقیین و تلقا الناس عنھم و کان لابی یوسف و محمد خاصہ عند بنی العباس ما یجعل لاقوالھم

مزیه و تقدما علی قول غیر هم من اهل الحدیث
وهم الذین لهم الفضل الاکبر فی وضع مسائل الفقه
والاجابه عنها ولم تکن نسبتهم الی ابی حنیفه نسبه
المقلد الی المقلد بل نسبه المتعلم الی المعلم مع
استقلالهم بما به یفتون فلم یکونوا یقفون عندما
افتی به استاذهم بل یخالفونه اذا ظهر لهم ما یوجب
الخلاف ولذلک تجد کتب الحنفیه تورد اقوال
الائمه الاربعه بادلتها و ربما یکون فی المساله
الواحدة اربعه اقوال لابی حنیفه قول، ولابی
یوسف قول ولمحمد قول ولزفر قول حسبما
یظهر لهم من الاثار اوالمعانی، و قد حاول بعض
الحنفیه ان یجعل اقوالهم المختلفه اقوالا للامام
رجع عنها ولکن هذه غفله شدیدة عن تاریخ
هؤلاء الائمه بل عما ذکر فی کتبهم فان ابا یوسف
یحکی فی کتاب الخراج رای ابی حنیفه ثم یذکر
رایه مصرحا بانه یخالفه و یبین سبب الخلاف و
کذلک یفعل فی کتاب خلاف ابی حنیفه وابن
ابی لیلی فانه احیانا یقول برای ابن ابی لیلی بعد
ذکر الرایین و محمد رحمه الله یحکی فی کتبه
اقوال الامام و اقوال ابی یوسف و اقواله مصرحا

بالخلاف علی انہ لو کان کما قالوا لم یکن ما رجع عنہ من الاراء مذھبا لہ۔ ومن الثابت ان ابا یوسف و محمدا رجعا عن آراء کثیرۃ رآھا الامام لما اطلعوا علی ما عند اھل الحجاز من الحدیث، فالمحقق تاریخیا ان ائمہ الحنفیہ الذین ذکرناھم بعد ابی حنیفہ رحمہ اللہ لیسوا مقلدین لہ لان التقلید لم یکن نشاء فی المسلمین فی ذلک التاریخ بل کان المفتون مستقلین فی الفتوٰی بناء علی ما یظھر لھم من الادلہ سواء علیھم اخالفوا معلمیھم ام وافقوھم ولم تکن نسبہ ابی یوسف و محمد الی ابی حنیفہ الاکنسبہ الشافعی الی مالک"۔ ۲۳۸

"یہ چار فقہاء وہ ہیں جن سے عراقیوں کا مذہب (فقہ) پھیلا اور لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا اور ابو یوسف و محمد کو بنی عباس کے دربار سے جو خصوصی تعلق تھا اس نے ان چاروں کے اقوال کو دوسرے اہل حدیث کے اقوال پر اولیت اور امتیاز عطا کیا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں مسائل فقہیہ کو وضع کرنے اور ان کے جوابات دینے میں بڑی فضیلت حاصل تھی اور ان کی نسبت ابو حنیفہ کی طرف ایسی نہیں تھی جیسی ایک مقلد کی اپنے امام سے ہوتی ہے بلکہ ان کا باہمی تعلق استاد و شاگرد کا تھا اور جن نصوص و اصول کے مد نظر وہ فتوے دیتے تھے ان پر وہ قائم تھے اس تلمذ کے باوجود۔ چنانچہ یہ حضرات اپنے استاد کے فتوے پر ہی نہیں

رک جاتے تھے بلکہ اگر ان سے اختلاف کا موجب ان پر ظاہر ہو جاتا ہے
تو وہ امام کی مخالفت کرتے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں
چاروں اماموں کے اقوال ان کے دلائل کے ساتھ ملتے ہیں اور کبھی کبھی
تو ایک ہی مسئلے میں چار قول ملتے ہیں ابوحنیفہ کا قول، ابو یوسف کا
قول، محمد کا قول اور زفر کا قول اور ان قوال کی بنیاد ان فقہاء پر ظاہر ہونے
والے نصوص حدیث اور معانی ہیں اور بعض حنفی فقہاء نے یہ کوشش
کی ہے کہ ان چاروں کے مختلف اقوال کو امام کے قول قرار دیں اور یہ
کہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ان سے رجوع کر لیا تھا لیکن یہ ان ائمہ کی
تاریخ سے شدید غفلت کا نتیجہ ہے اور اس سے بھی عدم واقفیت کی دلیل
ہے جو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، کیونکہ ابو یوسف اپنی کتاب
الخراج میں ابوحنیفہ کی رائے بیان کرتے ہیں پھر اپنی رائے اس وضاحت
کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ وہ ابوحنیفہ کے خلاف ہے اور سبب
اختلاف بھی بتاتے ہیں اور ان کا یہی رویہ اس کتاب میں بھی ہے جو
انہوں نے ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے خلاف لکھی ہے اور کبھی ایسا بھی
ہوتا ہے کہ ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی رائے لکھنے کے بعد ابن ابی لیلیٰ کی
حمایت میں لکھتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ اپنی کتابوں میں ابوحنیفہ اور ابو
یوسف اور اپنے اقوال لکھتے ہیں اس وضاحت کے ساتھ کہ وہ ان دونوں
کے خلاف ہیں تو اگر ان لوگوں کی رائے صحیح ہوتی جو کہتے ہیں کہ یہ تمام
اقوال ابوحنیفہ کے ہیں جن سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا تو ان کا علیحدہ
مذہب نہ ہوتا۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں

نے ابو حنیفہ کی اکثر آراء کو ترک کر دیا تھا وہ احادیث جاننے کے بعد جو
اہل حجاز کے پاس تھیں اور تاریخی طور پر یہ طے شدہ امر ہے کہ جن ائمہ
احناف کا ذکر ہم نے ابو حنیفہ کے بعد کیا ہے وہ ابو حنیفہ کے مقلد نہیں
تھے کیونکہ تاریخ اسلام کے اس عہد تک تقلید رائج نہیں ہوئی تھی بلکہ
وہ مستقل طور پر خود مفتی تھے جن کے فتوؤں کی بنیاد وہ دلائل تھے جو ان
کے سامنے تھے اور نہ ہی وہ اس کی پرواہ کرتے تھے کہ ان کا فتویٰ استاد
کے خلاف ہے یا موافق۔ لہٰذا ابو یوسف اور امام محمد کی نسبت ابو حنیفہ
سے ویسی ہی ہے جیسے شافعی کی مالک سے۔ (یعنی امام شافعی شاگرد ہیں
امام مالک کے اور فقہ مالکی علیحدہ ہے اور فقہ شافعی علیحدہ ہے)"

اس اقتباس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ فقہ حنفی کی بنیاد زیادہ تر امام ابو یوسف و امام محمد کے فتاویٰ پر ہے اور یہ دونوں حضرات کثرت سے امام ابو حنیفہ کی مخالفت میں فتویٰ دیتے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ فقہ حنفی میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں تھی کہ وہ دوسری فقہوں پر چھا جاتی بلکہ اس کی قبولیت کا سبب بنو عباس کے دربار سے وابستگی تھی۔

امام ابو حنیفہؒ خود مقلد تھے

دوسری بات یہ کہ امام ابو حنیفہ خود مقلد تھے خود مستقل مجتہد نہیں تھے اس کی تائید میں ہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جو باوجودیکہ فقہ حنفی چھوڑ کر فقہ مالکی کے پیروکار ہو گئے تھے پھر بھی برصغیر میں فقہ حنفی کی تقلید کو واجب سمجھتے تھے وہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"امام ابوحنیفہ" ابراہیم نخعی اور ان کے ہم خیال علمائے تابعین کے مسلک پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے اور شاید ہی کبھی اس سے انحراف کرتے ہوں۔ اس مسلک کی بنیادوں پر مسائل کی تخریج کرنے میں انہیں بڑا کمال حاصل تھا، تخریج کے طریقوں میں وہ انتہائی دقت نظر سے کام لیتے تھے اور انہوں نے اپنی پوری توجہ جزئیات کی توضیح اور استنباط میں لگا رکھی تھی اگر تم ہماری اس بات کی تصدیق چاہتے ہو تو امام محمد کی کتاب الاثار، عبدالرزاق کی جامع اور ابوبکر ابن ابی شیبہ کی مصنف میں سے ابراہیم نخعی کے اقوال چن کر جمع کرلو پھر امام ابوحنیفہ کے مذہب سے ان کا مقابلہ کرو تو تم دیکھوگے کہ سوائے چند مقامات کے کہیں بھی ان کا قدم ابراہیم نخعی کے جادۂ فقہی سے ہٹ کر نہیں پڑتا۔ اور وہ چند مقامات بھی ایسے نہیں ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ان میں کوئی اپنی الگ راہ نکالی ہو بلکہ ان میں بھی دیگر فقہائے کوفہ میں سے کوئی نہ کوئی ان کے سامنے موجود ہے۔" ۲۳۹

اور جو شخص قرآن و حدیث پر عبور نہ رکھتا ہو وہ فتوے کا اہل ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ ہم نے اوپر علامہ خضری کے حوالے سے لکھا ہے کہ اہل حجاز کی احادیث امام محمد اور امام ابویوسف کو پہنچیں تو انہوں نے امام ابوحنیفہ کے فتاویٰ سے رجوع کرلیا کیونکہ ان کے فتاویٰ احادیث کے خلاف تھے۔ ذیل میں ہم امام محمد بن حسن اور امام شافعی کی گفتگو کا ایک حصہ نقل کرکے بحث کو ختم کرتے ہیں۔ امام محمد بن حسن فقہ حنفی کے مدون اور امام ابوحنیفہ کے ممتاز شاگرد ہیں آپ امام مالک کی خدمت میں تین سال تک رہے اور ان سے موطا کی سماعت کی ایک روز امام محمد اور امام

شافعی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ امام محمد نے کہا ہمارے استاذ (ابو حنیفہ) اور مربی آپکے استاذ (امام مالک) سے بڑے عالم ہیں انہیں (ابو حنیفہ کو) چپ نہیں ہونا چاہئے اور انہیں (امام مالک کو) بولنا نہیں چاہئے۔۔۔ گویا وہ اشارتاً امام شافعی سے بھی یہی بات کہہ رہے تھے۔ امام شافعی نے کہا : میں آپ کو قسم دے کر پوچھ رہا ہوں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو زیادہ جاننے والا کون ہے مالک یا ابو حنیفہ؟ امام محمد نے کہا امام مالک لیکن امام ابو حنیفہ فکر و قیاس میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ امام شافعی نے کہا ہاں یہ صحیح ہے اور امام مالک کتاب اللہ کو ابو حنیفہ سے زیادہ جاننے والے ہیں اس لئے جو کتاب و سنت کو زیادہ جاننے والا ہو اسے گفتگو کرتے رہنے کا حق زیادہ ہے امام محمد بن حسن یہ سنکر خاموش ہو گئے۔۔۔ ۲۴۰

ان تمام گزارشات سے ہمارا مقصد کسی کو اس کے مقام سے گھٹانا یا بڑھانا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد تحقیق ہے اور اس تحقیق کی غرض و غایت بھی محض یہ ہے کہ فقہ حنفی کے ماننے والے حقیقت حال سے آگاہ ہوں۔ آگہی اور علم تقلید محض کی ضد ہیں اور ساتھ ہمیشہ "علم" اور تحقیق کا دینا چاہئے۔ علمی دنیا میں اس مقولے کی کوئی حیثیت نہیں کہ "ہمارے آباء و اجداد بھی یہی کرتے تھے لہٰذا ہم بھی یہی کرتے ہیں۔"

امام مالکؒ اور فقہ مالکی

ان کا نام ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمر بن الحارث ابن عثمان بن خثیل بن عمر بن الحارث (ذو اصبح من حمیر بن سباء) ہے اور یہ یمنی قبیلہ ہے اور ان کی والدہ عالیہ بنت شریک الازدیہ ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے والد اور والدہ دونوں عربی النسل ہیں۔

لیکن بہت سے علماء نے ان کے اس نسب نامے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ عربی نہیں تھے بلکہ موالی بنی تیم بن مرہ میں سے تھے۔ امام مالک کے استاد ابن شہاب الزہری کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک کے چچا نافع بن مالک نے بتایا کہ وہ لوگ بنی تیم کے موالی میں سے ہیں۔۲۴۱۔ ابن عبدالبر نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ان محمد بن اسحاق الواقدی زعم ان مالکا و اباہ و جدہ و اعمامہ موالی لبنی تیم بن مرۃ و ھذا ھو السبب فی تکذیب مالک لمحمد بن اسحاق و طعنہ علیہ"۔۲۴۲ محمد بن اسحاق الواقدی نے دعویٰ کیا ہے کہ مالک' ان کے والد' ان کے دادا اور چچا وغیرہ بنی تیم بن مرہ کے غلام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ واقدی امام مالک تکذیب کرتے ہیں اور ان پر طعن کرتے ہیں۔ ہم اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک امام مالک نے یہ سلسلہ نسب محض گڑھ لیا تھا ورنہ وہ بنی تیم بن مرہ کے موالی میں سے تھے۔۔۲۴۳

ایک اور بات جو امام مالک کے بارے میں کہی گئی ہے وہ یہ کہ آپ کی مدت حمل غیر فطری بیان کی گئی ہے بعض نے ۲ سال بعض نے ۳ سال اور بعض نے ۴ سال تک بیان کی ہے۔۲۴۴۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے بعض احناف اور مالکی فقہاء نے زیادہ سے زیادہ مدت حمل دو سال قرار دی ہے اور وہ اپنے فتاویٰ پر قائم ہیں۔ اگر اس فتوے کو مان لیا جائے تو اس عہد میں "زنا" جیسے حرام فعل کا دروازہ کھل جائے گا۔ آج کل لوگ تلاش معاش میں سالہا سال کے لئے بیرون ممالک چلے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ شوہر کو خبر ملی کہ دو سال بعد جب وہ گھر واپس جانے والا ہے تو وہ چند دن کے بچے کا باپ بھی ہو گا۔ اگر الزام لگایا تو بیوی کہہ دے

گی کہ امام مالک دو سال کے پیدا ہو سکتے ہیں تو یہ بچہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ جب کہ طب جدید و قدیم میں طے شدہ امر ہے کہ مدت حمل نو ماہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر امام مالک کا حمل دو سال قرار دے دیں تو ان کی ماں کا کیا رتبہ متعین ہو گا؟ ہم ان باتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

آپ کی ولادت بقول مورخین ۹۰ھ یا ۹۳ھ یا ۹۴ھ یا ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کے پردادا ابی عامر کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ صحابی تھے اور سب سے پہلے مدینہ تشریف لائے لیکن علماء نے ان کے صحابی ہونے کی نفی کی ہے۔ محدث ذہبی فرماتے ہیں "لم ار احدا من ذکرہ فی الصحابہ" ۲۲۵۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہو۔ درست یہ ہے کہ امام مالک کے دادا مالک بن ابی عامر سب سے پہلے مدینہ تشریف لائے اور وہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

ان کے خاندان کا "علم" سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا نہ جانے سید تقی ندوی صاحب نے کس بناء پر لکھ دیا ہے کہ "امام مالک کے خاندان کا جس طرح دینی علمی لحاظ سے ایک ممتاز مقام تھا۔۔۔۔۔" ۲۲۶۔ حالانکہ امام مالک نے اپنے والد سے صرف ایک روایت نقل کی ہے اس کو بھی علماء نے جعلی روایت قرار دیا ہے وہ روایت یہ ہے "مالک عن ابیہ عن جلہ عن عمر بن الخطاب عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ انہ قال ثلاث یفرح لھن الجسد فیربو علیھن : الطیب' والثوب اللین و شرب العسل" یعنی مالک نے اپنے والد سے' اپنے جد سے' عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تین چیزوں سے جسم کو

فرحت ملتی ہے ان کے لئے کوشاں رہو۔ خوشبو، نرم کپڑا اور ماء العسل۔ ۲۴۷

امام مالک کے خاندان میں صرف دو پڑھے لکھے حضرات کا پتہ چلتا ہے ایک ان کے چچا نافع بن مالک بن ابی عامر الاصبحی ابو سہیل المتوفی ۳۵-۳۴ھ۔ یہ ابن عمر اور انس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بھتیجے مالک اور ابن شہاب الزہری روایت کرتے ہیں لیکن ان سے بہت زیادہ روایات منقول نہیں اور دوسرے انہیں کے بھائی النضر بن انس وہ اپنے والد سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوبکر المزنی نے روایت کی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بھائی نضر کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

عالم مدینہ

مالکیوں نے جامع ترمذی کی ایک روایت کی بناء پر آپ کو آنحضرت کی بشارت کا مصداق قرار دیا ہے وہ روایت یہ ہے۔

"حدثنا الحسن بن الصباح البزاز و اسحق بن موسی الانصاری قالا سفیان بن عینیه عن ابن جریج عن ابی الزبیر عن ابی صالح عن ابی هریره روایه یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینه هذا حدیث حسن صحیح"۔ ۲۴۸

"(جامع الترمذی) یعنی حدیث بیان کی ہم سے الحسن بن الصباح البزاز نے اور اسحاق بن موسیٰ الانصاری نے ان دونوں سے سفیان بن عینیہ نے، جریج نے ان سے ابی زبیر نے ان سے ابی صالح نے ان

سے ابو ہریرہ نے روایت کی کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ طلب علم کے لئے اپنے اونٹوں کو سینے پر چابک مار مار کر بھگائیں گے لیکن وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں پائیں گے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

امام ترمذی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"وهو حديث ابن عيينه و قد روى عن ابن عيينه انه قال في هذا من عالم المدينه انه مالك بن انس قال اسحق بن موسى و سمعت ابن عيينه قال هو العمرى الزاهد و اسمه عبدالعزيز بن عبدالله وسمعت يحيى بن موسىٰ يقول قال عبدالرزاق هو مالك بن انس" ۲۴۹ے

"یہ ابن عیینہ کی حدیث ہے اور روایت کیا گیا ہے ابن عیینہ سے کہ انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں عالم مدینہ سے مراد مالک بن انس ہیں اور اسحاق بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ کو کہتے سنا کہ اس سے مراد عمری الزاہد ہیں جن کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ تھا اور میں نے یحییٰ بن موسیٰ کو کہتے سنا کہ عبدالرزاق کہتے تھے کہ اس سے مراد مالک بن انس ہیں۔"

"قال ابن ابى الحوت فى اسنى المطالب : خبر (ابى حنيفه سراج امتى) موضوع باطل، ولم يرد فى احد من الائمه نص لا صحيح ولا ضعيف

کخبر (عالم قریش یملا طباق الارض علما) و حمل علی الشافعی، وکنا خبر : یکاد یضرب الناس اکباد الابل----- الحدیث، سمعته من المالکیه ولم اره، وحمل علی مالک ویظهر علیه التکلیف" ۲۵۰

"ابن ابی الحوت کہتے ہیں کہ یہ روایت ابو حنیفہ میری امت کے چراغ ہیں من گھڑت اور باطل ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی صحیح یا ضعیف حدیث کے طور پر یہ نقل نہیں کیا جیسا کہ خبر میں ہے کہ قریش کا ایک عالم زمین کے طبقات کو علم سے پر کردے گا اور اس سے مراد شافعی ہیں۔ اسی طرح ایک روایت امام مالک کے لئے ہے عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ اونٹ کے سینوں پر ماریں گے----- الحدیث۔ میں نے اسے مالکیوں سے سنا ہے لیکن کسی کتاب میں دیکھا نہیں۔ لوگوں نے اسے مالک پر محمول کیا ہے اور ایسا کرنے میں جو دشواری ہوگی وہ ظاہر ہے۔"

ایک تو یہ روایت مرسل ہے یعنی ابو ہریرہ نے آنحضرت کا نام سند میں نہیں لیا ہے، دوسرے یہ کہ اس سلسلہ سند میں ایک راوی ابو زبیر موجود ہے جس کی وثاقت پر علمائے رجال نے کلام کیا اور اس پر بعض طعن وارد کئے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت درست نہیں پھر یہ کہ امام مالک کے عہد میں مدینہ میں امام مالک کے شیوخ موجود تھے جن کے سامنے امام مالک طفل مکتب سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے مثلاً۔
(۱) زید بن اسلم المتوفی سن ۱۳۶ھ امام مالک کے استاد ہیں۔ (۲) ابو حازم سلمہ

بن دینار المتوفی سن ۱۴۰ھ یہ بھی امام مالک کے شیخ ہیں۔ (۳) صفوان بن سلیم المتوفی ۱۳۲ھ یہ بھی مالک کے استاد ہیں۔ (۴) عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المتوفی سن ۱۷۴ھ یہ بھی مالک کے استاد ہیں۔ (۵) عبداللہ بن ذکران المتوفی ۱۳۱ھ یہ امام مالک کے شیخ ہیں۔ (۶) ربیعہ الرای المتوفی سن ۱۳۶ھ امام مالک ان کے بھی شاگرد ہیں۔ (۷) یحییٰ بن سعید بن قیس المتوفی سن ۱۴۳ھ۔ (۸) ابوالحارث محمد بن عبدالرحمٰن المتوفی ۱۶۰ھ۔ یہ دونوں بھی امام مالک کے استاد ہیں اور ابوالحارث کے لئے تو کہا گیا ہے کہ وہ مالک سے افضل تھے اور سعید بن المسیب کے مثل تھے۔ (۹) محمد بن مسلم الزہری المتوفی سن ۱۲۴ھ یہ بھی امام مالک کے استاد ہیں ایسے جلیل القدر علماء کی موجودگی میں امام مالک کو کیسے اس حدیث کا مصداق سمجھا جا سکتا ہے۔

امام مالکؒ کا حلقہ درس اور شاگردوں سے سلوک

ہم گزشتہ صفحات میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے حلقہ درس کی کیفیت لکھ آئے ہیں۔ امام مالک کا حلقہ درس شاہانہ ہوتا تھا کیونکہ آپ کی پشت پر امراء اور حکام وقت تھے۔ اس موضوع پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے سردست امام مالک کے حلقہ درس کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔ علامہ سلیمان ندوی برصغیر کے ایک وسیع النظر عالم گزرے ہیں وہ اپنی کتاب میں حلقہ درس کی یوں تصویر کشی کرتے ہیں۔ جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکا ہوتا تھا' طلبہ کا ہجوم' مستفتیوں کا اژدہام' امراء کا ورود' علماء کی تشریف آوری' سیاحوں کا گزر' حاضرین کی مئودب نشست در خانہ پر سواریوں کا انبوہ' دیکھنے والوں پر رعب

و وقار طاری کر دیتا تھا۔۲۵۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ : امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پر تکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ رہتی تھی جب حدیث نبویؐ کے املاء کا وقت آتا تو پہلے وضو یا غسل کر کے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک پہنتے' بالوں میں کنگھی کرتے' خوشبو لگاتے اور اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لئے باہر تشریف لاتے۔۲۵۲۔ عہد حاضر کے مشہور مؤرخ فقہ شیخ خضری بک نے واقدی کی زبانی امام مالک کی مجلس درس کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔

"قال الواقدی وغیرہ کان مجلس مالک مجلس وقار و حلم وکان رجلا مهیبا نبیلا لیس فی مجلسه شئی من المراء و اللغط ولا رفع صوت اذا سئل عن شئی فاجاب سائله لم یقل له من این رایت هذا؟ وکان له کاتب قد نسخ کتبه یقال له حبیب یقر اللجماعه فلیس احد ممن حضر یدنو منه ولا ینظر فی کتابه ولا یستفهمه هیبه و اجلالا و کان حبیب اذا اخطاء فتح علیه مالک ولم یکن یقرا کتبه علی احد و هذه هی عادته الا ان یحیی ابن بکیر ذکر انه سمع الموطا من مالک اربع عشرة مرة و زعم ان اکثر ها بقراۃ مالک و بعضها بالقراءة علیه"۔۲۵۳

"ہم اس کا ترجمہ خود کرنے کی بجائے مشہور دیوبندی عالم محمد تقی عثمانی

کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں : واقدی وغیرہ نے کہا ہے امام مالک کی
مجلس وقار و حلم کی مجلس تھی صاحب ہیبت اور رعب داب والے تھے
ان کی مجلس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ ہنگامہ اور نہ آواز بلند ہوتی تھی
جب کسی بات کا آپ سے سوال کیا جاتا تو سائل کو جواب دے دیتے تھے
اور وہ سائل یہ تک نہ پوچھتا تھا کہ اس مسئلے کا ماخذ کیا ہے۔ آپ کے
پاس ایک کاتب حبیب نامی تھے جو آپ کی کتابیں لکھتے اور لوگوں کو پڑھ
کر سنایا کرتے تو حاضرین میں سے کوئی نہ ان کے قریب آتا نہ ان کی
کتاب میں دیکھتا اور نہ کوئی ان کی ہیبت کی وجہ سے کچھ دریافت کرتا
البتہ اگر حبیب کہیں غلطی کرتے تو خود امام مالک ان کو بتاتے اور ان کی
عادت تھی کہ وہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر سناتے نہیں تھے لیکن یحییٰ بن
بکیر کہتے ہیں کہ میں نے موطا امام مالک سے چودہ بار سنی ہے اور ان کا
دعویٰ ہے کہ اکثر مرتبہ تو خود امام مالک نے پڑھا ہے اور بعض مرتبہ خود
یحییٰ بن بکیر نے پڑھا ہے۔" ۲۵۴

امام شافعی امام مالک کے مشہور شاگرد ہیں ہم ان کا ایک واقعہ قارئین کی
خدمت میں پیش کرتے ہیں : امام شافعی مکہ کے والی کا ایک سفارشی خط لے کر
مدینہ کے والی کے پاس پہونچے جس میں ان سے حسن سلوک کی سفارش تھی اور
انہیں امام مالک کی خدمت میں پہنچانے کا حکم تھا۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ میں یہ
خط لے کر والی مدینہ کے پاس پہنچا' والی نے خط پڑھ کر کہا : اے نوجوان مکہ تک
پیدل سفر کرنا میرے لئے آسان تر ہے مالک بن انس کے دروازے تک جانے
سے' مجھے آج تک کبھی خفت محسوس نہیں ہوئی مگر ان کے دروازے پر۔ شافعی

کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے امیر اللہ آپ کو سلامت رکھے اگر مناسب سمجھیں تو ان کے پاس حاضری کی غرض سے چلیں۔ امیر نے کہا ہاں چلو شاید ہم اپنی مراد کو پہنچیں پس ہم لوگ سوار ہو کر ان کے گھر پہنچے قسم بخدا جیسا کہ والی مدینہ نے کہا تھا ہم نے ویسی ہی صورت حال پائی' ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک کالی سی لونڈی بر آمد ہوئی۔ والی مدینہ نے کہا اپنے آقا سے کہو کہ میں ان سے ملنے آیا ہوں' وہ اندر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آکر کہا کہ آقا آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو کاغذ پر لکھ کر بھیج دو میں جواب بھیج دوں گا اور اگر تم کوئی حدیث سننا چاہتے ہو تو مجلس درس کا دن تمہیں معلوم ہی ہے لہٰذا واپس چلے جاؤ' والی نے کہا کہ ان سے جا کر کہو کہ میرے پاس والی مکہ کا ایک اہم پیغام ہے جو میں آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ لونڈی اندر گئی اور تھوڑی دیر میں ایک کرسی لا کر والی کے لئے بچھا دی پھر مالک تشریف لائے ان پر بہت رعب موجود تھا پس والی مدینہ نے وہ پیغام ان کو پیش کیا۔ ۲۵۵

علامہ ابن عبد البر تحریر کرتے ہیں۔

"قال اسماعیل الفزاری : دخلت علی مالک و سالته ان یحدثنی فحدثنی اثنی عشر حدیثا ثم امسک فقلت : زدنی اکرمک اللہ' وکان لہ سودان قیام علی راسہ فاشار الیھم فاخرجونی من دارہ"

"اسماعیل الفزاری کہتے ہیں کہ میں امام مالک کے پاس گیا اور ان سے حدیثیں سنانے کی درخواست کی امام مالک نے مجھے بارہ حدیثیں سنائیں پھر خاموش ہو گئے تو میں نے عرض کی اللہ آپکی عزت میں اضافہ فرمائے

مزید ارشاد فرمایئے۔ یہ سنتا تھا کہ اپنے سرہانے کھڑے ہوئے حبشیوں کو ایک اشارہ کیا اور انہوں نے مجھے گھر سے باہر نکال دیا۔۔۔" ۲۵۶

ایک اور واقعہ لکھ کر ہم اس بحث کو تمام کرتے ہیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں :

"ویحدثنا ابوبکر بن عبداللہ الصنعانی قال : اتینا مالک بن انس فحدثنا عن ربیعہ الرای فکنانستزیدہ فقال لنا ذات یوم : ما تصنعون بربیعہ وھو قائم فی ذاک الطاق؟ فاتینا ربیعہ فقلنا : کیف یحظی بک مالک ولم تحظ انت بنفسک؟ فقال : اما علمتھم ان مثقالا من دولہ خیر من حمل علم" ۲۵۷

"ابوبکر بن عبداللہ الصنعانی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک کے پاس آئے ہم لوگ ربیعہ الرائی کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے تھے اور ان کی بہت تعریف کیا کرتے تھے ایک روز امام مالک نے ہم سے کہا تم ربیعہ کی کیا بات کرتے ہو وہ تو وہاں طاق میں بیٹھا ہے پھر ہم ربیعہ کے پاس آئے اور کہا مالک آپ کے مقابلے میں کتنی بہتر حالت میں ہیں اور مرتبے پر فائز ہیں لیکن آپ اپنے آپ سے بھی نفع نہیں اٹھاتے' یہ سن کر ربیعہ الرائی نے کہا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دولت کا بوجھ علم کے بوجھ سے زیادہ ہوتا ہے۔۔۔ واضح رہے کہ ربیعہ الرائی استاد ہیں امام مالک کے۔"

ہمارے خیال میں امام مالک کے بارے میں جو باتیں ہم نے لکھ دی ہیں قارئین ان سے خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ امامت کبریٰ پر فائز ہونے کے وہ کس قدر حقدار تھے۔

امام مالک کی فقاہت

امام ابو حنیفہ کے بارے میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ خود مجتہد نہیں تھے بلکہ ان کے فتاویٰ ابراہیم نخعی سے ماخوذ تھے یہی حال امام مالک کا بھی ہے' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ائمہ اربعہ پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

جو شخص بھی ان مذاہب کے اصول و امہات پر اطلاع رکھتا ہو اس بارے میں شک نہیں کرے گا کہ ان کے مذاہب کی اصل حضرت عمر فاروق کے اجماعی مسائل ہیں اور یہ ان تمام مذاہب کے درمیان مشترک سی چیز ہے اس کے بعد اہل مدینہ میں سے فقہائے صحابہ جیسے ابن عمر اور حضرت عائشہ اور کبار تابعین مدینہ میں سے فقہائے سبعہ اور صغار تابعین مدینہ میں سے زہری اور ان جیسے حضرات پر اعتماد مالک کے مذہب کی بنیاد ہے جس سے ان کے مذہب کی ایک خاص صورت پیدا ہو گئی۔۲۵۸۔ فقہائے سبعہ درج ذیل افراد ہیں سعید بن المسیب م ۹۴ھ ' عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود م ۹۸ھ ' عروہ م ۹۴ھ ' قاسم بن محمد بن ابی بکر م ۱۰۸ھ ' ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام ۹۴ھ ' سلیمان بن یسار م ۱۰۹ھ ' خارجہ بن زید م ۱۰۹ھ۔۲۵۹۔ یہ حضرات اپنے زمانے میں علم و فقہ کا مرکز تھے اور مسلک امام مالک کا انحصار انہیں فقہاء پر ہے۔

امام مالک اقوال حضرت عمرؓ کے اس قدر شیدائی ہیں کہ قرآن مجید کی محکم

آیت کے خلاف بھی فتویٰ دے دیتے ہیں۔ شیخ خضری بک امام مالک کے مصالح مرسلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ومثال ذلک الضرب بالتهمه للاستنطاق بالسرقه قد قال بجوازه مالک ویخالفه غیره لان هذهٖ مصلحه تعارضها اخری وهی مصلحه المضروب لانه ربما یکون بریئا و ترک الضرب فی مذنب اهون من ضرب بری فان کان فیه فتح باب یعسر معه انتزاع الاموال ففی الضرب فتح باب الی تعذیب البری ء۔ ومن ذلک المفقود زوجها اذا اندرس خبر موته و حیاته وقد انتظرت سنین و تضررت بالعزوبه و المراة تباعد حیضها سنین و تعوقت عدتها فی النکاح و بقیت ممنوعه من النکاح اخذ مالک برای عمر فیهما فقال تنکح زوجه المفقود بعد اربع سنین من انقطاع الخبر و تعتد الممتد طهرها بثلاثه اشهر بعد ان یمر علیها مدة الحمل و هی تسعه اشهر فالمجموع سنه راعوا فی الاولی مصلحه الزوجه ولم یراعوا مصلحه الزوج الغائب وراعوا فی الثانیه مصلحه الزوجه مع المخالفه للنص الصریح وهو قوله تعالٰی والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثه قروء وهی لم

تصل بعد السن الیاس حتی تعتد بالاشھر۔"۲۶۰
"اس کی مثال چوری کا اقرار کرانے کے لئے کسی شخص کو سزا دینے کی ہے جس کے جواز کے امام مالک قائل ہیں لیکن دوسرے علماء ان کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ یہ ایسی مصلحت ہے کہ دوسری مصلحت اس کی معارض ہے اور وہ مصلحت اس شخص کی ہے جسے مارا جائے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ بری ہو اور گناہ گار کو نہ مارنا ایک برے شخص کو مارنے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح مال برآمد نہ ہوگا تو دوسری طرف ایک بے گناہ کو مارنے کا دروازہ کھل جائے گا اور اسی طرح مفقود الخبر کا مسئلہ ہے کہ جب اس کی موت و حیات کی خبر معلوم نہ ہو اور وہ کئی سال انتظار کرے اور شوہر کی علیحدگی کی مضرت برداشت کرے اور وہ عورت جس کا حیض کئی سال سے بند ہے اور نکاح کے لئے اس کی عدت رک گئی ہے اور وہ نکاح نہ کر سکی تو امام مالک نے ان دونوں صورتوں میں حضرت عمر کی رائے کو لیا کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال بعد نکاح کرلے اور دوسری عورت مدت حمل (نوماہ) گزرنے کے بعد تین ماہ عدت میں بیٹھے تو مجموعہ ایک سال ہوا۔ پہلی صورت میں بیوی کی مصلحت کا خیال رکھا شوہر کی غایت کا خیال نہ رکھا اور دوسری میں بھی زوجہ ہی کی مصلحت کا خیال رکھا باوجودیکہ نص قرآنی اس کے مخالف ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثہ قروء" مطلقہ عورتیں تین ایام ماہواری تک انتظار کریں اور یہ دوسری عورت ابھی سن یاس کو نہیں پہنچی کہ مہینوں

کے اعتبار سے عدت گزارے۔

اب ناظرین خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ قرآنی آیت کی مخالفت میں فتویٰ دینے والے کو کیسے فقیہ' مجتہد یا امام مانا جاسکتا ہے؟ جناب مالک بن انس کی مجلس درس شاہانہ' روش مقلدانہ اور استنباط معارضانہ تھا لہٰذا انہیں کوئی نسبت امام صادقؑ سے نہیں ہوسکتی۔ سوائے اس کے کہ مالک بن انس نے تھوڑا سا عرصہ امام صادقؑ کے پاس گزارا اور ان کی شاگردی قبول کی۔

امام شافعی اور ان کا مذہب

عالم اسلام میں اس وقت جو مختلف مسالک فقہ رائج ہیں ان میں سے ایک مسلک امام شافعی کا بھی ہے کیونکہ یہ شاگرد ہیں امام مالک کے اور امام مالک شاگرد تھے امام جعفر صادقؑ کے اس لئے یہ بالواسطہ امام صادقؑ کے شاگرد ہوئے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں علامہ عبدالحلیم الجندی کے حوالے سے لکھ آئے ہیں۔ بناء برایں ان کے مذہب کا مختصر سا تعارف ضروری تھا نیز یہ کہ فقہ جعفری کے ساتھ ساتھ بلاد اسلامیہ میں سے بعض میں کیونکہ یہ مسلک بھی رائج ہے اس لئے اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

ان کا نام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب ابن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف تھا ان کی پیدائش ۱۵۰ھ میں جمعہ کے روز رجب کی آخری تاریخ میں ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ اس روز پیدا ہوئے جس روز امام ابو حنیفہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی جائے ولادت کے بارے میں بھی اختلاف ہے کسی نے کہا ہے کہ غزہ

میں پیدا ہوئے کسی نے عسقلان' کسی نے یمن اور کسی نے مکہ میں آپ کی ولادت قرار دی ہے۔ البتہ ان کی وفات ۲۰۴ھ میں مصر میں ہوئی اور لوگ کاندھوں پر آپ کی میت کو فسطاط سے لائے یہاں تک کہ مقبرہ بنی زہرہ میں آپ کو دفن کیا گیا یہ جگہ تربہ ابن عبد الحکم بھی کہلاتی ہے۔۲۶۱۔ آپ کی عمر بوقت وفات ۵۴ برس تھی۔

گو کہ بعض حنفی اور مالکی علماء نے ان کے خاندان قریش سے ہونے کی نفی کی ہے اور انہیں اس خاندان کا غلام بتایا ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ درست نہیں ان کی والدہ کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ وہ ازدی تھیں اور ان کی کنیت ام حبیبہ تھی جیساکہ الساجی' الابری' البیھقی' الخطیب البغدادی اور الاردستانی وغیرہ نے بیان کیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی والدہ اسدی تھیں اور اس کی دلیل امام شافعی سے منقول ایک قول ہے کہ جب وہ مصر آئے تو بہت سے حضرات نے انہیں اپنے پاس ٹھہرنے کی پیش کش کی لیکن انہوں نے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے خالہ زادوں اسدیوں کے یہاں ٹھہروں گا پس وہ وہیں ٹھہرے۔۔ ۲۶۲

مادری نسب نامہ یوں بیان کیا جاتا ہے فاطمہ بنت عبداللہ' یا عبید بن الحسین بن الحسن بن علی بن ابی طالب۔ امام فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور بیھقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور المقری نے اس کی نفی کی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فاطمہ بنت عبداللہ بن الحسن بن الحسین بن علی ابن ابی طالب تھیں یا عبداللہ المحض بن الحسن المثنی بن الحسن السبط کی صاحبزادی تھیں۔۔ ۲۶۳

امام شافعی کے والد ادریس کے ذکر سے تاریخ خاموش ہے اور کتب رجال میں ہم کوئی تذکرہ ان کا نہیں پاتے۔ ہاں اتنا ضرور ثابت ہے کہ شافعی کی ولادت سے قبل ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی والدہ نے حالت یتیمی میں ان کی پرورش کی۔ ان کے معاشی حالات بہت دگرگوں تھے۔

امام شافعی کے ماننے والوں نے بہت سی بے سروپا باتیں ان کے اثبات مناقب کے خیال سے لکھ ڈالی ہیں ہم آئندہ صفحات میں مختصراً ان کا جائزہ لیں گے۔

مکہ میں طلب علم

شافعی جب مکہ پہنچے تو صغیر السن تھے اور جب جوان ہوئے تو ان کی والدہ نے انہیں نقل نویسوں کے سپرد کردیا اسی دوران انہوں نے قرآن حفظ کیا' کتابت سیکھی' وہ حدیث اور قرآن سیکھنے کے بہت شائق تھے اور کبھی کھال پر لکھتے تو کبھی ہڈیوں پر ----- پھر انہیں ان کی والدہ نے برباد ہونے کے خوف سے گاؤں بھیج دیا یہ بنوہذیل میں رہنے لگے اور وہاں اشعار کو حفظ کرنا شروع کیا وہ انہیں کے ساتھ قیام کرتے اور انہیں کے ساتھ سفر کرتے' جب وہ مکہ واپس آئے تو ادب کے شہ پارے اور تاریخی واقعات ان کے برنوک زبان تھے' ان پر بدویت کا اثر غالب تھا اور بنوہذیل سے انہوں نے فصاحت سیکھی تھی۔ ۲۶۴۔ ابن کثیر کی روایت کے مطابق گاؤں میں ان کا قیام دس سال سے زائد تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ۲۰ سال وہاں قیام کیا۔ ۲۶۵۔ خود امام شافعی سے وہاں قیام کی مدت ۱۷ سال منقول ہے۔ ۲۶۶

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہذیل کے وہاں سے واپس آئے تو ان کی عمر کم از کم ۲۷ سال سے متجاوز اور ۳۱ سال کے درمیان تھی اور اس زمانے تک انہیں فقہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ امام شافعی فقہ کی طرف کیسے متوجہ ہوئے؟ اس کو خود امام شافعی کی زبانی سنئے وہ مکہ میں تعلیم کتابت اور حفظ قرآن کے ذکر کے بعد کہتے ہیں۔

"ثم انی اخرجت عن مکه فلزمت هذیلا فی البادیه اتعلم کلامها و آخذ طبعها و کانت افصح العرب فبقیت فیهم سبع عشرة سنه' ارحل برحیلهم و انزل بنزولهم' فلما رجعت الی مکه جعلت انشد

الاشعار واذكر الاداب والاخبار وايام العرب فمر بى رجلا من الزبيريين من بنى عمى، فقال لى : يا ابا عبدالله عز على ان لا يكون مع هذه اللغه وهذه الفصاحه والذكاء فقه" ۲۶۷

"پھر میں مکہ سے نکلا تو ھذیل کے قبیلے میں گاؤں چلا گیا تاکہ ان کا کلام سیکھوں اور ان کے طور طریقے اخذ کروں یہ لوگ عرب میں سب سے زیادہ فصیح تھے میں نے ان کے پاس ۱۷ سال گزارے میں سفر اور حضر میں ان کے ساتھ رہتا جب میں مکہ واپس آیا تو میں اشعار پڑھتا، ادب پاروں کا ذکر کرتا اور تاریخی واقعات و عرب کی لڑائیوں کے قصے سناتا، ایک روز میرے چچیروں یعنی زبیریوں میں سے ایک شخص میرے پاس سے گزرا تو اس نے کہا اے ابو عبداللہ مجھ پر یہ بات بہت شاق ہے کہ اس زبان آوری، فصاحت اور ذکاوت کے ساتھ فقہ موجود نہیں۔"

پس یہ سبب ہوا ان کے فقہ کی طرف متوجہ ہونے کا اور اس کے بعد انہوں نے مفتی مکہ مسلم بن خالد الزنجی کی خدمت میں رہنا شروع کیا۔ لیکن یہ مدت بہت ہی تھوڑی ہوگی کیونکہ الزنجی کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا ہے جس وقت امام شافعی کی عمر ۳۰ سال تھی اور وہ اسی عمر میں فقہ کی طرف متوجہ ہوئے شاید دو یا چار نشستیں مسلم بن خالد الزنجی کے ساتھ ہو سکی ہوں۔

الحمیدی نے جو یہ روایت کی ہے کہ میں نے مسلم بن خالد الزنجی کو کہتے سنا کہ "میں امام شافعی کے پاس سے گزرا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے اور اس وقت ان کی عمر محض ۱۵ سال تھی تو یہ دیکھ کر میں نے کہا ہاں تم اب بھی اس لائق ہو کہ فتویٰ

دے سکو۔" تو اس روایت کی کوئی اصل موجود نہیں۔

اولاً ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ ۳۰ سال کی عمر تک امام شافعی کو فقہ کا کچھ پتہ نہ تھا دوئم خطیب بغدادی نے الحمیدی کی یہ روایت لکھ کر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ولیس ذلک بمستقیم لان الحمیدی کان یصغر عن ادراک الشافعی وله تلک السن"۔ ۲۶۸ یہ روایت درست نہیں ہے کیونکہ الحمیدی شافعی کے سن کو کم کر کے بتانا چاہتے ہیں کہ ان کا اس وقت یہ سن تھا (حالانکہ ایسا نہیں)۔

ستائیس سے تیس سال کی عمر کے درمیان انہوں نے فقہ کی طرف توجہ کی یعنی ۱۷۸ یا ۱۸۰ھ میں جس سال مسلم بن خالد الزنجی مفتی مکہ کا انتقال ہوا چنانچہ ان کا تلمذ اختیار کرنا بھی محل نظر ہے بعد ازاں وہ امام مالک کے پاس ایک سفارشی خط لے کر گئے جیسا کہ ہم امام مالک کے بیان میں لکھ چکے ہیں اور یوں امام مالک کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے۔ امام مالک کا انتقال بھی ۱۷۹ھ میں ہوا ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ امام مالک کی خدمت میں وہ تقریباً ۴ سال رہے تو اسی دوران انہوں نے مسلم بن خالد الزنجی، سعید بن سالم الفتاح وغیرہ کی خدمت میں حاضری دی ہوگی۔ امام مالک کے انتقال کے بعد یعنی صرف چار سال پڑھنے کے بعد ان کی تعلیم پھر چھوٹ گئی کیونکہ انکے معاشی حالات بہت خراب تھے اور قریشیوں میں سے بعض نے والی یمن سے سفارش کی تو وہ اپنے ساتھ انہیں لے گیا اور کچھ کام ان کے سپرد کیا جس کی نوعیت کلرکوں کے کام کی سی تھی۔ شافعی ۵ سال تک یہی کام کرتے رہے۔ ۲۶۹۔ یعنی ۱۸۴ھ تک۔

امام شافعی بغداد میں

بغداد میں امام شافعی کی آمد ۳ مرتبہ ہوئی۔ پہلی دفعہ ۱۸۴ھ میں جب انہیں علویوں کی طرف میلان رکھنے کی وجہ سے یمن سے نکال کر بغداد لے جایا گیا۔ ان پر یہ الزام تھا کہ خلافت کے باغی علویوں سے یہ دوستی رکھتے اور لوگوں کو ان کے حق میں ابھارتے ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف سے مناظرے کئے یہ بھی غلط ہے کیونکہ ابو یوسف کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا اور امام شافعی بغداد ۱۸۴ھ میں آئے۔ ۲۷۰۔ ہارون رشید نے ان پر سخت گرفت کی تھی لیکن وہ اپنی دل پذیر گفتگو اور امام محمد بن حسن کی گواہی کی بناء پر چھوٹ گئے بلکہ ہارون نے انہیں انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ ۲۷۱۔ دوسری مرتبہ یہ ۱۹۵ھ میں اور تیسری مرتبہ ۱۹۸ھ میں بغداد آئے۔ عبداللہ بن محمد البلوی نے ان کے بغداد لائے جانے کے واقعہ کو بہت رنگ آمیزی سے بیان کیا ہے لیکن ابن حجر اور ابن القیم وغیرہ نے ان باتوں کی نفی کی ہے۔ ۲۷۲۔

امام شافعی مصر میں

مصر میں امام شافعی کا ورود ۱۹۸ھ میں ہوا اور وہ فسطاط کے علاقے میں محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کے مہمان کے طور پر ٹھہرے۔ محمد بن عبداللہ خود بہت بڑے عالم تھے اور انہیں دینی و دنیوی ریاست حاصل تھی اہل مصر ان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے لیکن امام شافعی اور محمد بن عبداللہ میں برادرانہ محبت کا رشتہ قائم ہو گیا اور انہوں نے امام شافعی کی مدد کرنی شروع کر دی اور مامون سے پہلے والی مصر عباس بن موسی العباس کے پاس یہی آپ کو لے گئے۔ مالکیوں نے امام شافعی کی

بہت قدر و منزلت کی وہ ہر بات پر کہتے کہ ہمارے استاد امام مالک نے یہ فرمایا۔ لیکن جب انہوں نے اپنی ایک مستقل رائے اختیار کی اور امام مالک کی رد میں کتاب لکھی تو لوگ ان کے خلاف ہوگئے اور انہیں مصر سے نکالنے پر تیار ہوگئے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعی پھر مکہ واپس آئے اور بعد میں ۲۰۰ھ میں واپس مصر گئے اس دوران آپ کی شہرت ہوئی اور متبعین میں بھی اضافہ ہوا اور حنابلہ نے آپ کو بہت ایذاء دی۔

اس بیان سے پتہ چل گیا ہوگا کہ امام شافعی نے ۷ سال سے ۳۰ یا ۳۱ سال کی عمر تک جو کچھ حاصل کرسکتے تھے حاصل کرلیا پھر وہ ۱۸۴ھ کے بعد کچھ عرصے امام محمد بن حسن کے پاس رہے اس دوران عراقی فقہ ان سے سنی اور بس پھر اس کے بعد خود ایک مسلک کے بانی بن گئے ماشاء اللہ اس امامت پر تو آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے۔

امام شافعی کی کتابیں

امام شافعی کی کتابوں میں کتاب الرسالہ اور کتاب الام مشہور ہیں۔ کتاب الرسالہ کا موضوع اصول فقہ و حدیث ہے اور یہ کتاب ان سے سن کر ربیع بن سلیمان نے تحریر کی ہے وہ سوال کرتے جاتے تھے اور امام شافعی جواب دیتے جاتے تھے انہیں جوابات کو قلم بند کرلیا گیا اور یوں کتاب الرسالہ وجود میں آئی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الرسالہ امام شافعی نے دو مرتبہ لکھی ایک مرتبہ بغداد میں اور ایک مرتبہ مصر میں۔ موجودہ کتاب مصری ہے۔ امام شافعی کی دوسری اہم کتاب "الام" ہے جس کی امام شافعی کی طرف نسبت کے بارے میں بہت بحث کی گئی ہے

اور خود کتاب کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ یہ امام شافعی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ابویعقوب البویطی کی تصنیف ہے۔

اس کی دلیل کہ کتاب الام امام شافعی کی تصنیف نہیں ہے یہ ہے کہ کتاب کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ "اخبرنا الربیع قال : قال الشافعی "یعنی ہمیں ربیع نے خبردی کہ امام شافعی نے فرمایا۔ اسی طرح کتاب الحیض والاستحاضہ میں ایسی عبارتیں موجود ہیں : "قال الربیع قال الشافعی وھو الذی نقول به : ان اقل الحیض یوم ولیله۔ واکثرہ خمسه عشر "۔ ۲۷۳۔ ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا اور یہ وہ قول ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ دن۔ اسی طرح کتاب کی مختلف فصلوں میں ربیع اپنے اقوال بھی دیتے ہیں اور امام شافعی کے اقوال بھی مثلاً جلد اول کے صفحات ۶۰، ۶۷، ۷۳، ۷۴ ملاحظہ ہوں۔ باب الاذان میں یہ عبارت ہے :

"قال الربیع : اخبرنا الشافعی قال : اخبرنا ابراھیم بن محمد وغیرہ عن جعفر بن محمدؒ ـــــ الی ان یقول : قال الشافعی : وبھذا کله ناخذ"۔ ۲۷۴۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ہم کو شافعی نے خبردی کہا کہ ہم سے ابراہیم بن محمد نے بیان کیا انہوں نے جعفر بن محمدؒ سے روایت کی ـــــ یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ـــــ امام شافعی نے کہا : ان میں سے ہر چیز کو ہم اخذ کرتے ہیں۔"

اسی طرح آپ کتاب کے مختلف مقامات پر یہ عبارت پائیں گے کہ یہ سوال

کیا گیا اور شافعی نے یہ جواب دیا جیسے کتے کا کسی برتن سے پانی پینے کا مسئلہ ہے۔

۲۷۵۔ اسی طرح بہت سے مقامات ربیع اور بویطی کے اقوال سے مملو ہیں۔

۲۷۶۔ اسی طرح کتاب الصلح، الحوالہ، الوکالہ، الولیمہ اور اقرار الوارث وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔

ابویعقوب البویطی وہ شخص ہیں کہ امام شافعی نے اپنے بعد انہیں کو اپنا جانشین قرار دے کر اپنے تلامذہ پر ان کی مجلس میں حاضری پر زور دیا۔ حالانکہ لوگوں کا خیال تھا کہ محمد بن عبد الحکم کو اپنا جانشین بنائیں گے۔ جب امام شافعی کا انتقال ہوگیا تو محمد بن الحکم اپنے مذہب مالکی پر واپس لوٹ گئے اور ابویعقوب البویطی نے گوشہ نشینی اختیار کرلی ---- امام غزالی نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ یہ البویطی کی تصنیف ہے وہ لکھتے ہیں۔

"و اثر البویطی الزھد والخمول ولم یعجبه الجمع والجلوس فی الحلقه واشتغل بالعبادة و صنف کتاب الام الذی ینسب الان الی الربیع بن سلیمان ویعرف به، وانما صنفه البویطی، ولکن لم یذکر لنفسه فیه ولم ینسبه الی نفسه فزاد الربیع فیه وتصرف" ۲۷۷

"البویطی نے زہد اور گوشہ نشینی اختیار کرلی اور حلقہ درس کے قیام نے انہیں بالکل متاثر نہ کیا پس وہ عبادت میں مشغول ہوگئے اور کتاب الام تصنیف کی جو آج کل ربیع بن سلیمان کی طرف منسوب ہے اور اسی کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے، حالانکہ اس کو بویطی نے

تصنیف کیا ہے اور اس میں انہوں نے نہ اپنا ذکر کیا ہے اور نہ اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے‘ پس ربیع نے اس میں تصرف اور زیادتی کی۔‘‘

اس بارے میں شیخ ابو طالب مکی لکھتے ہیں کہ۔

’’ان البویطی ھو الذی الف کتاب الام واعطاہ الربیع وصار یعرف بہ لانہ اعتزل الناس بالبویطہ من سواد مصر‘ وصنف کتاب الام الذی ینسب الان للربیع بن سلیمان و یعرف بہ‘ وانما ھو جمع البویطی لم یذکر نفسہ فیہ‘ واخرجہ الی الربیع فزاد فیہ‘‘

’’یہ بویطی ہی ہیں جنہوں نے کتاب الام تالیف کی اور اسے ربیع کو عطا کردیا اور اسی حوالے سے وہ پہچانی جانے لگی کیونکہ ابو یعقوب البویطی لوگوں سے کٹ کر بویطہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے جو مصر کا ایک گاؤں ہے یہیں انہوں نے کتاب الام تصنیف کی جو آج ربیع بن سلیمان کی طرف منسوب ہے اور انہیں کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ حالانکہ اسے بویطی نے جمع کیا لیکن اپنا اس میں کوئی تذکرہ نہیں کیا اور ربیع کے حوالے کردی اور انہیں نے اس میں اضافے کئے۔‘‘ ۲۷۸

کتاب الام کو دیکھنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ امام شافعی کی تصنیف نہیں ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کتاب مذہب شافعی کی تصنیف نہیں ہے ظاہرا حقیقت یہ ہے کہ امام شافعی نے اپنے شاگردوں کو یہ کتاب املاء کروائی اور ان شاگردوں نے اس میں تعلیقات اور اپنے اقوال کا اضافہ کیا۔ ۲۷۹

امام شافعی کی فقاہت

ڈاکٹر صبحی محمصانی اپنی وقیع تصنیف "فلسفه التشریع فی الاسلام" میں امام شافعی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"امام شافعی شروع میں امام مالک کے مقلد اور اہل حدیث تھے لیکن اپنے سفر کے تجربات سے متاثر ہو کر اپنے لئے ایک خاص مذہب کو منتخب کیا اور یہی آپ کا عراقی یا قدیم مذہب تھا کیونکہ بعد میں جب آپ مصر میں مقیم ہوئے تو اپنے بعض اقوال سابقہ کو ترک کردیا اور اپنے شاگردوں کو اپنے نئے مصری مذہب کی تلقین کی۔ ۲۸۰

امام شافعی کے متعلق اس بیان سے ان کے تین دور ثابت ہوتے ہیں ایک تو تقلید محض کا دور جب وہ امام مالک کے مقلد تھے۔ دوسرے وہ عہد جب وہ سفری تجربات سے متاثر ہو کر نہ علمی مباحث سے متاثر ہو کر امام مالک کے جادۂ فقہی سے ہٹے اور یہ عراقی دور ہے پھر مصر آئے۔ یہاں آنے کے بعد اپنے عراقی فتاویٰ سے بھی رجوع کرلیا اور نیا مصری مسلک اختیار کیا۔ یہ تیسرا دور تھا یہ بار بار فتویٰ بدلنا کسی بھی عالم کے غیر فقیہ ہونے کی سب سے بڑی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم امام شافعی اور دوسرے شوافع کی کتابوں میں مذہب قدیم و مذہب جدید کی دو مستقل اصطلاحیں پاتے ہیں۔ عراقی زمانے کے شاگردوں میں سے زعفرانی اور کرابیسی وغیرہ نے ان کے فتاویٰ کو جمع کیا اس زمانے کی امام شافعی سے منسوب دو کتابیں ہیں ایک الامالی اور دوسرے مجمع الکافی۔ لیکن جب یہ مصر آئے تو عراقی فتاویٰ سے رجوع کرلیا اور جو اس عہد میں مدون ہو چکا تھا اس سے بھی یہاں تک کہ

بویطی سے روایت ہے کہ امام شافعی نے کہا کہ : "لا اجعل فی حل من روی عنی کتابی البغدادی" ۲۸۱۔ جو مجھ سے یہ دونوں بغدادی کتابیں روایت کرے گا میں اسے جبہ نہیں پہناؤں گا (یعنی سند فراغت نہیں دوں گا)

امام فخرالدین رازی نے گیارہ ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن کو علماء امام شافعی کے نقص فی الاجتہاد کی دلیل قرار دیتے ہیں اور انھیں کی بناء پر انھیں ضعیف الرای اور قلت فقہ کا طعنہ دیتے ہیں۔ ۲۸۲

"وقال المزنی : قرات کتاب الرسالہ علی الشافعی ثمان مرات فما من مرۃ الا وقد کان یقف علی خطاء' فقال لی الشافعی : ابی اللہ ان یکون کتابا صحیحا غیر کتابہ تعالیٰ" ۲۸۳

"امام شافعی کے شاگرد مزنی کہتے ہیں کہ میں نے کتاب الرسالہ آٹھ مرتبہ امام شافعی کے سامنے پڑھی اور ہر مرتبہ آپ اس میں کسی غلطی سے واقف ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ اس کی کتاب کے سوا کوئی کتاب "صحیح" یعنی بے عیب ہو۔"

"قال البجرمی : الفتوی علی ما فی الجدید دون القدیم' وقد رجع الشافعی عنہ' و ھنا کلہ قدیم لم یعضلہ حدیث فان اعتضد بحدیث فھو منھب الشافعی 'فقد صحح عنہ انہ قال : اذا صح الحدیث فھو منھبی واضربوا بقولی عرض الحائط" ۲۸۴

"البجرمی کہتے ہیں کہ : فتویٰ جدید قول پر ہے نہ کہ قدیم پر کیونکہ امام شافعی نے اس سے رجوع کر لیا تھا' اور قدیم فتاویٰ میں جو کچھ ہے حدیث اس کی تائید نہیں کرتی اور اگر کسی مسئلے کی تائید حدیث کرے تو وہی شافعی کا مذہب ہے' صحیح روایت ہے کہ شافعی نے کہا : حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور اس کے مقابلے میں میرا قول دیوار پر دے مارو۔"

امام شافعی علماء کی نظر میں

کسی شخص کی قدر و منزلت جاننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ جس فن کا ماہر ہونے کا وہ دعویٰ کرتا ہے خود اس فن کے ماہرین اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اسی کے مد نظر ہم ذیل میں چند اقوال اکابر اہل سنت کے شافعی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

(۱) "سئل یحییٰ بن معین : الشافعی کان یکذب؟ قال : لا احب حدیثه' ولا اذکره۔ وفی قول آخر : اما الشافعی فلا احب حدیثه وروی الخطیب عن یحییٰ بن معین انه قال : الشافعی لیس بثقه و عن عبدالله بن وضاح انه قال فی الشافعی : انه لیس بثقه۔ وقد اساء هذا القول بعض الشافعیه فهجا ابن معین"[۲۸۵]

"یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا شافعی جھوٹ بولتے تھے؟ کہا : میں

ان کی روایت کی ہوئی حدیث کو پسند نہیں کرتا اور نہ اس کا ذکر کرتا ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مجھے ان کی حدیث پسند نہیں۔ خطیب نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ شافعی قابل اعتماد (ثقہ) نہیں ہیں اور عبداللہ بن وضاح نے شافعی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہیں۔ شافعیوں کو ابن معین کی یہ رائے پسند نہ آئی اور انہوں نے ان کی ہجو کی۔"

واضح رہے کہ یحییٰ بن معین بن عون الغطفانی ابو ذکریا البغدادی المتوفی سنہ ۲۳۳ھ وہ عظیم المرتب شخصیت ہیں کہ جن کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا : "کل حدیث لا یعرفه یحییٰ فلیس بحدیث" ہر وہ حدیث جس سے یحییٰ بن معین لاعلم ہوں وہ حدیث ہی نہیں۔ اور جب ان کا انتقال ہوا ہے تو علماء ان کے جنازے کے آگے یہ آواز دیتے جاتے تھے کہ یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو آنحضرتؐ پر باندھے ہوئے جھوٹ کو دور کرتا تھا۔ ۲۸۶

(۲) "وقال الکندی : لما دخل الشافعی مصر کان ابن المنکدر یصیح خلفه : یا کنا--- دخلت هذه البلاة و امرنا واحد' و راینا واحد' ففرقت بیننا' والقیت بیننا الشر' فرق الله بین روحک وجسمک" ۲۸۷

"کندی کہتے ہیں کہ جب امام شافعی مصر آئے تو مشہور صوفی عالم ابن المنکدر ان کے پیچھے چیختے پھرتے تھے۔ اے شافعی' تو ہمارے شہر میں آدھمکا حالانکہ ہمارا امر ایک تھا' ہماری آراء ایک ہی تھیں لیکن تو نے

ہمارے درمیان تفرقہ پیدا کیا اور ہمارے درمیان شر پھیلادیا۔ اللہ تیرے جسم اور روح کے درمیان جدائی ڈالے۔ (یعنی تجھے موت آجائے)

(۳) "وکان اشھب یدعو علی الشافعی ویقول فی سجودہ : اللھم امت الشافعی والا ذھب علم مالک بن انس"۔ ۲۸۸

"اشہب امام شافعی کے حق میں حالت سجدہ میں بددعا کرتے ہوئے کہتے تھے : اے خدا شافعی کو موت دے دے ورنہ مالک بن انس کا علم (حدیث) ختم ہوجائے گا۔"

یہ اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری الجعدی ہیں۔ امام مالک اور لیث وغیرہ سے علم حاصل کیا اور امام مالک اور دیگر مدنی اور مصری مشائخ سے علم فقہ حاصل کیا۔ "قال الشافعی : مارایت افقہ من اشھب وانتھت الیہ الریاسہ بمصر" شافعی کہتے ہیں کہ میں نے اشہب سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا اور مصر میں علمی ریاست ان پر ختم ہوگئی۔۔ ۲۸۹

امام شافعی پر جو مختلف طعن کئے گئے ہیں انہیں مختصراً ہم یہاں بیان کرکے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

(۱) بخاری اور مسلم نے امام شافعی کی کوئی روایت نہیں لی ہے جب کہ دوسرے محدثین سے روایت لی ہے۔۔ ۲۹۰

(۲) وہ صحیح حدیثوں کو نہیں جانتے تھے امام احمد بن حنبل سے روایت کی گئی ہے کہ : "قال الشافعی انتم اعلم بالاخبار الصحاح منا' فاذا

کان خبر صحیح فاعلمنی حتی اذھب الیہ" یعنی شافعی نے ان سے کہا کہ آپ صحیح احادیث کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں اگر کسی حدیث کا صحیح ہونا آپ کو معلوم ہو جائے تو میرے علم میں بھی لے آئیں تاکہ میں اس کی طرف رجوع کروں۔ "قالوا : وھذا اقرار منہ بالتقصیر و عن ابی ثور انہ قال الشافعی ماکان یعرف الحدیث وانما کنا نو فقہ علیہ و نکتبہ" ۔۲۹۱ کہا جاتا ہے کہ امام شافعی کا یہ کہنا ان کی تقصیر کا اعتراف ہے اور ابی ثور کہتے ہیں کہ شافعی حدیث کو نہیں جانتے تھے اور صرف ہم ہی انہیں حدیثیں بتاتے اور لکھواتے تھے۔

(۳) شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مرسل روایت (یعنی جس کی سند متصل نہ ہو) حجت نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان کی کتابیں اس قسم کی روایتوں سے بھری پڑی ہیں "اخبرنا الثقہ" (ہمیں ایک قابل اعتماد آدمی نے بتایا۔ آدمی کا نام نہیں لیتے) "اخبرنی من لا اتھمہ" (مجھے ایک ایسے شخص نے خبر دی جس پر میں کوئی اتہام نہیں لگا سکتا۔ راوی کا نام موجود نہیں) یہ بڑا عجیب مذہب ہے۔ ۲۹۲

(۴) وہ جھوٹوں اور بدعتیوں سے روایت کرتے ہیں مثلاً انہوں نے ابراہیم بن یحیٰ سے روایت کی ہے حالانکہ وہ قدری ہے اور اسماعیل بن علیہ سے روایت کی ہے حالانکہ خود اس پر طعن کیا ہے۔ ۲۹۳

ہم نے گزشتہ صفحات میں جو کچھ امام شافعی کے بارے میں لکھ دیا اس پر اب تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے قارئین کے سامنے خود اصل تصویر آگئی ہوگی۔

امام احمد بن حنبل اور ان کا مذہب

علمائے اہل سنت میں جو چند بڑے بڑے نام ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں خاص طور پر ائمہ اربعہ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں حضرات علیحدہ علیحدہ مکاتب فقہ کے بانی قرار پائے اور اہل سنت ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اہل سنت کے تین اکابر ائمہ کے تعارف کے بعد اب ہم چوتھے امام احمد بن حنبل کا ذکر کریں گے۔

ان کا نام احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذھل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن هنب بن قصی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار ہے۔ ۲۹۴۔ واضح ہو کہ احمد بن حنبل کے ۲۷ ویں جد نزار کے دو بیٹے تھے ایک مضر اور دوسرے ربیعہ 'مضر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جد ہیں اور ربیعہ امام احمد بن حنبل کے جد ہیں۔

مشہور ترین روایت کے مطابق احمد بن حنبل ربیع الاول سن ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اس تاریخ پیدائش کا ذکر ان کے صاحبزادے صالح اور عبداللہ دونوں نے کیا ہے اور کہا ہے کہ : "قال سمعت ابی یقول : ولدت فی شهر ربیع الاول سنه اربع و ستین و مائه و ذلک فی عهد المهدی"۔ ۲۹۵۔ میں نے اپنے والد کو کہتے سنا کہ میں ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوا اور یہ خلیفہ مہدی کا زمانہ تھا۔

آپ کی جائے پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف ہے بعض کے نزدیک آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی اور آپ کی والدہ آپ کو مرو سے حالت حمل میں

لے آئی تھیں یہ بھی روایت ہے کہ مرو ہی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ امام احمد بن حنبل سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ میری ماں مجھے خراسان سے حالت حمل میں لے کر یہاں آئی تھیں اور نہ میں نے اپنے والد کو دیکھا نہ ہی دادا کو۔۲۹۶۔ مورخین نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے والد کا انتقال ۳ سال کی عمر میں ہو گیا تھا۔۲۹۷

"و روی صالح العجلی عن ابیه : ان احمد بن حنبل سلوسی بصری و من اهل خراسان ولد ببغداد و نشابها' وقول العجلی انه بصری لان شیبان کانت منازلها بالبصرة و بادیتها و کان احمد اذا جاء الی البصرة صلی فی مسجد مازن' وهم من بنی شیبان' فقیل له فی ذلک فقال : مسجد آبائی"

"صالح العجلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل سدوسی' بصری تھے اور اہل خراسان سے تھے لیکن بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور عجلی کا یہ کہنا کہ وہ بصری ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ شیبان سے تھا اور بصرہ و اس کے نواحی علاقے میں ان کے مکانات تھے اور امام احمد جب بصرہ آئے تو مسجد مازن میں نماز پڑھی یہ لوگ بھی بنی شیبان سے ہیں جب ان سے یہاں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو امام احمد نے فرمایا کہ یہ میرے آباء کی مسجد ہے۔"۲۹۸

"اما امه فیقال انها شیبانیه ایضا' واسمها صفیه بنت میمونه بنت عبدالملک الشیبانی"۲۹۹

"ان کی ماں بھی قبیلہ بنی شیبان ہی سے تھیں اور ان کا نام صفیہ بنت میمونہ بنت عبدالملک الشیبانی تھا۔"

طلب علم

امام احمد بن حنبل کے طلب علم کی ابتداء ۱۵ یا ۱۶ سال کی عمر میں ہوئی یعنی ۱۷۹ھ میں' آپ کے پہلے شیخ یعنی استاد ھشیم بن بشیر السلمی المتوفی سنہ ۱۸۳ھ ہیں ان کی کنیت ابو معاویہ الواسطی ہے بغداد میں آئے' تدلیس حدیث میں مشہور ہیں یعنی حدیثیں خلط ملط کردیا کرتے تھے امام احمد ان کے پاس ۳ سال تک رہے اور امام احمد نے کتاب الحج کی ایک ہزار حدیثیں ان سے سن کر لکھیں اس کے علاوہ' تفسیر' قضاء اور چند چھوٹی کتابیں بھی ان سے سنیں اور لکھیں۔

ھشیم بن بشیر السلمی بخاری الاصل ہیں ان کے والد واسط میں آکر مقیم ہوگئے تھے وہ حجاج بن یوسف کے باورچی تھے جب ان کا خاندان بغداد منتقل ہوا تو بھی یہ لوگ یہی کام کرتے تھے اور ان کی شہرت بعض اقسام کی مچھلیاں پکانے میں تھی' جب ان کا بیٹا حصول علم کی طرف متوجہ ہوا تو یہ بات ان کے خاندان والوں کے لئے نئی اور انوکھی تھی بہرحال ھشیم نے بعض تابعین مثلاً عمر بن دینار' ابن شہاب زہری' مغیرہ بن مقسم وغیرہ کی صحبت اختیار کی۔۳۰۰۔ ان کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبل' شعبہ' علی بن المثنی الموصلی' ابن معین اور ایک بڑی جماعت ہے۔ احمد بن حنبل ان کے پاس تین سال تک رہے اور ان کے انتقال کے بعد وہ امام شافعی کے دامن سے وابستہ ہوگئے جب امام شافعی سے مکہ میں ان کی ملاقات ہوئی تو ان کے فضل علم سے امام احمد حیرت زدہ رہ گئے۔

احمد بن حنبل اور امام شافعی

امام احمد بن حنبل اور امام شافعی میں بہت گہرا ربط تھا بلکہ علماء کے بقول دونوں میں رشتہ محبت و الفت استوار تھا۔ امام احمد بن حنبل اپنے استاد ہشیم بن بشیر السلمی کی وفات تک انہیں کے دامن علم سے وابستہ رہے اور اس کے بعد ان کی تربیت میں امام شافعی کا بڑا ہاتھ ہے۔

مشہور مصری عالم محمد ابو زہرہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں : امام احمد نے حافظ ہشیم سے حدیث زیادہ سیکھی اور فقہ کم' ضروری تھا کہ اس کوتاہی کی تلافی وہ کسی دوسری شخصیت کی بارگاہ فضل و کمال میں حاضر ہو کر کرتے' یہ شخصیت انہیں امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی صورت میں حاصل ہو گئی چنانچہ ہشیم کی وفات کے بعد وہ امام شافعی کے شاگرد بن گئے' وہ حج بیت اللہ کرنے کے ارادے سے بیت الحرام پہنچے وہیں امام شافعی سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ ان کی فقہی ژرف نگاہی' قوت استنباط' اصول استنباط کے سلسلے میں انہوں نے جو قواعد و مقائیس وضع کئے تھے ان سے امام احمد بہت متاثر ہوئے' یہ وہ زمانہ تھا جب امام شافعی مسجد حرام میں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے وہ بغداد میں محمد بن حسن الشیبانی سے حنفی فقہ کا درس لے کر مکہ واپس آئے تھے اور استنباط کے اصول وضع کرنے میں فکر و تامل سے کام لے رہے تھے۔

امام احمد نے امام شافعی سے استماع کے بعد خود ہی تصریح کی ہے کہ وہ شافعی کی فقہی ژرف نگاہی سے متاثر تھے نہ کہ ان کی روایت حدیث سے ۱۰۳۔ کیونکہ روایت حدیث میں امام شافعی کا درجہ بہت کمزور ہے ہم گزشتہ صفحات میں امام

شافعی پر گفتگو کرتے ہوئے یہ قول نقل کر آئے ہیں کہ انہوں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ آپ کو جو حدیث صحیح ملے مجھے بھی بتا دیجئے تاکہ میں اس کی طرف رجوع کروں۔ (طبقات الحنابلہ' آداب الشافعی' البدایہ والنھایہ)

احمد بن حنبل نے طلب حدیث کے لئے کوفہ' بصرہ' مکہ' مدینہ' یمن' شام' عراق کے سفر کئے اور سفیان بن عیینیہ' ابراہیم بن سعید' یحیٰی بن القطان' وکیع' ابن علیہ' ابن مہدی' عبدالرزاق ابن ہمام' جریر بن عبدالحمید' علی بن ہشام بن البرید' معمر بن سلیمان' یحیٰی بن ابی زائدہ' قاضی ابو یوسف' ابن نمیر' الحسن بن موسیٰ الاشیب' اسحاق بن راہویہ' علی بن المدینی' یحیٰی بن معین وغیرہ اکابر علماء سے طلب علم کیا۔ لیکن ہشیم اور امام شافعی کے ساتھ آپ کی صحبت زیادہ رہی شافعی سے ان کی ملاقات ۱۹۷ھ تک جاری رہی۔ اور انہیں سے امام احمد نے فقہ اور اصول کا درس لیا۔

کیا امام احمد بن حنبل فقیہ تھے؟

امام احمد بن حنبل کے بارے میں جہاں اور بہت سی بحثیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کیا آپ فقیہ مجتہد تھے؟ یا صرف محدث تھے۔ زیادہ تر علماء کا خیال یہی ہے امام احمد بن حنبل فقیہ مجتہد نہ تھے بلکہ محض محدث تھے اسی لئے ان کے ماننے والوں کو اہل حدیث کہا اور شمار کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ : آپ کے اصول مذہب وہی تھے جو دیگر ائمہ کے یعنی کتاب وسنت' اجماع وقیاس' آپ حدیث نبوی سے استدلال کے خوگر تھے قبل ازیں ہم آپ کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ "ضعیف الحدیث عندی

اولی من رای الرجال" ضعیف حدیث میرے نزدیک لوگوں کی رائے سے افضل ہے۔ آپ اقوال صحابہ کی پیروی میں مشہور تھے' جب صحابہ کے کسی مسئلے میں دو یا تین قول ہوتے تو آپ بھی وہ قول اختیار کر لیتے' اسی بناء پر بعض علماء نے آپ کو ائمہ فقہاء میں شمار نہیں کیا۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الانتقاء میں اسی طرح کیا ہے (یعنی ائمہ ثلاثہ کا ذکر کیا ہے ابن حنبل کا ذکر نہیں کیا)۔ ۳۰۲۔ اور ڈاکٹر صبحی محمصانی نے لکھا ہے کہ : امام۔ ۳۰۳ احمد بن حنبل اجتہاد بالرائے سے احتراز برتنے اور فقط قرآن و حدیث سے استدلال کرنے میں اس حد تک مشہور ہیں کہ بعض علماء نے آپ کو زمرہ مجتہدین سے زیادہ زمرہ محدثین میں شمار کیا ہے۔ مثلاً ابن ندیم نے فقہائے حدیث کے۔ ۳۰۴ باب میں ابن حنبل کو امام بخاری' مسلم و دیگر محدثین کے ساتھ رکھا ہے اور ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الانتقاء فی فضائل الائمہ الفقہاء میں طبری نے اپنی کتاب اختلاف الفقہاء میں اور ابن قتیبہ نے اپنی تصنیف کتاب المعارف میں۔ ۳۰۵ امام احمد بن حنبل اور ان کے مذہب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل کے متعلق ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اپنے فتاویٰ کو بھی لکھنے کو منع کرتے تھے اور دوسروں کی کتابوں کو بھی۔

"قال المروزی : قلت لابی عبداللہ احمد بن حنبل : اتری ان یکتب الرجل کتب الشافعی؟ قال : لا قلت : اتری ان یکتب الرسالہ---؟ ای رسالہ الشافعی--- قال : لا تسالنی عن شئی محدث' قلت : کتبتھا؟ قال : معاذاللہ وقال

ایضا : لاتکتب کلام مالک' ولا سفیان ولا الشافعی ولااسحق بن راھویہ ولا ابی عبید"۔۳۰۶

"مروزی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ احمد بن حنبل سے پوچھا کیا آپ کے خیال میں امام شافعی کی کتابیں لکھنی چاہئیں؟ کہا نہیں' پھر میں نے پوچھا آپ کے خیال میں امام شافعی کی کتاب الرسالہ لکھنا کیسا ہے۔ جواب دیا کہ مجھ سے بدعتوں کے بارے میں نہ پوچھو میں نے پوچھا کیا آپ نے کتاب الرسالہ کو لکھا ہے فرمایا اللہ سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ مالک' سفیان' شافعی' اسحاق بن راھویہ اور ابی عبید وغیرہ کسی کا بھی کلام نہ لکھو۔"

امام احمد بن حنبل کی فقہی آراء خود ان کے نزدیک مستقل حیثیت نہیں رکھتی تھیں اسی لئے وہ انہیں لکھنے کو منع کرتے تھے۔

"روی ابن ابی یعلی : ان رجلا قال لابی عبداللہ : ارید ان اکتب ھذہ المسائل۔ فقال لہ احمد : لاتکتب شئیا فانی اکرہ ان اکتب رایی۔ واحسس مرۃ بانسان یکتب و معہ الواح فی کمہ' فقال احمد : لا تکتب رایی' لعلی اقول الساعہ بمسئالہ ثم ارجع غدا عنھا"۔۳۰۷

"قاضی ابن ابی یعلی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ جو مسائل آپ بیان فرماتے ہیں وہ میں لکھ لوں تو امام احمد نے جواب دیا تم کچھ نہ لکھو کیونکہ میری

آراء کا لکھا جانا میں حرام سمجھتا ہوں۔ اسی طرح انہوں نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ان کی آراء لکھ رہا ہے اور اس کی آستین میں بھی چند الواح موجود ہیں یہ دیکھ کر کہا : میری آراء نہ لکھو کیونکہ میں آج جو فتویٰ دیتا ہوں کل اس سے رجوع کر لیتا ہوں۔"

علامہ ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ : وہ اسے بھی ناپسند کرتے تھے کہ جو فتاویٰ ان سے منقول ہوں ان کو زبانی نقل کیا جائے' روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد تک یہ بات پہنچی کہ ان کے شرکاء حلقہ درس میں سے ایک شخص خراسان میں ان کا نام لے لے کر روایت کرتا ہے یہ سن کر وہ چیخ پڑے اور اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے فرمایا : گواہ رہنا میں ان تمام باتوں سے رجوع کر چکا ہوں۔۔۳۰۸

برصغیر کے ممتاز عالم دین اور محدث شاہ ولی اللہ دہلوی بھی فقہ حنبلی کو علیحدہ اور مستقل فقہ نہیں مانتے تھے بلکہ اسے فقہ شافعی میں ہی شامل سمجھتے تھے۔ ہم ذیل میں ان کا اقتباس پیش کرکے بحث کو ختم کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں :

"ویسے حقیقت یہ ہے کہ حنبلی مذہب کو مذہب شافعی ہی میں شامل سمجھنا چاہئے کیونکہ اس کی اگر شافعی مذہب کے مقابلے میں اپنی کوئی مستقل حیثیت ہے تو بس اسی قدر جس قدر مستقل حیثیت امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذاہب کو امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مقابلے میں حاصل ہے ہاں ایک فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ حنبلی مذہب شافعی مذہب کے ساتھ ضم کرکے مدون نہیں کیا گیا جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذاہب کو باہم پاتے ہیں کہ ان کی تدوین امام ابو حنیفہ کے مذہب کی

تدوین ہی میں ضم ہے۔ ہمارے خیال میں یہی وہ بات ہے جس کے باعث مذہب شافعی اور مذہب حنبلی دونوں کو ایک مذہب شمار نہیں کیا گیا' ورنہ ایک ایسے شخص کے لئے جس نے ان دونوں مذاہب کی گہرائیوں میں اتر کران کو اپنی حقیقی شکل میں دیکھا ہو انہیں ایک ہی مذہب کی حیثیت سے ماننا اور مدون کرنا چنداں دشوار نہیں۔۳۰۹
پس معلوم ہوا کہ فقہ حنبلی خود مستقل بالذات کوئی فقہ نہیں اور نہ ہی امام احمد بن حنبل کے آراء کی خود کوئی حیثیت ہے۔"

امام حنبل اور مسئلہ خلق قرآن

مسئلہ خلق قرآن تاریخ عقائد اسلام کا ایک مشہور ترین مسئلہ ہے جس کے اثرات نہ صرف یہ کہ مسلم فرقوں کے عقائد پر پڑے بلکہ تاریخ اسلام کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر متاثر نہ ہوا ہو۔ بحث دراصل یہ تھی کہ معتزلہ کے نزدیک قرآن مخلوق اور حادث ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوسرے مخلوقات کی طرح جب کہ دیگر اکابرین کا نظریہ یہ تھا کہ قرآن کیونکہ کلام الٰہی ہے اس لئے مخلوق نہیں بلکہ وہ اللہ کی طرح قدیم ہے۔ معتزلہ کا کہنا یہ تھا کہ اس طرح دو قدیم ماننے پڑیں گے اور یوں شرک لازم آئے گا۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا موقف یہ تھا کہ صفات عین ذات ہیں' زائد برذات نہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت اس سے جدا نہیں لیکن جب اس صفت کا اظہار ہوتا ہے تو وہ چیز حادث ہوجاتی ہے لہٰذا اللہ کی صفت کلام تو عین ذات ہے لیکن اس کا اظہار بہرحال حادث ہے۔ امام احمد بن حنبل قرآن کے متعلق اس نظریئے کے مخالف

تھے جب کہ معتزلہ کے زیر اثر عباسی خلفاء نظریہ خلق قرآن کے قائل تھے اور اسی لئے امام احمد بن حنبل پر عباسی خلفاء نے بہت مظالم ڈھائے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ان مصائب میں جو دیگر اکابر علماء احمد بن حنبل کے شریک تھے ان کا کوئی تذکرہ علمائے اہل سنت نہیں کرتے اور اس کا پورا کریڈٹ امام احمد بن حنبل کو دے دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان علماء کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے اس محنت میں امام احمد بن حنبل کا ساتھ دیا۔ ہم اس تذکرہ کو طویل بھی کر سکتے تھے لیکن اختصار کا اس کتاب میں ہمیں سب سے زیادہ خیال رکھنا پڑا ہے۔

(۱) احمد بن نصر الخزاعی بن مالک الخزاعی المقتول سنہ ۲۳۱ھ یہ مروزی ہیں یعنی "مرو" کے رہنے والے ہیں، مالک بن انس کے شاگرد ہیں ان کے شاگردوں میں ابن معین اور محمد بن یوسف الطباع جیسے اکابر شامل ہیں۔ ۳۱۰

(۲) یوسف بن یحییٰ البویطی۔ امام شافعی کے شاگرد ہیں اور انہیں کے جانشین بھی انہیں چالیس رطل کی بیڑیاں پہنا کر بغداد لایا گیا تھا انہیں بھی قتل کر دیا گیا۔ یہی امام شافعی سے منسوب کتاب الام کے مصنف ہیں۔ ۳۱۱

(۳) عمرو بن حماد بن زہیر التمیمی مولیٰ آل طلحہ الکوفی المتوفی سنہ ۲۱۹ھ۔ یہ امام احمد اور بخاری و یحییٰ بن معین کے شیخ ہیں۔ مامون نے ان کا حال پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ انہیں کوڑوں سے پیٹا گیا ہے لیکن انہوں نے ان تمام مظالم کے باوجود کہا "راسی اھون علی من ھذا" میرا سر بھی لے لینا میرے لئے اس سے زیادہ آسان ہے۔

(۴) نعیم بن حماد بن معاویہ بن الحرث الخزاعی ابو عبداللہ المروزی المتوفی سنہ ۲۲۸ھ۔ ۳۱۲۔ انہیں نعیم نے امام ابو حنیفہ کے خلاف کتاب بھی لکھی ہے یہ وضع

حدیث میں مشہور ہیں۔

(۵) عفان بن مسلم بن عبداللہ الانصاری ابوعثمان البصری الصفار۔ ان کا شمار رجال صحاح ستہ میں ہے۔ احمد بن حنبل، بخاری، ابن معین، ان المدینی وغیرہ کے شیخ ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ ثقہ امام ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں عفان اس قدر ثقہ ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ۳۱۳

(۶) عبدالاعلی بن مسہر الغسانی ابو مسہر الدمشقی المتوفی ۲۱۸ھ۔ عالم شام اور عظیم القدر ہیں صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں احمد بن حنبل، ابن معین کے شیخ ہیں۔ ۳۱۴

ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء کے نام لئے جاسکتے ہیں لیکن اوپر ہم نے جن حضرات کا ذکر کیا ہے وہ اکابرین میں شمار ہوتے ہیں۔

جناب زید الشہید اور ان کی فقہ

اہل سنت کے مشہور عام چاروں فقہی مذاہب کے مختصر تعارف کے بعد اب ہم ایک ایسی فقہ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں کہ جس کو شیعہ فقہوں میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد اہل بیت علیہم السلام میں سے ایک عظیم المرتبت شخصیت جناب زید بن علی زین العابدین علیہما السلام ہیں۔ یہ تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں کہ لفظ "شہید" ان کے نام کا جزء بن گیا ہے چنانچہ انہیں "زید شہید" ہی کہا جاتا ہے۔ کیا اپنے اور کیا غیر سب کے سب ان کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ خاص طور پر ابوزہرہ مصری نے جس طرح ان کا دفاع کیا ہے وہ لائق مطالعہ ہے۔

محمد ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں: امام زید بن علی زین العابدین بن حسین بن علی

بن ابی طالب" آپ کے جد اعلیٰ باپ کی طرف سے علی بن ابی طالب باب مدینہ العلم اور اسلام کے سب سے بڑے سورما اور صحابہ کرام میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے بزرگ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ابن عم تھے اور از طرف مادر آپ کے جد محمد بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خاتم النبیین تھے ہر اعتبار سے آپ والا نسب اور والا حسب تھے' نسب اگر شرف کی کوئی چیز ہے تو آپ کا ہم پایہ کوئی نہ تھا۔ امام زید رضی اللہ عنہ کی ولادت با سعادت ۸۰ھ میں ہوئی' علماء نے آپ کی تاریخ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ تین مستند روایات سے ثابت ہے کہ حق کا دفاع کرتے ہوئے آپ ۱۲۲ھ میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۲ سال تھی اس سے ثابت ہوا کہ آپ ابھی جوان تھے اور زندگی کے ارمانوں سے بھرپور سچائی کی تڑپ نے آپ کو مجبور کر دیا کہ ظلم کے خلاف صف آراء ہو جائیں اور اپنی جان قربان کر دیں۔ آپ کی والدہ سندھ کی ایک خاتون تھیں جو مختار ثقفی کے ذریعہ امام زین العابدینؒ کے حضور پہنچی تھیں' اہل سندھ عام طور پر صاحب فکر و تفکر ہوتے ہیں اس طرح آپ کی ذات بابرکات میں نسب رفیع' علم عمیق' فہم علی بن ابی طالب (علیہما السلام) اور فکر ہندی جمع تھی۔۳۱۵ جناب زید کی ولادت مدینہ میں ہوئی۔۳۱۶ لیکن آپ کی تاریخ اور سن ولادت میں اختلاف ہے ابن عساکر کے بقول آپ کی ولادت ۷۸ھ ۳۱۷ میں اور المحلی کے مطابق ۷۵ھ ۳۱۸ میں ہوئی۔ ابن سعد' طبری اور شیخ مفید نے لکھا ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۲ سال تھی۔۳۱۹ اور آپ کی شہادت ۱۲۲ھ میں ہوئی ہے لہذا آپ کا سن ولادت ۸۰ھ ہی درست ہے۔۳۲۰

آپ کی والدہ ماجدہ کے نام میں بھی اختلاف ہے کہا گیا ہے ان کا نام "حیدان" ۳۲۱ تھا اور ابن قتیبہ کی ایک روایت میں وجیداء اور "جیدا" بھی آیا ہے۔ ۳۲۲۔ بخاری نے سر الانساب العلویہ میں اور محلی نے الحدائق الوردیہ میں "جیدا" ہی نام لکھا ہے۔ ۳۲۳۔ آپ کی ولادت کے سلسلے میں ایک خواب بھی بیان کیا جاتا ہے جس میں آنحضرتؐ نے امام زین العابدینؑ کو والدۂ حضرت زید سے شادی کی بشارت بھی دی ہے۔ ۳۲۴۔

امام زید کی نشو ونما

زید بن علی علیہما السلام مدینہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ علم و فضل، فقہ و حدیث کا مرکز تھا اور مسجد نبوی کے علاوہ بھی حلقہ ہائے درس قائم تھے یہاں تک کہ صحابہ، تابعین کے ساتھ عورتیں تک فقہ و حدیث کے درس و تدریس میں منہمک تھے۔ ۳۲۵

یہیں امام زید کی علمی و عملی تربیت کی ابتداء ہوئی۔ علماء کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے آپ نے اپنے والد امام زین العابدین اور پھر اپنے بھائی امام محمد باقر علیہما السلام سے اخذ علم کیا۔ ۳۲۶۔ اور امام زین العابدین علیہ السلام کی علمی شخصیت محتاج بیان نہیں علماء آپ کی علمی وجاہت سے مرعوب نظر آتے ہیں۔ "فلم یر هاشمیا افضل ولا افقه منه" کوئی ہاشمی آپ سے بڑھ کر افضل اور فقیہ نہ تھا۔ علامہ ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں کہ : امام زین العابدینؑ کو سب سے زیادہ علم حدیث سے رغبت تھی چنانچہ اس فن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ ہوگئے، صالحین کی صحبت سے بھی آپ مستفید ہوتے تھے عام اس سے کہ کوئی شخص لوگوں

کی نگاہ میں مقام رفیع پر فائز ہو یا کوئی حیثیت نہ رکھتا ہو اگر وہ صاحب علم ہوتا تھا تو آپ ضرور اس کے حلقہ درس میں جاتے تھے اور اس سے استفادہ کرتے تھے۔ روایت ہے کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تھے تو لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے زید بن اسلم کے حلقے میں جا کر بیٹھ جاتے تھے آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک مرتبہ نافع بن جبیر بن مطعم قرشی نے ذرا چیں بہ جبیں ہو کر کہا : آپ لوگوں کے سردار ہیں آپ کی بارگاہ میں خلق سر کے بل آتی ہے اہل علم نیاز و اشتیاق سے بے قرار ہو کر پہنچتے ہیں عمائدین قریش آپ کے در کی جبہ سائی پر فخر کرتے ہیں اور آپ اس سیاہ فام غلام کی مجلس میں آکر رونق افروز ہوتے ہیں؟ امام زین العابدینؒ نے نافع کو جواب دیا : آدمی کو جہاں سے کچھ ملے وہاں ضرور جاتا ہے اور علم تو جہاں بھی ملے وہاں ضرور جانا چاہئے (امام زید ص ۲۴ عربی) چند صفحات آگے بڑھ کر تحریر کرتے ہیں : امام زین العابدینؒ جس طرح بہت بڑے محدث تھے اس طرح بہت بڑے فقیہ و مجتہد بھی تھے، مسائل فقہ پر آپ کو وہی دسترس حاصل تھی جو آپ کے جد امجد علی مرتضیٰؓ کو حاصل تھی فقہی مسائل کا کوئی گوشہ اور تفریعات فقہی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو آپ کی نظر سے او جھل ہو اور امام زہری نے فقہ کا فن بھی آپ سے اسی طرح حاصل کیا تھا جس طرح فن حدیث کی تحصیل کی تھی۔ (امام زید ص ۳۳۔ عربی)

امام زید نے سب سے پہلے قرآن کی طرف توجہ کی اور اسے حفظ کر ڈالا قرآن اس شخص کے نوک زبان رہنا ہی چاہئے جسے فقہ دین، طلب حقائق اور تعمق و راست سے لگاؤ ہو۔ قرآن کریم کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد امام زین العابدین سے اور اپنے برادر بزرگ امام باقر سے حدیث شریف کی تحصیل و تکمیل

کی۔ آپ کا سلسلہ روایت یہ تھا "عن زید عن زین العابدین عن حسین عن علی" چنانچہ صحاح ستہ میں علی زین العابدینؑ کی جو روایت ہے وہ متفق علیہ ہے۔ انہوں نے اصحاب اہل بیت کے علاوہ دوسرے لوگوں سے جو روایت کی ہے اس میں اسامہ بن زید بھی شامل ہیں۔ حدیث نبوی کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا انہیں کی روایت ہے۔۳۲۸۔ محدثین کا بیان ہے کہ امام زین العابدینؑ نے آل البیت کے علاوہ ابن عباس، جابر، مروان، صفیہ ام المومنین اور ام سلمہ وغیرہ صحابہ اور صحابیات سے بھی روایت کی ہے۔۳۲۹

ہم اس موقع پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ابو زہرہ مصری کے علم و فضل کا ہمیں اعتراف ہے لیکن ان کی جملہ کتب میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس سے ہمیں صد فی صد اتفاق نہیں بلکہ بہت سے مواقع سے ہمیں شدید اختلاف ہے لیکن ان مقامات کی تردید کا یہ موقع نہیں۔ خاص طور پر ائمہ علیہم السلام کے اخذ علم کے بارے میں ان کے نظریات ہمارے نظریات سے بالکل نہیں ملتے اس موضوع کو ہم پھر کبھی کسی اور کتاب میں عرض کریں گے۔

کیا امام زید شاگرد تھے مشہور معتزلی واصل بن عطا کے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب تفصیل طلب ہے اور دامن کتاب میں اتنی وسعت نہیں کہ اسے تفصیلاً لکھا جائے لہٰذا مشہور مصری عالم ابو زہرہ کے مختصر اقتباس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

"علم و فضل میں پختگی اور کمال حاصل کر لینے کے بعد امام زید نے صرف قیام مدینہ ہی پر اکتفاء نہیں کیا وہ بصرہ تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے ملاقات کی۔ شہرستانی نے الملل والنحل میں دعویٰ کیا ہے کہ امام

زید، واصل بن عطاء سے بھی ملے اور اس کے شاگرد ہو گئے اور اعتزال کا مسلک ان سے حاصل کیا۔ لیکن امام زید اور واصل دونوں ہم عمر تھے علم و فضل میں امام زید زیادہ پختہ اور کامل تھے 'شاگردی کا کچھ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ دوسری بات ہے کہ دونوں میں باہم علمی مذاکرے ہوئے ہوں۔۳۳۰۔ پھر لکھتے ہیں اور جب یہ ثبت ہے کہ عقائد سے متعلق ال بیت کا بھی وہی مسلک تھا جسے بعد میں واصل بن عطا نے اپنایا تو لازمی ہے کہ ہم باور کرلیں کہ امام زید جب بصرہ تشریف لائے تو علم عقائد کے بارے میں خالی الذہن نہیں تھے بلکہ اس علم پر اچھی طرح عبور رکھتے تھے اور ایک بڑے معتزلی واصل بن عطاء سے ملاقات استفادے کے لئے نہیں صرف مذاکرے کے لئے تھی۔"۳۳۱

امام زید بن علی علیہما السلام کے فضل علم کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کا شمار امام ابو حنیفہ کے استادوں میں ہوتا ہے اور خود امام ابو حنیفہ نے ان کے فضل کا اعتراف کیا ہے : امام ابو حنیفہ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا "آپ نے علم کس سے حاصل کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا میں نے زندگی کے کافی دن علم کے معدن میں بسر کئے اور وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کے دامن فضل و کمال سے وابستہ ہوگیا۔" اس قول میں ابو حنیفہ کا اشارہ امام زید ہی کی طرف ہے۔۳۳۲۔ اسی طرح اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں : اہل بیت کی طرف آپ کا صرف سیاسی میلان ہی نہ تھا بلکہ ان سے علمی تعلق بھی رکھتے تھے اور شاید آپ کے سیاسی میلان کی وجہ بھی علویوں سے آپ کے علمی روابط ہوں چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت زیدؓ سے آپ کا علمی رابطہ تھا اور وہ آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتے

تھے۔ ۳۳۳

امام زید کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ بالکل ناکافی ہے اور عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت کے تعارف کے لئے ابھی بہت کچھ تحقیق کی ضرورت ہے لیکن درج بالا سطور سے امام زید کی علمی شخصیت پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے۔
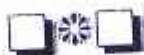
جناب زید کی فقہ : مصادر اور اصول

جناب زید بن علی علیہما السلام کے بارے میں ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں کہ وہ بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے' ان کی فقہ کا انحصار دو کتابوں المجموع فی الفقہ اور المجموع فی الحدیث پر ہے جس کے راوی ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی ہیں اور انھیں نے ان دونوں کتابوں کو مرتب کیا ہے۔۳۳۴۔ ان کی ترتیب مضامین فقہ کے اعتبار سے ہے۔ بعض علماء نے ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی کو ہدف تنقید بنا کر المجموع کے استناد کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہمیں خوشی ہے کہ استاد ابو زہرہ نے ان اعتراضات کا کافی وشافی جواب دے دیا ہے اور المجموع پر ہونے والے تمام اعتراضات کو ایک ایک کر کے رد کیا ہے (ملاحظہ ہو امام زید از ابو زہرہ المصری) آج کل ان کے فقہ کی مشہور ترین کتاب الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر ہے جو شرف الدین حسین بن علی احمد الصنعانی (متوفی ۱۲۲۱ھ) کی تالیف ہے۔۳۳۵

فقہ زیدیہ کے اصول استنباط یہ ہیں :

(۱) سب سے پہلے عقل یقینی کے فیصلوں کو مقدم سمجھے۔

(۲) پھر اجماع معلوم کی طرف رجوع کرے۔

(۳) پھر کتاب وسنت کے نصوص معلومہ کو دیکھے۔

(۴) پھر کتاب وسنت کے عموم کی طرح اس کے ظہور پر نظر کرے۔

(۵) پھر اخبار آحاد کے نصوص کو مدنظر رکھے اور نظر و بصر کے زاویوں میں لائے۔

(۶) پھر اخبار آحاد کے عموم کی طرح ظواہر کا جائزہ لے۔

(۷) پھر حسب مراتب مفاہیم قرآن وسنت معلومہ کو مطمع نظر ٹھہرائے۔

(۸) پھر اخبار احاد کے مفاہیم کو موضوع فکر قرار دے۔
(۹) پھر اسی طرح آنحضرتؐ کے اعمال و اقوال کو سامنے لائے۔
(۱۰) پھر حسب مراتب قیاس سے کام لے۔
(۱۱) پھر اجتہاد کے دوسرے انواع کو استعمال میں لائے۔
(۱۲) پھر برائت اصلیہ اور اس قسم کے دوسرے امور کو پیش نگاہ رکھے۔۔۔ ۳۳۶

کیونکہ فقہ زیدیہ کی بنیاد اصول علم کلام پر ہے اس لئے اصول استنباط میں سب سے زیادہ اہمیت عقل کو حاصل ہے یہاں تک کہ قرآن و حدیث پر بھی عقل کو فوقیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اصول استنباط امام زید کے وضع کردہ نہیں ہیں بلکہ بعد کے علماء نے انہیں مرتب کیا ہے۔

آخری بات

جناب زید خاندان اہل بیت کے ایک اہم فرد تھے اور علم حدیث و فقہ میں آپ کا رتبہ بہت بڑا ہے لیکن ہم اس حقیقت کے اظہار پر بھی مجبور ہیں کہ جناب زید نے اپنے بھائی امام محمد باقر علیہ السلام اور اپنے بھتیجے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فتاوئی کے برخلاف خود فتوے دیئے اور وہ علمی معاملات میں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے مقلد نہ تھے بلکہ صرف اپنے علم اور اجتہاد پر انحصار کرتے تھے۔ ایسا ہی معاملہ ان کے نظریہ جہاد کا تھا جس کی بناء پر انہوں نے بنی امیہ کے خلاف خروج کیا۔ ائمہ اہل بیتؑ بنوامیہ کے خلاف ہر کام کو جائز سمجھتے تھے لیکن امور شرعیہ میں ہمیشہ اہل بیتؑ پر انحصار ہونا چاہئے۔ یہ اثناء عشریہ فرقے کا مسلمہ مسئلہ ہے جس کی بناء پر وہ جناب زید کے خروج کو "بغیر تائید امام" سمجھتے

ہیں۔ اسی طرح امام باقراور امام صادق علیہما السلام کی موجودگی میں فتوے دینا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ وہ انہیں مرجع شریعت نہیں سمجھتے تھے اس مرحلے پر ہم امام ابو حنیفہ اور امام زید دونوں کو ایک ہی درجے پر پاتے ہیں اور ان کی فقیہانہ اور محدثانہ حیثیت کے اعتراف کے باوجود ہم ان کے فتاویٰ کی تائید نہیں کرسکتے۔ ۳۳۷ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ امام صادق اور امام باقر علیہما السلام کی تقلید و تائید کرتے تو ہمیں زیادہ خوشی ہوتی۔

جعفری اور زیدی فقہ میں اختلاف کی ایک مثال

زیدی فقہ کے بارے میں علمائے محققین نے یہ لکھا ہے کہ یہ فقہ اہل سنت سے زیادہ قریب ہے۔ ابو زہرہ نے لکھا ہے کہ "یہ شیعہ کے تمام فرقوں میں سے اہل سنت کے زیادہ قریب ہے نہ یہ غلو سے کام لیتے نہ ان کی اکثریت صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکفیر کرتی ہے، نہ ائمہ کو خدا اور رسول کے درجے پر فائز کرتی ہے۔" ۳۳۸ اور ڈاکٹر صبحی محمصانی نے لکھا ہے : شیعہ زیدیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے خلفائے راشدین پر حکم لگانے میں اعتدال پسندی سے کام لیتے ہیں اسی واسطے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے۔ شیعہ کا یہ فرقہ اہل سنت کے مذاہب سے زیادہ قریب ہے اور آج کل شیعہ زیدیہ کا مرکز یمن ہے جہاں ان کی تعداد ۳۰ لاکھ سے کچھ زائد ہے۔ ۳۳۹

مشہور شیعہ عالم، مفسر و محدث علامہ محمد حسین طباطبائیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"و تعتقد الزیدیه ان کل فاطمی' عالم' زاهد شجاع سخی یثور لاحقاق الحق یستطیع ان یکون اماما۔ کانت الزیدیه فی الابتداء مثل زید' تعتبر الخلیفتین الاولین ابوبکر و عمر من الائمه' ولکن بعدها اسقط جماعه منهم اسم هذین الخلیفتین من اسماء ائمتهم و ابتداء وابالامام علیؑ و حسب ما یقال ان الزیدیه تتبع المعتزله فی الاسلام' و توافق فقه ابی حنیفه فی الفروع۔ وهناک اختلاف یسیر بینهم فی بعض المسائل" ۔۳۳۰

"زیدیہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر فاطمی' عالم' زاہد' شجاع اور سخی امام ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ احقاق حق کے لئے خروج بھی کرے زیدیہ فرقہ ابتداء میں جناب زید کی طرح پہلے دونوں خلفاء یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو امام سمجھتا تھا لیکن بعد میں زیدی علماء میں سے چند نے ان دونوں خلفاء کے نام فہرست ائمہ میں سے نکال دیئے اور اس کی ابتداء حضرت علی علیہ السلام سے کی۔ انہوں نے عقائد اسلام میں معتزلہ کی پیروی کی اور فروع میں ابوحنیفہ کی فقہ سے ان کی فقہ موافقت رکھتی ہے لیکن ان دونوں فقہوں کے درمیان بہت معمولی نوعیت کے اختلافات بھی ہیں۔"

ان شیعہ اور سنی علمائے کبار کے ارشادات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیدیہ کا

اپنی روایات اور فتاویٰ کو حضرت علیؓ کی مرویات سے منسوب کرنے کے باوجود یہ فقہ اہل سنت سے زیادہ قریب ہے جب کہ اہل سنت اور جعفری فقہوں میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ یہی حال زیدی فقہ کا بھی ہے۔ ذیل میں ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

فقہ زیدیہ کے ایک امام الهادی الی الحق الامام یحیٰ بن الحسین بن القاسم بن ابراہیم ابن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن السبط ابن امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہم السلام المتوفی ۲۹۸ھ نے اپنی کتاب "درر الاحادیث النبویہ بالاسانید الیحیویہ" میں یہ حدیث تخریج کی ہے۔

"قال یحییٰ بن الحسین علیه السلام حدثنی ابی عن ابیه عن ابن ابی اویس المدنی عن حسین بن عبدالله بن ضمیرة عن ابیه عن جده عن علی بن ابی طالب قال : قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم : لانكاح الا بولی وشاهدین" ۳۴۱

"یعنی یحیٰ بن الحسین کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی ہم سے ہمارے والد' انکے والد' ابن ابی اویس المدنی' حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ' ان کے والد عبداللہ' ان کے والد ضمیرہ۔ علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا : کوئی نکاح منعقد نہیں ہو گا مگر ولی اور دو گواہی کے ساتھ۔"

یعنی ان کے نزدیک نکاح میں ولی کی رضا اور دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اسی پر فقہائے احناف کا بھی فتویٰ ہے۔

"وقال ابو حنیفه : تزویج البکر البالغه العاقله بغیر رضاها لا یجوز لاحد بحال---الی ان قال---- وقال ابو حنیفه : یجوز سائر العصبات تزویجها غیر ان لا یلزم العقد فی حقها و یثبت لها الخیار اذا بلغت وقال ابو یوسف : یلزمها عقدهم"۔۳۴۲

"یعنی ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ : کنواری' عاقلہ اور بالغہ کا نکاح بغیر اس کی مرضی کے نہ باپ کر سکتا ہے اور نہ دادا---- یہاں تک کہ کہتے ہیں ---- اور ابو حنیفہ نے کہا : تمام رشتہ داروں کے لئے اس کا نکاح کر دینا جائز ہے مگر یہ کہ اس کا اس عقد پر قائم رہنا لازمی نہیں اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اختیار اس کے لئے ثابت ہو گا۔ ابو یوسف (شاگرد ابو حنیفہ) نے کہا کہ اس عقد پر باقی رہنا لازم ہو گا۔ (فتویٰ ابو یوسف کے قول پر ہے)

"ولا یصح النکاح الا بشهادة عند الثلاثه و قال مالک یصح من غیر شهادة الا انه اعتبر الاشاعه و ترک التراضی بالکتمان' حتی لو عقد فی السر والشروط کتمان النکاح فسخ عند مالک' و عند ابی حنیفه والشافعی واحمد لا یضر کتمانهم مع حضور شاهدین۔ ولا یثبت النکاح عند الشافعی و احمد الا بشاهدین عدلین ذکرین۔ وقال ابو حنیفه ینعقد برجل وامراتین و بشهادة

فاسقین "۔ ۳۴۳

"بغیر گواہی کے تینوں اماموں کے نزدیک نکاح صحیح نہیں اور مالک کہتے ہیں کہ بغیر شہادت کے نکاح درست ہے مگر اس کی تلافی اعلان نکاح اور نکاح کی اشاعت سے کی جائے اور اس میں رضا کو چھپایا نہ جائے یہاں تک کہ اگر چپکے سے نکاح کرلیا اور اسے چھپانے کی شرط کی تو مالک کے نزدیک نکاح فسخ ہوجائے گا اور ابو حنیفہ 'شافعی اور احمد کے نزدیک اگر دو گواہ موجود ہوں تو چھپانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور شافعی و احمد کے نزدیک بغیر دو عادل مرد گواہوں کے نکاح درست نہیں اور ابو حنیفہ کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور دو فاسقوں کی گواہی سے بھی۔"

زیدیوں اور احناف میں اتحاد فتاویٰ کی ایک مثال پیش کرنے کے بعد ہم روایات امامیہ اثنا عشریہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فروع کافی میں علامہ محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے روایت کی ہے :

"وعن عدة من اصحابنا عن سهل بن زياد عن دائود النهدى عن ابن ابى نجران عن محمد بن الفضيل قال : قال ابوالحسن موسىٰ عليه السلام لابى يوسف القاضى : ان الله امر فى كتابه بالطلاق و اكلفيه بشاهدين ولم يرض بهما الا عدلين و امر فى كتابه بالتزويج فاهمله بلا شهود فاثبتم شاهدين فيما اهمل 'وابطلتم الشاهدين فيما اكد"

۳۴۴۔

"محمد بن الفضیل روایت کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قاضی ابویوسف سے کہا کہ : اللہ نے اپنی کتاب میں طلاق کا حکم دیا اور اس میں دو گواہوں کی تاکید کی اور ان کے غیر عادل ہونے پر بھی راضی نہ ہوا اسی طرح اپنی کتاب میں اللہ نے نکاح کرنے کا حکم دیا لیکن اسے بغیر گواہوں کے چھوڑ دیا تو جس میں اللہ نے گواہوں کی شرط نہ رکھی اس میں تم نے گواہوں کو ضروری قرار دے ڈالا اور جس میں گواہوں کی موجودگی کی تاکید کی اس میں تم نے اس شرط کو باطل کر ڈالا۔"

اسی طرح احادیث سے ثابت ہے کہ جعفری فقہ میں بغیر ولی کے نکاح جائز ہے لیکن اگر ولی قرار دے لے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ "تزوج المراۃ من شاءت اذا کانت مالکہ لامرھا فان شاءت جعلت ولیا" ۳۴۵۔ دوسری حدیث میں ہے : "ھی املک بنفسھا تولی امرھا من شاءت" ۳۴۶۔ عورت شادی کرے جس سے کہ وہ چاہتی ہے اگر وہ اپنے امور کی خود مالک ہے اور اگر چاہے تو کسی کو ولی قرار دے لے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ۔ وہ اپنے نفس کی خود سب سے زیادہ مالک ہے ہاں اگر چاہے تو کسی کو ولی قرار دے سکتی ہے۔

اس تمام گفتگو سے ثابت ہوا کہ زیدیہ کے نزدیک نکاح کے شرائط میں ولی اور دو گواہ ضروری ہیں۔ اور حنفی فقہ اس امر میں ان کی ہم نوا ہے جب کہ جعفری فقہ اس میں زیدیوں کی مخالف ہے۔ اسی طرح کی اور بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی

ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

فقہ جعفریہ اور اس کی نشوونما

فقہی مکتب خواہ کوئی بھی ہو اس کی بنیادیں صرف اور صرف دو چیزوں پر اٹھائی گئی ہیں (۱) قرآن مجید اور دوسرے (۲) سنت۔ باقی رہے' اجماع' قیاس و اجتہاد وغیرہ تو یہ دراصل قرآن و سنت کے بارے میں ان مکاتب فقہ کے رویوں سے جنم لیتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم اسلام میں جتنے کلامی و فقہی مذاہب موجود ہیں وہ صرف انہیں دونوں اساسوں کے بارے میں مختلف رویوں اور روشوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ قرآنی آیات کی اصل تفسیر کیا ہے اور یہ کس طرح کرنی چاہئے۔ اس کے احکام کی نوعیت اور حیثیت کیا ہے' دلالت النص' عبارت النص اور اشارت النص کیا ہیں' صیغہ امر سے کیا مستفاد ہوتا ہے اور کیا صیغہ امر کو ہر جگہ محض وجوب کے لئے ہی سمجھا جائے گا۔ مجمل و مفصل کیا ہے۔ ترتیب نزول احکام کیا ہے' نسخ کیا ہے' منسوخ التلاوۃ کی کیا حقیقت ہے اسی طرح کے بے شمار فروع ہیں جن کا تعلق احکام قرآنیہ سے ہے اور جب ہم قرآن کے بعد سنت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے احکام کا استنباط مزید دشوار ہو جاتا ہے۔ راویوں کے اختلاف' طبقات صحابہ سے طبقات قبولیت حدیث کی طرف سفر انتہائی اہم اور مشکل کام ثابت ہوتا ہے پھر صحابہ میں فقیہ و غیر فقیہ' سابق الاسلام اور متوخر الاسلام' حافظہ و کردار' حکام وقت سے تعلقات کی بناء پر صحابہ اور تابعین و تبع تابعین سے قبول حدیث کے بارے میں بہت نازک بحثیں چھڑی ہوئی ہیں جن میں یہاں تک تشدد سے کام لیا گیا ہے کہ بعض افراد پر جرح موجب کفر قرار دے دی

گئی ہے اور بعض کو عادل ثابت کرنا ثقاہت کے لئے نقصان دہ بن جاتی ہے ایسی معرکہ آرائی مذہب کے لئے مفید کم اور مضرزیادہ ہے۔ ان بحثوں میں الجھنے کا نہ یہاں موقع ہے اور نہ ہی کتاب کی طوالت اس کی متحمل ہوسکتی ہے لہٰذا ہم ان مباحث کو ترک کرتے ہیں۔

کیونکہ ہم گزشتہ صفحات میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسے اور شاگردوں کا حال مختصراً قلم بند کرچکے ہیں لہٰذا یہاں ان کا اعادہ لایعنی ہے۔ جس طرح مختلف فقہی مذاہب کا ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے اسی طرح ہم یہاں ماخذ فقہ پر امام صادقؑ کی آراء نقل کرتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک پہلا ماخذ فقہ واحکام ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج متصور ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں جو روایات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں ان کا احصاء تو ایک مشکل امر ہے یہاں ہم چند روایات درج کرتے ہیں۔

(۱) "عن المعلی بن خنیس قال ابو عبدالله : مامن امر یختلف فیه اثنان الا وله اصل فی کتاب الله ولکن لا تبلغه عقول الرجال" ؎ ۳۴

"معلی بن خنیس روایت کرتے ہیں کہ ابو عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا : کوئی امر ایسا نہیں جس میں دو اشخاص آپس میں اختلاف کرتے ہوں اور اس کی اصل اللہ کی کتاب میں موجود نہ ہو لیکن ان تک لوگوں کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔"

(۲) "عن ابی عبدالله قال : ان الله تعالی انزل فی

القرآن تبیان کل شئی حق ' واللہ ما ترک اللہ شیئا یحتاج الیہ العباد حتی لا یستطیع عبد ان یقول : لو کان ھذا انزلہ فی القرآن الا و قد انزلہ" ۳۴۸

"یعنی امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق بات کا بیان قرآن مجید میں نازل فرمادیا اور قسم بخدا کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی جس کی بندوں کو احتیاج تھی یہاں تک کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش اللہ نے یہ بات قرآن میں نازل فرمائی ہوتی 'مگر یہ کہ اللہ نے اس کے متعلق حکم قرآن میں نازل فرمادیا ہے۔"

(۳) "وجاء فی الکافی عن ھشام بن الحکم وغیرہ عن ابی عبداللہ قال : خطب النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بمنی 'فقال : ایھا الناس ما جاءکم عنی یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ' و ما جاءکم یخالف کتاب اللہ فانا لم اقلہ" ۳۴۹

"کافی میں ہشام بن الحکم وغیرہ نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منیٰ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا : اے لوگو! جو بات تم تک میرے حوالے سے پہنچے اور وہ کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ بات میں نے کہی ہے اور جو بات مخالف قرآن تمہیں میرے حوالے سے پہنچے وہ میں نے نہیں کہی ہے۔"

ان تین روایتوں سے امام صادقؒ کے نزدیک قرآن کی اہمیت و جامعیت واضح ہوتی ہے نیز تیسری روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی صحت کا معیار موافقت

قرآن مجید ہے۔

ذیل میں ہم ایک اور اہم روایت درج کرکے دوسرے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

"اخبرونا ایها النفر الکم علم بناسخ القرآن من منسوخه و محکمه من متشابهه الذی ضل فیه من ضل و هلک من هلک من هذه الامه' فقالوا له : بعضه فاما کله فلا' فقال : فمن هنا اتیتم"۔ ۳۵۰

"اے لوگو! تم ہمیں یہ بتاؤ کہ تم قرآن کے ناسخ و منسوخ کا بھی علم رکھتے ہو اور اس کے محکم و متشابہ آیات کو بھی جانتے ہو کہ جس میں اس امت کے گمراہ ہونے والے گمراہ ہوگئے اور ہلاک ہونے والے ہلاک ہوگئے' تو ان لوگوں نے کہا: اس میں کچھ کا ہمیں علم ہے' کل کا نہیں! اس پر آپؑ نے فرمایا تم یہی کچھ لے کر آئے ہو؟"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مجتہد اور فقیہ کے لئے قرآن کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ کا عالم ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح امام صادق علیہ السلام کے نزدیک تفسیر بالرائے درست نہیں۔ عیاشی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"من فسر القرآن برایه ان اصاب لم یؤجر و ان اخطاء فهو ابعد من السماء"

"یعنی جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اور وہ صحیح نتیجے تک پہنچا

تو بھی اس کو کوئی اجر نہ دیا جائے گا اور اگر اس نے خطا کی تو وہ آسمان سے سب سے زیادہ دور رہو گا۔"

یقیناً فرقہ شیعہ میں "رائے" سے تفسیر حرام ہے لیکن اس رائے سے مراد عقل نہیں ہے کیونکہ خود قرآن مجید عقل کو استعمال کرنے پر زور دیتا ہے اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے بھی کثرت سے استعمال عقل پر زور دیا ہے۔ علامہ ابو زہرہ مصری تفسیر بالرائے کے حرام ہونے کے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"و خلاصه القول ان اخواننا الاثنا عشريه لا يمنعون الراى فى فهم القرآن جمله ولا يقبلونه جمله فهم يمنعون من خالف اقوال الاوصياء برايه و يمنعون الراى لمن لم يتاثر بعلم الائمه و يتشبع بالاقتداء بهم حتى تكون آرائوه منبعثه منهم و منازعه متجه اليهم"۔ ۳۵۱

"گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے شیعہ اثنا عشری بھائی فہم قرآن کے سلسلے میں رائے کے استعمال کو مکمل طور پر منع نہیں کرتے اور نہ ہی بلا روک ٹوک کے رائے کو قبول کرتے ہیں بلکہ وہ ایسی تفسیر کو منع کرتے ہیں جو اقوال ائمہ کے برخلاف ہو اور اس کی رائے کو قبول کرنے سے روکتے ہیں جس کی رائے علم ائمہ" سے ماخوذ نہ ہو بلکہ اس نے ائمہ کی اقتداء سے اپنے علم کی بھوک مٹائی ہو یہاں تک کہ اس کی آراء ان سے ماخوذ اور ان کی طرف متوجہ ہوں۔"

سنت فقہ جعفریہ میں احکام شریعت کا دوسرا بڑا اور معتمد ماخذ ہے لیکن نہ صرف یہ کہ سنت کی تعریف اہل تشیع اور اہل تسنن میں مختلف ہے بلکہ قبول روایت کا معیار بھی دونوں میں بہت مختلف ہے ہم گزشتہ صفحات میں امام بخاری کے ضمن میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ انہوں نے ہر قسم کے لوگوں سے روایات لی ہیں یہاں تک کہ خوارج سے بھی جن کا بر سر غلط ہونا نہ صرف یہ کہ شیعہ تسلیم کرتے ہیں بلکہ اہل سنت بھی انہیں غلط عقائد کا پیروی سمجھتے ہیں علمائے اہل سنت نے امام بخاری کی فروگزاشتوں کو معاف نہیں کیا بلکہ ان کی نشاندہی فرمائی ہے اس کا ایک ثبوت امام عبدالرحمن ابن ابی حاتم الرازی (المتوفی سنہ ۳۲۷ھ) کی کتاب "بیان خطاء محمد بن اسماعیل البخاری" ہے جس میں ۷۷ راویوں کے بارے میں امام بخاری کی غلطیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہمارے پاس موجود اور لائق ترجمہ ہے۔

فقہ جعفریہ میں سنت یا حدیث کی تعریف یوں کی جاتی ہے قول معصوم، فعل معصوم اور تقریر معصوم اور اس معصوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت فاطمہ الزہراء صلوات اللہ علیہا اور بارہ امام شامل ہیں جو فقہ جعفریہ کے مطابق سب کے سب معصوم عن الخطاء ہیں۔

جب کہ اہل تسنن کے نزدیک حدیث صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے باقی رہے آثار صحابہ و تابعین انہیں بھی اک گونہ تشریعی حیثیت حاصل ہے بلکہ پہلے دو خلفاء حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں اور احکامات کو تو خاص طور پر مستند و قابل استناد سمجھا جاتا ہے جب کہ فقہ جعفریہ میں ان کی حیثیت فقہی نظائر سے زیادہ نہیں۔

اہل تسنن میں پہلے تو بہت فراخدلانہ رویہ موجود تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ مختلف فقہی مکاتب وجود میں آتے گئے اور ان میں باہمی آویزشوں کی ابتداء ہوئی تو ان فرقوں میں آپس میں عموماً اور ان تمام فرقوں کی مشترکہ طور پر فقہ جعفریہ کے خلاف تحریک کا آغاز ہوا۔ ان میں سب سے کم تعصب ہم شافعیوں میں پاتے ہیں اور اہل بیت و اہل تشیع سے ان کی رواداری سب ائمہ سے زیادہ نظر آتی ہے کیونکہ خود انکے مرجع امام شافعی اپنے دیوان میں فرما گئے ہیں۔

ان کان رفضا حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافضی

"اگر حب آل محمد رفض ہے تو زمین و آسمان گواہی دے دیں کہ میں رافضی ہوں۔" (دیوان ص ۵۵)

ایک اور موقع پر خلفائے اربعہ کے متعلق کہا ہے۔

و ان ابابکر خلیفه ربه
وکان ابوحفص علی الخیر یحرص
واشهد ربی ان عثمان فاضل
وان علیا فضله متخصص

"اور یہ کہ ابوبکر اپنے رب کے خلیفہ تھے اور حضرت عمر خیر کے لالچی تھے اور میں گواہ بناتا ہوں اپنے رب کو کہ حضرت عثمان صاحب فضیلت تھے اور رہے حضرت علیؑ تو ان کی فضیلت تو مخصوص ترین تھی۔" (دیوان ص ۵۴)

چنانچہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کرام میں سے

اکثریت میں تشیع پایا جاتا تھا اور یہ کہ اگر ان راویوں کو چھوڑ دیا جائے تو بہت سے احکام کا ثابت ہونا مشکل ہو جائے کیونکہ ان کے بنیادی راوی جو تابعین سے لے کر تبع تابعین کرام ہیں وہ شیعہ ہیں۔ لیکن بعد میں تنگ نظری کی بناء پر اہل تشیع کی روایات کو رد کر دیا گیا بلکہ کسی راوی کو رد کرتے ہوئے ماہرین علم رجال جہاں دوسرے عیوب بیان کرتے ہیں وہاں ایک عیب رافضی ہونے کا بھی ہے خود ابن حجر نے بے شمار راویوں پر یہ الزام عائد کر کے اس کی روایت قبول کرنے سے منع کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فنی بحث کے لئے تدریب الراوی للسیوطی' التقیید والایضاح از عراقی' الباعث الحثیث ابن کثیر)

اسی طرح اہل تشیع میں راوی کے ثقہ ہونے کے لئے پہلی شرط محب اہل بیتؑ ہونا ہے اور اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھنا یا ان کا مخالف ہونا راوی کا سب سے بڑا عیب شمار ہوتا ہے۔ سوائے چند اشخاص کے استثناء کے جن کی وضاحت ہم نے اصول کافی کی اردو شرح و ترجمہ (جلد اول) کے مقدمے میں کی ہے۔ اس کی تائید امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے' جس میں عمومی طور پر مذہب عامہ کے خلاف چلنے اور عمل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ایک تو اسی مشہور روایت کا جزء ہے جو مقبولہ عمر بن حنظلہ کہلاتی ہے اور اصول کافی کی کتاب العلم باب اختلاف الحدیث کی دسویں روایت ہے۔ اس روایت میں عمر بن حنظلہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت حدیث میں پائے جانے والے اختلافات کو دور کرنے کے متعلق گفتگو کی ہے کہ اس کی کیا صورتیں ممکن ہیں اسی ضمن میں وہ سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"قلت : فان کان الخبران عنکما مشهورین

قدرواهما الثقات عنکم؟ قال : ینظر فما وافق حکمه حکم الکتاب والسنه و خالف العامه فیوخذبه ویترک ماخالف حکمه حکم الکتاب والسنه و وافق العامه"(الاصول من الکافی ج ۱ ۔ص ۶۸ مع مقدمہ علی اکبر الغفاری)

"میں نے کہا : اگر دونوں روایتیں آپ دونوں (امام باقر و صادق علیہما السلام) سے مشہور ہوں جن کو آپ سے قابل اعتماد راویوں نے روایت کیا ہو تو پھر کیا کریں؟ فرمایا : یہ دیکھو کہ کونسی روایت کتاب و سنت کے حکم سے موافق اور اہل سنت کے مخالف ہے پس اسی کو اختیار کرو اور جو حکم کتاب و سنت کے مخالف اور اہل سنت کے موافق ہو اسے ترک کردو۔"

علامہ مجلسیؒ نے اصول کافی کی جو شرح تحریر فرمائی ہے اس میں اسی حدیث کے ذیل میں ایک اور روایت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہے وہ یہ ہے :

"رواہ ابن الجمهور فی کتاب غوالی اللئالی عن العلامه مرفوعا الی زرارۃ بن اعین : قال : سالت الباقر علیه السلام فقلت : جعلت فداک یاتی عنکم الخبران اوالحدیثان المتعارضان فبایهما آخذ؟ فقال علیه السلام : یازرارۃ خذبما اشتهر به بین اصحابک ودع الشاذالنادر' فقلت یا سیدی انهما معا مشهوران مرویان ماثوران عنکم؟ فقال

علیہ السلام : خذ بقول اعدلھما و اوثقھما فی نفسک، فقلت : انھما معا عدلان مرضیان مؤثقان؟فقال : انظر ماوافق منھمامنھب العامہ فاترکہ و خذ بما خالفھم"(مراۃ العقول ج ا ۔ص۲۲۶۔۲۲۷)

"ابن الجمھور نے کتاب غوالی اللئالی میں زرارۃ بن اعین کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں آپ سے منسوب دو ایسی روایتیں ہم تک پہنچتی ہیں جو ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو ان میں سے کس پر عمل کریں؟ آپ نے فرمایا اے زرارۃ ان میں سے جو روایت تمہارے اصحاب کے درمیان مشہور ہو جبکہ شاذو نادر روایت کو چھوڑ دو۔ میں نے عرض کی اے میرے مولا اگر دونوں ہی آپ سے مروی اور مشہور ہوں تو کیا کریں؟ فرمایا : اس کا قول اختیار کرلو جو ان میں زیادہ عادل اور لائق اعتبار ہو تمہارے نزدیک۔ میں نے عرض کی اگر دونوں ہی عادل' لائق اعتبار اور پسندیدہ ہوں؟ فرمایا : پھر یہ دیکھو کہ ان دونوں میں سے جو اہل سنت کے موافق ہو اسے ترک کردو اور جو ان کے مخالف ہو وہ لے لو۔"

یہی وجہ ہے کہ حدیث صحیح کی جہاں تعریف کی جاتی ہے وہاں امامی اثناء عشری ہونے کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ مثلاً

"صحیح آں حدیثی است کہ راویان آں تمام دوازدہ امامی باشند ویکی از

ائمہ معصومین" آنهارا ۔صفت عدالت ستوده باشد (حدیث ما ص ۱۴۳ از محب الاسلام سید علی اکبر موسوی)

صحیح وہ حدیث ہے کہ جس کے تمام راوی اثنا عشری امامی ہوں اور ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک نے انہیں عادل قرار دیا ہو۔ اور مقدمہ مراۃ العقول میں "صحیح" کی تعریف یوں درج ہے :

"الصحیح : وهو ما اتصل سنده الی المعصوم بنقل الامامی العدل، عن مثله فی جمیع الطبقات (مقدمه مراة العقول ج۲ - ص۳۳۵ بقلم الاستاذ السید مرتضیٰ العسکری" حدیث صحیح وہ ہے جس کی سند عادل امامی کی نقل سے معصوم تک پہنچے اور اسی طرح کے تمام افراد تمام طبقات رواۃ میں ہوں۔

مذہب عامہ کے خلاف کیوں چلنا چاہیے؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب ہم امام صادق علیہ السلام ہی کی زبانی دیتے ہیں۔

"و رواه الصدوق فی العلل حدثنا ابی رحمه الله قال : حدثنا احمد بن ادریس عن ابی اسحاق الارجانی رفعه قال : قال ابو عبدالله اتدری لم امرتم بالاخذ بخلاف ما تقول العامه؟ فقلت : لا ندری، فقال : ان علیاً لم یکن یدین الله بدین الا خالف علیه الامه الی غیره ارادة لابطال امره و کانوا یسالون امیر المومنین عن الشئی الذی لا یعلمونه

فاذا افتاهم جعلوا له ضدا من عندهم لیلبسوا علی الناس (باب ۳۱۵ من المجلد الثانی ص۵۳۱ من علل الشرائع و رواه عنه الحر العاملی فی الوسائل ج۱۸ ص ۸۳)"

"شیخ صدوقؒ نے علل الشرائع میں ابی اسحاق ارجانی سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں کیوں یہ حکم دیا گیا ہے جو کچھ عامہ کرتے ہیں اس کے خلاف کرو؟ میں نے کہا ہم نہیں جانتے' آپؑ نے فرمایا : حضرت علی علیہ السلام دین خداوندی کا کوئی کام ایسا نہیں کرتے تھے کہ جس میں امت کے عام افراد ان کی مخالفت نہ کرتے ہوں تاکہ آپ کے حکم کو باطل ٹھہرا سکیں چنانچہ یہ لوگ امیر المومنین علیہ السلام سے ان تمام باتوں کے بارے میں پوچھتے تھے جس کے بارے میں انہیں کچھ علم نہ ہوتا تھا اور جب آپ اس کے بارے میں فتویٰ دیتے تو یہ لوگ اس کی مخالفت میں حدیث بنا لیتے تاکہ لوگوں پر اس امر کو ملتبس کر سکیں۔"

(۳) شریعت کا تیسرا اہم ماخذ امام صادق علیہ السلام کے نزدیک اجماع تھا لیکن یہ اجماع بھی شرکت معصومؑ سے ہونا چاہیے چنانچہ وہ روایت قبول کی جائے گی جس پر علمائے شیعہ کا اتفاق ہو نیز جو ان کے درمیان مشہور ہو۔ خود امام صادق علیہ السلام سے کافی میں یہ روایت موجود ہے جو مقبولہ عمر بن حنظلہ کا جزء ہے جس میں راوی نے پوچھا ہے کہ اگر دو ایسے راویوں (علماء) میں اختلاف ہو جائے جو دونوں عادل بھی ہوں اور پسندیدہ بھی اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جا سکے تو

اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا : "ینظر الی ما کان من روایتهم عنا فی ذلک الذی حکمابه المجمع علیه من اصحابک فیوخذ به من حکمنا و یترک الشاذ الذی لیس بمشهور عند اصحابک فان المجمع علیه لاریب فیه" (الاصول من الکافی ج ۱- ص ۶۸ دار الکتب الاسلامیه)

یہ دونوں جو احادیث ہم سے روایت کرتے ہیں ان میں سے یہ دیکھو کہ تمہارے ساتھیوں (علماء) کا اتفاق و اجماع کس پر ہے پس ہمارے اس حکم کو اختیار کرلو اور شاذ روایت کو چھوڑ دو یعنی جو تمہارے ساتھیوں میں مشہور نہ ہو کیونکہ جس روایت پر اجماع ہو اس میں کوئی شک نہیں۔

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مکتب امام صادقؑ میں اجماع کی بہت اہمیت ہے اسی لئے آپ یہ دیکھیں گے کہ شیخ الطائفہ الطوسی کی کتاب الخلاف میں جابجا اجماع کو اپنی دلیل قرار دیا گیا ہے۔

الدکتور مصطفیٰ ابراہیم الزلمی مدرس کلیتہ القانون والسیاستہ بجامعہ بغداد اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"للشعیه الامامیه مفهوم خاص للاجماع یختلف عن الاجماع بالمفهوم السابق لدی الجمهور فهو عندهم عبارة عن اتفاق جماعه یکشف اتفاقهم عن رای المعصوم لان اتفاق جمیعهم یحصل منه العلم بانه ماخوذ عن رئیسهم" (اسباب اختلاف الفقہاء فی احکام الشریعہ ص ۴۲۶)

”شیعہ امامیہ فرقے کے نزدیک اجماع کا مفہوم اس سے مختلف ہے جو گزشتہ صفحات میں اہل سنت کے حوالے سے بیان ہوا۔ شیعوں کے نزدیک اجماع عبارت ہے علماء کے اتفاق سے جو معصومؑ کی رائے کے متعلق ان کے درمیان پایا جاتا ہے کیونکہ ان سب کے اتفاق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بات ان کے رئیس مذہب (امامؑ) سے ماخوذ ہے۔“ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں القوانین المحکمہ الباب السادس)

علامہ حلی نے تحریر فرمایا ہے :

”اجماع امه محمد حق اما علی قولنا فظاهر لانا نوجب المعصوم فی کل زمان وهو سید الامه فالحجه فی قوله“ (مبادی الوصول فی علم الاصول ص ۱۹۰)

”یعنی امت محمدیہ کا اجماع یقیناً حق ہے لیکن ہمارے قول کے مطابق ظاہر یہ ہے کہ ہم ہر زمانے میں معصوم کا وجود واجب جانتے ہیں وہی زمانے کا سردار ہوتا ہے پس اسی کا قول حجت ہوتا ہے۔“

فخر المحققین و سند المجتہدین آیت اللہ فی الانام مجتہد العصر و الزمان جدنا المعظم العلامہ السید سبط حسین اعلی اللہ مقامہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :

”اعتقادنا معاشر الامامیه انه لابد فی کل زمان من وجود امام حافظ للشرع فمتی اجتمعت الامه علی قول لابد من دخول المعصوم علیه السلام فیه لانه سید الامه والخطاء مامون علی قوله و ذلک الاتفاق کاشف عن رای حجه الزمان علیه الصلوة

الملک المنان فیکون الاجماع حجه باعتبار کشف عن قوله علیه السلام لالکونه حجه فی نفسه" (عضب الله المصقول فی رد السیف المفلول ج ۲۔ ص ۵ ط ۱۳۰۹ھ لکھنو)

"ہمارے شیعہ فرقے کا اعتقاد ہے کہ ہر زمانے میں ایک امام موجود ہوتا ہے جو حافظ شرع ہوتا ہے تو جب امت کسی قول پر مجتمع ہو گئی تو ضروری ہے کہ اس میں معصوم علیہ السلام بھی شامل ہوں کیونکہ وہ امت کے سردار ہیں اور ان کے قول میں خطاء کا امکان نہیں اور یہ اتفاق حجت زمانؑ کی رائے کو واضح کرتا ہے پس اجماع قول معصومؑ کے کاشف کی حیثیت سے تو حجت ہوتا ہے فی نفسہ حجت نہیں ہوتا۔"

درج بالا گفتگو اور حوالوں سے نہ صرف یہ کہ قول معصومؑ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے بلکہ اجماع کی کیفیت اور نوعیت بھی واضح ہوتی ہے۔ امام صادقؑ کے جس قول کا اس بحث کی ابتداء میں حوالہ دیا گیا اس میں "ماکان من روایتهم عنا" اور "فیوخذ به من حکمنا" کے الفاظ شرکت معصومؑ کو بلاخوف تردید ظاہر کر رہے ہیں۔

(۴) عقل علمائے امامیہ کے نزدیک شریعت کا چوتھا ماخذ ہے اور اس بارے میں فقہ امامیہ کو امتیاز حاصل ہے۔ عقل کے بارے میں علمائے امامیہ میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ محض قرآن و حدیث پر چلنا چاہئے اور استنباط مسائل میں عقل کو استعمال نہیں کرنا چاہئے بلکہ نصوص شرعیہ اس سلسلے میں کافی ہیں اس طبقے کو اخباری یا غیر اصولی کہا جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ جسے اصولی کہا جاتا ہے

اجتہاد کا قائل ہے اس کے مطابق قرآن و حدیث سے بھی احکام کو محض عقل ہی کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے اور خاص طور پر ایسے پیش آمدہ مسائل جن کا کوئی جواب نصوص شرعیہ میں موجود نہیں ان کے لئے تو لازماً عقل ہی کا سہارا لینا پڑے گا۔ بغیر استعمال عقل استنباط مسائل بھی ممکن نہیں اور نہ ہی تفہیم مسائل ممکن ہے۔ اس بارے میں اصولی علماء کے موقف کا اظہار کرتے ہوئے علامہ ابو زہرہ مصری کہتے ہیں۔

"وان الامامیہ کما تری یقررون ان ما امر بہ العقل یکون مطلوباً وما نھی عنہ العقل یکون منھیا عنہ ولکنھم یاخذون بذلک علی اساس ان العقل فی ذاتہ غیر آمر او ناہ ولکنہ کاشف عن امر اللہ تعالٰی و نھیہ و بالتالی کاشف عن رای الامام فی الامر وان ذلک لا یمکن ان یکون الا بعد ان امر اللہ تعالٰی و نھی فی کتابہ و علی لسان رسولہ النبی الامین" ۳۵۲

"آپ نے دیکھا کہ امامیہ کے نزدیک یہ مقرر ہے کہ جس چیز کا حکم عقل کرتی ہے وہ شرعاً مطلوب ہے اور جس چیز سے عقل منع کرتی ہے وہ چیز شرعاً بھی منع ہی ہوگی۔ لیکن وہ یہ اس بنیاد پر کہتے ہیں کہ عقل فی ذاتہ نہ حکم کرنے والی ہے اور نہ ہی منع کرنے والی لیکن اللہ تعالٰی کے امر و نھی کو واضح کرنے والی ہے اور اسی کے تحت حکم کے بارے میں امامؑ کی رائے کو بھی واضح کرنے والی ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اللہ کا حکم یا نھی اس کتاب میں (قرآن میں) موجود نہ ہو یا رسول

اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی لسان صدق ترجمان پر جاری نہ ہو۔"

مذہب امامیہ میں عقل پر بہت زور دیا گیا ہے جو اجتہاد کی بنیاد ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ احادیث ائمہ علیہم السلام کے پہلے بڑے مجموعے الکافی (جس کے مصنف ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینیؒ ہیں) کی ابتداء کتاب العقل و الجہل سے ہوتی ہے نیز "الوافی" (محسن فیض الکاشانی) اور بحار الانوار (علامہ مجلسیؒ) کی ابتداء بھی کتاب العقل و الجہل ہی سے ہوتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت آپ کی تعلیمات اور آپ کے فقہی مدرسے و معاصرین کا شخصی و فکری جائزہ مختصراً ہم لے چکے۔ ان موضوعات پر جس قدر لکھا جائے کم ہے۔۔

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لئے

لیکن کتاب کی طوالت اس کی اجازت نہیں دیتی لہٰذا اس موضوع کو ہم اس مقام پر ختم کرتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ اور طبعی علوم

جہاں تک علوم دینیہ کا تعلق ہے تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ اکابر علمائے اسلام نے علوم دینیہ میں آپ کو اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم اور امام مانا ہے اور امام ابو حنیفہ و امام مالک کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات ہمہ جہت تھی، علوم عقلیہ اور علوم طبیعیہ میں بھی ہم آپ کو ایک ایسے مرتبے اور مقام پر دیکھتے ہیں کہ جس تک کوئی دوسرا عالم نہ پہنچ سکا۔ ذیل میں ہم امام علیہ السلام کی شخصیت کے اس پہلو پر مختصراً گفتگو کریں گے جو علوم طبیعیہ سے متعلق ہے۔

لوگ اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ائمہ علیہم السلام فزکس، کیمسٹری، ریاضیات وغیرہ دیگر علوم کے عالم تھے؟ اس کا جواب نفی یا اثبات میں دینا کچھ تفصیل طلب ہے لیکن ہر اس شخص پر جس نے ائمہ علیہم السلام کی سیرتوں کا تفصیلی مطالعہ کیا ہو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کو کسی مسئلے کا جواب دینے میں مہلت درکار نہ ہوئی خواہ وہ سوال کسی بھی شعبے سے متعلق ہو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ پوچھنے والے نے اپنا سوال مکمل کیا اور امامؑ نے جواب دے دیا۔ یہ کسی ایک امام کی خصوصیت نہیں یہی جلوہ ہمیں ہر امام کا نظر آتا ہے۔ اسی طرح ہم اخبار بالغیب کو دیکھتے ہیں کہ ہر امام نے مستقبل کے کسی اہم واقعے کی نشاندہی کی ہے اور وہ حرف بہ حرف پورا ہوا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر امام علی رضا

علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ "سوف لا یحج من ملوک بنی العباس احد بعد ھارون" بنو عباس کے حکمرانوں میں سے ہارون کے بعد اب کوئی حج نہیں کرے گا۔ اور یہی ہوا۔ اسی طرح آپؑ نے کہا تھا کہ "ھارون و انا کھاتین۔ و ضم اصبعیہ" ہارون اور میں اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر آپ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر اشارہ کیا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب امامؑ کی شہادت ہوئی تو ہم اس کا مطلب سمجھے یعنی میں اور ہارون برابر برابر دفن کئے جائیں گے۔

ان واقعات کے علم کے بارے میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ یہ وہ علم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت علی علیہ السلام کو منتقل کیا جس کے بارے میں خود حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے مجھ پر علم کے ہزار باب کھولے جس کے ہر باب سے میرے لئے مزید ایک ایک ہزار باب کھل گئے۔ یا دوسرے مقام پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ : جو کچھ مجھ سے پوچھنا ہو پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تم میں نہ رہوں۔ یہ علم کا خزینہ ہے۔ یہ لعاب رسولؐ ہے۔ یہ وہ علم ہے جو رسول اللہؐ نے مجھے اس طرح بھرایا تھا جس طرح طائر اپنے بچے کو بھراتا ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے : مجھ سے پوچھ لو کیونکہ میرے پاس اولین کا بھی علم ہے اور آخرین کا بھی۔ اسی طرح کی اور بھی روایات ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم حضرت علی علیہ السلام کے معلم اول تھے اور آپ کے علوم دیگر ائمہ علیہم السلام کو منتقل ہوئے۔

(۲) دوسری توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ یہ سب کچھ علم الہامی تھا جسے ہم محتاط الفاظ میں علم لدنی کہہ سکتے ہیں۔ یہ الہامی یا اکتشافی علم نہایت قابل اعتماد ہے اور اس نے انسانی زندگی کے بہت بڑے بڑے مسائل کو حل کیا ہے۔ علوم جدیدہ کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ تحقیق کرنے والے ڈاکٹر کو اچانک اپنے مسئلے کا حل سمجھ میں آیا ہے یا اس نے خواب میں بھی اپنے کو طبیعات و ریاضی کے اہم مسائل حل کرتے ہوئے دیکھا جس کے حل کے لئے وہ ایک مدت دراز سے محنت کر رہا تھا یا اسی طرح بہت سے آلات' کیمیائی ترکیبیں' دوا کے عناصر خواب میں معلوم ہوئے ہیں یا اچانک ان کا الہام ہوا ہے۔

حدیث میں ہے "العلم نور یقذفه الله فی قلب من یشاء" علم ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ جس شخص کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔۔۔۔۔

لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ علم محض مادی علم نہیں بلکہ اس کا تعلق دوسری طرف روحانیت' تزکیہ نفس' معارف الٰہیہ و فلسفہ الٰہیہ سے بھی ہے۔ مخلوق اللہ کی عیال ہے اور جو اس کے عیال کی پریشانیاں کم کرنے کی فکر کرتا ہے اللہ اس کی اعانت بھی فرماتا ہے۔ اس کا تعلق تزکیہ نفس اور اعمال صالحہ سے بھی ہے۔ یہ کون' حیات اور وجود کا علم ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں فرمایا گیا۔ "ان من احب عباد الله الیه عبدا اعانه الله علی نفسه' فاستشعر الحزن و تجلب الخوف فزهر مصباح الهدی فی قلبه" اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ جو بندہ محبوب ہوتا ہے اللہ اس کے نفس کے معاملے میں اس کی اعانت فرماتا ہے پس وہ اپنے اعمال پر رنجیدہ ہوتا ہے۔ خوف خدا اس میں پیدا ہو جاتا ہے اور چراغ ہدایت اس کے دل میں روشن ہو جاتا ہے۔ یہ وہ علم

ہے جو اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو دن کی ابتداء ہی اللہ کے خلوص سے کرتا ہے حدیث میں وارد ہے۔ "من خلص للہ اربعین صباحا جرت من قلبہ علی لسانہ ینابیع الحکمہ" جو اللہ کے لئے اپنی چالیس صبحیں خالص کرلیتا ہے اس کے قلب سے حکمت کے چشمے نکل کر اس کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں۔ جب عام افراد کا یہ حال ہے تو جو لوگ ایمان کی راہیں' حقائق کی کانیں' خلائق کے شفیع' رحمت الٰہی کی کنجیاں اور اس کی مغفرت کے ہار' اس کی رضا کے ابر گہربار' اس کے قصر ہدایت کے چراغ' اس کی فرقان کے عالم اور اس کے رازوں کے امین ہیں ان کی زبانوں پر جاری ہونے ولے علوم کا کیا حال ہوگا؟ ذیل میں ہم بعض اہم واقعات کا تذکرہ کریں گے جن کا تعلق ایک طرف تو الہام سے ہے اور دوسری طرف ایجاد سے۔

البرٹ آئن شائن کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے وہ نشوونما اور بولنے میں دوسرے بچوں سے کم تر تھا اور کند ذہن بھی لہٰذا اس کے والد آئن شائن کے لئے مختلف کھیلوں کا سامان لادیتے تھے تاکہ اس کا ذہن کچھ کام کرے۔ وہ بچوں میں بھی گھلتا ملتا نہیں تھا۔ اس نے اللہ کی عظمت اور دعا و استغفار پر مشتمل ایک قصیدہ یاد کر رکھا تھا بس وہ اسے پڑھتا رہتا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ طبیعات اور ریاضیات کا اتنا بڑا ماہر بن گیا کہ عقل دنگ ہے۔ وہ اپنے بارے میں کہتا ہے کہ : "ایک بجلی سی میرے دماغ میں کوندتی ہے اور مجھ پر بڑے بڑے انکشافات کرجاتی ہے۔"

انسولین کا موجود مشہور عالم سائنس دان بانٹینگ ذیابیطس کا علاج کرنا چاہتا تھا لیکن وہ دوا کی ایجاد سے مایوس ہوگیا۔ وہ کہتا ہے کہ رات میں دیر تک اپنے مشن میں لگا رہا پھر جب سونے کے لئے لیٹا تو نیم غنودگی میں محسوس ہوا جیسا کہ کوئی

کہہ رہا ہے کہ کتے میں تلی کی جھلی لگا کر سات سے آٹھ ہفتے کے لئے چھوڑ دو پھر اس کے جوس سے دوا بناؤ۔ باتنینگ کہتا ہے کہ میں جب صبح اٹھا تو ٹورنٹو یونیورسٹی کے شعبہ طب کے مشہور پروفیسر میکلوڈ کے پاس گیا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا تو وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ یہ بے تکا خواب ہے۔ لیکن باتنینگ کے بے حد اصرار پر اس نے اجازت دیتے ہوئے کہا کہ دسیوں کتے موجود ہیں تم اپنے تجربات کرلو۔ اس نے اپنے خواب کی ہدایات پر عمل کیا اور بالاخر ۲۷ جولائی ۱۹۲۱ء کو وہ اپنے تجربات میں کامیاب ہوگیا۔

جانسن اپنی کتاب "المسالہ الکبری" میں لکھتا ہے کہ مشہور موسیقار دی لیفد کے جو دو مشہور سر "لحن السماء" اور "اغنیہ العمیان" ہیں وہ اس نے خواب میں سن کر ایجاد کئے تھے۔ حالت خواب ہی میں اس نے یہ سر یاد کرلئے وہ کہا کرتے تھا کہ یہ دونوں سر اس کی ایجاد نہیں ہیں۔

ریاضی کا ایک مشہور عالم ہنری پوانکارہ گزرا ہے وہ کہا کرتا تھا ہم ماہرین ریاضیات ہیں ہم فزکس اور فلسفے کے لئے کام کرتے ہیں۔ لیکن معادلات جبریہ کے حل کے عمومی قانون کو وہ حل نہ کرسکا تو اسے اس کا مکمل حل حالت خواب میں لکھا ہوا نظر آیا۔

اسی طرح یہ بات تو بہت ہی مشہور ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے مشہور سائنس دان و ریاضی دان ڈاکٹر جیمس گریگوری کے بیشتر علمی انکشافات اسے نیند کے دوران ہی پتہ چلے۔

علم کے یہ دونوں چشمے یعنی فیضان علم رسولؐ اور الہام ربانی امام جعفر صادق علیہ السلام میں موجزن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو ہم آپ کو قرآن،

حدیث اور فقہ کے نکات حل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور دوسری طرف فلسفہ اور منطق نیز علوم طبی و طبعی کی نازک بحثوں کو آپ کی لسان صدق سے جاری ہوتے دیکھتے ہیں تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے "بهم عیش العلم و موت الجهل" انہیں کے ذریعے سے علم زندہ ہوتا ہے اور جہل نابود۔

لوگوں کو یہ حیرانی ہے کہ مدینے جیسے بعید از علم مقام میں رہنے والے شخص نے جابر بن حیان کو فن کیمیا میں کیسے طاق کیا انہیں حدیث مفضل بن عمرو اور حدیث اهلیلجہ کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ کس طرح امام علیہ السلام نے علوم کا سمندر کوزے میں سمویا ہے۔

سردست اس عنوان پر ہم تفصیلی گفتگو کرنا نہیں چاہتے بلکہ صرف ایک پہلو کو پیش کرنا چاہتے ہیں جسے تعصب نے معرض بحث میں لاکھڑا کیا ہے اور وہ ہے جابر بن حیان اور فن کیمیا کا مسئلہ۔

امام صادقؑ اور جابر بن حیان

علامہ جنابذی نے معالم العترۃ الطاھرۃ میں صالح بن اسود کی روایت درج کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام کو کہتے ہوئے سنا۔

"سلونی قبل ان تفقدونی فانه لا یحدثکم احد بعدی بمثل حدیثی"

"جو پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے تم مجھے نہ پاؤ کیونکہ جو گفتگو میں تم سے کرتا ہوں وہ میرے بعد کوئی دوسرا تم سے نہ کرے گا۔"

جابر بن حیان کی شخصیت خاصی متنازع ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا

کوئی وجود نہیں بعض اسے تاریخی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ہاشمی نے اس سلسلے میں ایک اہم کتاب "الامام الصادق : ملهم الكيمياء" لکھی ہے۔ جو اس موضوع پر اچھی خاصی روشنی ڈالتی ہے اور اب تحقیق نے اس بارے میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے کہ جابر بن حیان امام صادقؑ کا شاگرد تھا۔ اور امام صادق علیہ السلام نے اسے کیمیاء پر پانچ سو رسائل املاء کروائے۔

مشہور مستشرق اور سائنس دان روسکا کہتا ہے کہ :

"انه لمن المستحيل على جعفر ان يكون كيميائيا فليس من الممكن ان يتعاطى تلك الصنعه سواء كان نظريا ام عمليا وهو فى المدينه"

(ملهم الكيمياء ص ۴۷)

"جعفر صادقؑ کے لئے یہ محال ہے کہ وہ ماہر کیمیاء ہوں اور اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ مدینہ میں رہنے والا شخص نظری (Theoritically) یا عملی (Practicaly) طور پر اس صنعت کا موجد ہو-----"

اس قسم کی باتیں کہنا نہ صرف یہ کہ تاریخ طبیعات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں مشہور سائنس دانوں کے الہام کے واقعات لکھ آئے ہیں۔ بلکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے جو چیز مجسم طور پر آپ کے سامنے موجود ہو وہ از حد محیرالعقول ہونے کے باوجود بھی لائق اثبات ہی ہے اس کی تردید ایک بے تکی سی بات ہے جب کہ ہمیں علماء و مفکرین کی ایک بڑی تعداد اس امر کا اظہار کرتی نظر آتی ہے کہ جابر بن حیان امام صادق علیہ السلام کا شاگرد تھا اور کیمیاء میں اس کی مہارت امام علیہ السلام ہی کے طفیل تھی۔ دوسری بات یہ کہ خود جابر نے

اپنے رسائل میں بار بار اس کا اظہار کیا ہے اس قوی ترین داخلی شہادت کے بعد کوئی وجہ تردید نہیں رہ جاتی۔ ذیل میں ہم دونوں پہلوؤں سے اس پر گفتگو کریں گے۔

(۱) مشہور سائنس دان ہولیمارڈ کہتا ہے کہ : جابر امام صادق علیہ السلام کا شاگرد تھا یا دوست تھا اور اس نے اپنے اس امام کو اپنے لئے سند' مددگار' راہنما' امین اور ایک ایسا مرجع پایا جس کی صحبت سے وہ مستغنی نہیں ہو سکتا تھا۔ جابر نے اپنے استاد کے حکم سے اسکندریہ میں رہنے والے اس فن کے ماہرین کی کتابوں کو نقل کرنا شروع کیا اور اس میں انتہائی کامیابی حاصل کی اس لئے ضروری ہے کہ اس کا نام اس فن کیمیاء کے بزرگ ترین ماہرین کے ساتھ لیا جائے۔ (الامام الصادق : ملھم الکیمیاء ص ۳۷)

(۲) الاستاذ محمد صادق نشات لکھتے ہیں : جابر بن حیان نے امام علیہ السلام سے سن کے سینکڑوں رسائل لکھے جن میں سے پانچ سو رسائل آج سے تین صدی قبل جرمنی مں شائع ہوئے تھے ان میں سے اکثر برلن اور پیرس کی لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ جابر کی تصانیف کی تعداد تین ہزار نو سو تک پہنچتی ہے۔ (الدلائل والمسائل ص ۵۲) فہرست ابن ندیم میں جابر بن حیان پر ایک پورا باب ہے اس کا مکمل مطالعہ قارئین کے لئے مفید ہو گا۔

(۳) شمس الدین احمد بن ابی بکر بن خلکان المتوفی سنہ ۶۸۱ھ میں امام صادق علیہ السلام کے حالات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وکان تلمیذہ ابو موسی جابر بن حیان الصوفی الطرسوسی قد الف کتابا یشتمل علی الف ورقہ تتضمن رسائل جعفر الصادق

وھی خمسمائه رسالہ" (وفیات الاعیان ۱/۲۹۱) یعنی ان کے شاگردوں میں ابو موسیٰ جابر بن حیان الصوفی الطرسوسی ہے جس نے ایک ہزار صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے جس میں امام جعفر صادقؑ کے رسائل ہیں ان کی تعداد پانچ سو ہے۔

(۴) پطرس بستانی نے لکھا ہے : "ولقب بالصادق لصدقه فی مقالته و فضله عظیم وله مقالات فی صناعه الکیمیاء" (دائرۃ المعارف ۶/۴۷۸) آپ اپنی سچائی کی وجہ سے صادق کے لقب سے ملقب ہوئے آپ کی فضیلت عظیم ہے اور آپ کے بعض رسائل صنعت کیمیاء میں ہیں۔

(۵) استاذ محمد صادق نشات لکھتے ہیں : "ان کتب العملاق العربی (جابر بن حیان) تترجم الی اللاتینیه حال الحصول علیها وان الکیمیائی الانکلیزی بریستلی یتعلم اللغه العربیه یطلع بنفسه علی روائع جابر بن حیان" (اشعه من حیاة الصادقؑ - ص ۳۶) اس عرب دانشور جابر بن حیان کی کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ کی گئیں تاکہ ان تک رسائی ہوسکے اور انگریز کیمیا دان بریسٹلی نے عربی زبان سیکھی تاکہ وہ جابر بن حیان کے کارناموں کو خود مطالعہ کرسکے۔

(۶) علامہ خیرالدین زرکلی نے امام صادق علیہ السلام پر گفتگو کرنے کے بعد لکھا ہے کہ : "و صنف تلمیذه جابر بن حیان کتابا فی الف ورقه یتضمن رسائل الامام جعفر الصادق وھی خمسه رسالہ" (الاعلام ۱/۱۸۶) اور آپؑ کے شاگرد جابر بن حیان نے ایک ہزار صفحے کی

کتاب لکھی ہے جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ سو رسائل شامل ہیں۔

(۷) ڈونالڈسن نے لکھا ہے کہ : جابر بن حیان امام صادقؑ کا شاگرد تھا تاریخ ادب (ھوارث) میں یہی لکھا ہے نیز یہ کہ جابر بن حیان نے اپنے استاد امام جعفر صادق علیہ السلام کے عمل کیمیا پر دو ہزار صفحے لکھے ہیں۔(حیاۃ الصادق للسبیتی ص۲۶)

(۸) عبداللہ بن اسعد الیافعی جو مشہور صوفی، مورخ اور عالم گزرے ہیں اپنی کتاب میں امام صادقؑ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "قد الف تلمیذہ جابر بن حیان الصوفی کتابا یشتمل علی الف ورقہ ینضمن رسائلہ وھی خمسمائہ رسالہ"(مراۃ الجنان ۱/ ۳۰۴) ان کے شاگرد جابر بن حیان نے آپ کے رسائل پر مشتمل ایک کتاب ہزار صفحے کی تالیف کی اس میں آپؑ کے پانچ سو رسائل جمع ہیں۔

(۹) ہالینڈ کا سائنس دان فانڈیک کہتا ہے : جابر عرب کا مشہور ترین کیمیاء دان ہے اس نے امام صادقؑ کی شاگردی اختیار کی تھی۔(اشعہ من حیاۃ الصادقؑ ۳۹)

(۱۰) محمد فرید وجدی جیسے عالم اجل نے لکھا ہے کہ "ولہ مقالات فی صناعہ الکیمیاء وکان تلمیذہ ابو موسی جابر بن حیان الصوفی فی الطرسوسی قد الف کتابا یشتمل علی الف ورقہ یتضمن رسائل جعفر وھی خمسمائہ رسالہ" صنعت کیمیاء میں بھی آپؑ کے رسائل ہیں اور آپؑ کے شاگرد ابو موسیٰ جابر بن حیان الصوفی الطرسوسی ۔نے ایک ہزار صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جس میں آپ کے

پانچ سو رسائل جمع ہیں۔(دائرۃ معارف القرآن الرابع عشر ۳/۱۱۰)

(۱۱) یوسف یعقوب مسکونی نے لکھا ہے : "ھذا الامام الذی اشتہر علاوۃ علی دینہ و تقواہ بامور صناعہ الکیمیاء فکان مثالا للامام" (الامام الصادق ملھم الکیمیاء ص ۴۰) یہ وہ امام ہیں کہ جو اپنے دین اور تقوے کے علاوہ فن کیمیاء میں بھی مشہور ہیں آپ امام کے لئے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔

(۱۲) مشہور مصری عالم وفقیہ ابو زہرہ نے اس مسئلے پر طویل بحث کی ہے اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں : "ان الامام الصادق کان یلم بالعلوم الکونیہ و الطبیعیہ لانہ کان یحکم علیھا---- ای رسائل جابر ---- بالصدق احیانا و بالغموض احیانا۔ وان ذلک بلاریب تصرف العارف بموضوعھا ولیس بتصرف الجاھل بغموضھا" (الامام الصادق لابو زہرہ ص ۱۰۲) یعنی امام صادقؑ علوم کونیہ و طبیعہ کو بھی گہرائی تک جانتے تھے کیونکہ وہ جابر کے رسائل پر حکم لگاتے تھے کبھی تصدیق کرتے اور کبھی پڑھتے ہوئے خاموش آگے گزر جاتے۔ بلاشبہ یہ ایک ایسے شخص کا تصرف ہوتا جو موضوع سے کماحقہ واقف ہو اور آپ کی خاموشی جاہل کی خاموشی نہ ہوتی جو اس کے اسرار و غموض کو جانتا ہی نہ ہو۔

ان حوالوں سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جابر بن حیان امام صادق علیہ السلام کے شاگرد اور ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے فن کیمیاء میں آپ امام سمجھے جاتے تھے اور یہ سب امام صادق علیہ السلام کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ جابر نے بے پناہ لکھا۔ تین ہزار نو سو کتابیں ان سے منسوب ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے کیمیاوی اجزاء

کی دریافت کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ ہم سردست اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتے خدا نے توفیق دی تو کم از کم سو صفحے کی کتاب جابر اور ان کے کارناموں پر لکھیں گے۔ اب ہم جابر کے بارے میں ابن ندیم وراق کا مقالہ بعینہ پیش کرتے ہیں۔

ابن ندیم لکھتا ہے کہ۔

ابو عبداللہ جابر حیان بن عبداللہ کوفی معروف بہ صوفی ہیں ان کے بارے میں لوگوں کی آراء مختلف ہیں۔ شیعہ اس کو اپنے اکابر اور ابواب میں سے گردانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ جعفر صادقؑ کا صحبت یافتہ تھا اور کوفے کا باشندہ تھا۔

فلاسفہ کا ایک گروہ اس کو اپنی جماعت کا فرد قرار دیتا ہے اور منطق و فلسفے سے متعلق کتب کا اسے مصنف قرار دیتا ہے' سونا چاندی بنانے والے دعوئ کرتے ہیں کہ اپنے زمانے میں یہ شخص اپنے فن کا امام تھا۔ مزید تفصیلات پردۂ خفاء میں ہیں کہتے ہیں حکومت کے ڈر سے یہ ہمیشہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتا رہتا تھا اور کسی جگہ مستقل قیام نہ کرتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ برامکہ سے تعلق رکھتا تھا۔ انہیں کے ساتھ وابستہ تھا نیز یہ کہ جعفر بن یحیٰ سے اسے خصوصی تعلق تھا۔ جو لوگ اس نظریے کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ جب اپنے آقا جعفر کا ذکر کرتا تھا تو اس سے جعفر برمکی مراد ہوتا تھا مگر شیعہ علماء کے نزدیک اس سے مراد امام جعفر صادقؑ ہوتے ہیں۔

صنعت کیمیاء کے ایک ماہر و ثقہ آدمی نے مجھے بتایا کہ یہ شارع باب الشام کے ایک کوچے میں آکر قیام کرتا تھا جو "درب الذہب" کے نام سے مشہور تھا اس شخص نے مجھے بتایا کہ اکسیر سازی میں کامیابی کے لئے کوفے کی آب و ہوا

چونکہ مناسب تھی اس لئے جابر زیادہ تر کوفے میں اکسیر بنانے میں مصروف رہتا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوفہ کی ایک مستطیل عمارت کو دیکھا گیا تو وہاں سے دو سو رطل کے وزن کا ایک ہاون ملا۔ اسی شخص کا بیان ہے کہ جابر بن حیان کا گھر اسی جگہ تھا اور یہاں سے ہاون کے علاوہ اور کوئی شئے نہیں ملی اور جابر نے یہاں ایک اور مقام تحلیل و تعقید کے لئے بنا رکھا تھا (Analization and composition) یہ واقعہ عزالدولہ بن معزالدولہ کے عہد کا ہے۔ مجھے خود ابو سبکتگین ستاردار نے بتایا کہ وہ اس کوچہ میں گیا اور ہاون لے لیا۔ اہل علم اور اکابر وراقین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس شخص یعنی جابر کا کوئی وجود نہیں۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ واقعا اگر اس کا کوئی وجود تھا تو کتاب الرحمہ کے سوا اس کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ یہ کتابیں دوسرے لوگوں کی تصنیفات ہیں جو انہوں نے اس کی طرف منسوب کردیں۔

میں (ابن ندیم) کہتا ہوں کہ ایک فاضل شخص تصنیف و تالیف کی غرض سے بیٹھتا ہے' محنت کرتا ہے اور تقریباً دو ہزار صفحے کی کتاب معرض وجود میں لے آتا ہے جس کی ترتیب د یہ میں اس نے اپنے ذہن و فکر کو تھکا دیا ہے اور جسم و ہاتھ کو انتہائی مشقت میں ڈالا ہے کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ یہ شخص اپنی اس محنت کو زندہ یا مردہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کردے ایسا فرض کرنا سراسر جہالت ہے جس کی کسی بھی ایسے شخص سے توقع نہیں ہوسکتی جو ایک ساعت کے لئے بھی زیور علم سے آراستہ ہو۔ آخر اس کو اس حرکت سے کیا فائدہ اور حاصل؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص موجود ہے اس کی سرگرمیاں ظاہر اور آشکار ہیں

اس کی تصانیف اہمیت و عظمت کی حامل اور کثیر ہیں۔ مذاہب شیعہ کے بارے میں بھی اس نے کتابیں تصنیف کیں جن کا ذکر ہیں (ابن ندیم) نے مناسب مقام پر کیا ہے دیگر مختلف علوم سے متعلق بھی اس نے کتابیں لکھیں جن کا تذکرہ کتاب کے اصل مقام پر کیا جاچکا ہے۔ کہتے ہیں یہ خراسانی الاصل ہے۔ رازی اپنی ان تصانیف میں جو فن کیمیاء کے موضوع پر ہیں ان کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتا ہے۔ ہمارے استاد ابو موسیٰ جابر بن حیان اس طرح فرماتے ہیں۔

اس کے تلامذہ

خرقی مدینہ میں سکہ خرقی اسی کی طرف منسوب ہے ابن عیاض مصری اور اخمیمی۔

ان الفاظ کے بعد ابن ندیم نے جابر کی ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے خود دیکھیں یا قابل اعتماد لوگوں نے دیکھیں اور انہیں بتائیں ہم خوف طوالت سے اس فہرست کو ترک کرتے ہیں۔ جابر بن حیان کی شخصیت پر علیحدہ کتاب میں ان پر بحث کریں گے۔ (ابن ندیم ص ۸۲۱-۲۳)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حکمران وقت

"قال الامام الصادقؑ : اوصیکم بتقوی اللہ واجتناب معاصیہ' واداء الامانہ لمن ائتمنکم و حسن الصحابہ لمن صحبتموہ وان تکونوا لنا دعاۃ صامتین"

"امام جعفر صادقؑ نے فرمایا : میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے اور اس کو امانت لوٹانے جو تمہارے پاس امانت رکھوائے اور جو تمہاری صحبت اختیار کرے اس سے اچھی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور میں تمہیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ ہمارے خاموش مبلغ بنو۔"

امام ہادی ہوتا ہے' راہنما ہوتا ہے' وہ لوگوں کو ظلمت کدوں سے نکال کر خدائے واحد کی عبادت گاہوں میں لانے والا ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن کی قرات ٹھیک کرنے اور محض نماز پڑھانے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ اتباع رسولؐ میں وہی فرائض انجام دے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انجام دیتے تھے یعنی تلاوت آیات' کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس۔ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی اور امام دونوں کی ذات ایک ہمہ گیر معلم کی بن جاتی ہے اور کیونکہ سیاست بھی ہمارے معاشرے کی ایک اہم خصوصیت ہے اس لئے ہمیں اس میدان میں صحیح روش اختیار کرنے کے لئے سیاسی معاملات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روش کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

امام جعفر صادقؑ اموی عہد میں

یوں تو اموی دور حکومت کی ابتداء حضرت عثمانؓ کے عہد سے ہوتی ہے اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ انہیں کے عہد میں بنوامیہ کو بساط اسلام پر اپنا کھیل کھیلنے کا نہ صرف یہ کہ موقع ملا بلکہ بنوامیہ نے انہیں کے عہد میں اپنی جڑیں مضبوط کیں اور گویا شجر اسلام کو اکھاڑ کے اسی زمین میں اپنا درخت لگا دیا۔ حضرت عثمان نے جس طرح عمر رسیدہ صحابہ کو معزول کر کے بنوامیہ کے نوعمر لڑکوں کو حاکم بنایا وہ تاریخ اسلام کا ایک ناپسندیدہ باب ہے۔ بہرحال واقعات پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پابند نہیں۔ جو ہوا وہ غیر دانستہ طور پر نہیں بلکہ دانستہ طور پر ہوا۔ ہمیں سردست اس کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں لیکن ذیل میں ہم آل ابوسفیان سے اقتدار کی بنو حکم (یعنی بنو مروان) کو منتقلی پر بحیثیت پس منظر کے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

آل ابوسفیان سے آل مروان کو اقتدار کی منتقلی

یزید بن معاویہ بن ابوسفیان کا اقتدار ۶۴ھ میں ختم ہوگیا گویا ظلم و بربریت کی سیاہ رات میں ذرا سی دیر کے لئے سپیدۂ صبح نمودار ہوا کیونکہ اس کا بیٹا معاویہ بن یزید بن معاویہ سریر آرائے سلطنت ہوا لیکن وہ زیادہ عرصے حکمران نہ رہا اور حکومت چھوڑ کے علیحدہ ہوگیا۔

معاویہ بن یزید بن معاویہ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن، ابویزید اور ابولیلیٰ تھی یہ اپنے ملعون باپ کے بعد ربیع الاول ۶۴ھ میں تخت پر بیٹھا۔ تذکرہ نگاروں، مورخوں اور علماء کے نزدیک وہ ایک صالح نوجوان تھا اس کی مدت خلافت صرف

چالیس دن تھی۔ وہ اقتدار میں آیا تو اس نے ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ ہم مشہور محدث ابن حجر مکی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں :

"ان هذه الخلافه حبل الله وان جدی معاویه نازع الامر اهله ومن هو احق به منه علی بن ابی طالب (علیه السلام) ورکب بکم ما تعلمون حتی اتته منیته فصار فی قبره رهینا بذنوبه' ثم قلد ابی الامر' وکان غیر اهل له' ونازع ابن بنت رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) فقصف عمره و ابتر عقبه و صار فی قبره رهینا بذنوبه--- ثم بکی و قال : ان من اعظم الامور علینا علمنا بسوء مصرعه و بئس منقلبه' و قد قتل عترة رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) واباح الخمر وخرب الکعبه۔ ولم اذق حلاوة الخلافه' فلا اتقلد مرارتها فشانکم امرکم والله لان کانت الدنیا خیرا فقدنلنا منها حظا ولان کانت شرا فکفی ذریه ابی سفیان ما اصابوا منها"۔ ۳۵۳

"بے شک یہ خلافت اللہ کی رسی ہے اور بے شک میرے دادا معاویہ نے اس امر کے بارے میں اس کے اہل سے جھگڑا کیا اور جو شخص خلافت کا اس سے زیادہ اہل تھا وہ ذات علی بن ابی طالب (علیہ السلام) کی تھی اور تم پر وہ جس طرح مسلط ہوا وہ تمہیں معلوم ہی ہے یہاں تک

کہ اس کو موت آگئی اور وہ اپنے گناہوں کا اسیر ہو کر اپنی قبر میں چلا گیا۔
پھر میرے باپ نے خلافت کے قلادے کو پہن لیا حالانکہ وہ بھی اس کا
اہل نہ تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے
سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کی عاقبت ابتر ہو گئی اور
وہ بھی اپنے گناہوں کا بوجھ لئے اپنے قبر میں چلا گیا۔۔۔۔ پھر معاویہ بن
یزید رونے لگا اور کہا۔ جو بات ہمارے لئے سب سے بڑھ کر ہے وہ یہ ہے
کہ ہم اس کے انجام بد اور بری حالت میں اللہ کی طرف پلٹنے کو جانتے
ہیں۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کو قتل کیا'
شراب کو جائز قرار دیا اور کعبے کو خراب کیا۔ لیکن میں نے اس خلافت
کی مٹھاس نہیں چکھی اور نہ ہی اس رسی کو اپنے گلے میں ڈالنا چاہتا
ہوں۔ پس تم لوگ جو چاہو کرو۔ قسم بخدا! اگر دنیاداری میں کوئی بھلائی
تھی تو ہم نے اس میں سے اپنا حصہ پا لیا اور اگر یہ سراسر برائی تھی تو
اولاد ابوسفیان کو جتنی یہ مل چکی وہی کافی ہے۔"

اس خطبے کے بعد وہ لوگوں سے کبھی نہ ملا اور نہ ہی اس نے کوئی کام کیا نہ ہی وہ
لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ اس کا انتقال ۲۱ سال کی عمر میں اور بعض مورخین
کے مطابق ۲۳ سال کی عمر میں ہوا۔ دمشق میں باب الصغیر کے مقابر میں اسے دفن
کیا گیا۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ جب اس کا وقت وفات قریب آیا تو اس سے
لوگوں نے کہا کیا تم کوئی وصیت کرنا پسند کرو گے؟ معاویہ بن یزید نے جواباً
کہا: میں اس رسی کو اپنی زاد راہ قرار نہیں دیتا اور اس کا پھندا بنو امیہ کے لئے
چھوڑتا ہوں۔ جب اسے دفن کرنے لگے تو مروان وہاں پہنچ گیا اور کہا کیا تم جانتے

ہو کہ تم کسے دفن کر رہے ہو' لوگوں نے کہا ہاں معاویہ بن یزید کو ہم دفن کر رہے ہیں۔ مروان نے یہ سن کر کہا یہ وہی ابولیلیٰ ہے جس کے بارے میں الفزاری کہتا ہے۔

انی اری فتنہ تغلی مراجلها
والملک بعد ابی لیلیٰ لمن غلبا

"میں ایک فتنہ دیکھ رہا ہوں جیسے دیگ کا ابال اور ابولیلیٰ کے بعد حکومت تو اس کی ہوگی جو غلبہ پالے گا۔"

گویا یہ شعر پڑھ کر مروان نہ صرف آنے والے فتنوں کی نشاندہی کر رہا تھا بلکہ اپنے غلبے کے لئے اپنی کوششوں کی طرف بھی اشارہ کر رہا تھا چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مروان اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور خلافت اس کی طرف منتقل ہوگئی۔

یہ بہت پر آشوب عہد تھا۔ ہر طرف فتنہ و فساد' تعصب و نفرت پھیلی ہوئی تھی اور جنگ کے شعلے ہر سمت بھڑک رہے تھے۔ مروان نے حکومت تو حاصل کرلی لیکن وہ زیادہ عرصے حکمران نہ رہ سکا اور سن ۶۵ھ میں اس کی بیوی ام خالد بن یزید نے اسے قتل کردیا اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو عورتوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

مروان کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان نے زمام حکومت سنبھالی۔ حالات بہت دگرگوں تھے' ہر طرف بنوامیہ کی بداعمالیوں کی وجہ سے فتنہ و فساد اور چھوٹی بڑی بغاوتیں موجود تھیں۔ عبداللہ بن زبیر کا خروج' مختار بن ابوعبیدہ ثقفی نے خون امام حسین علیہ السلام کا بدلہ اسی کے عہد میں لیا۔ لیکن عبدالملک تاریخ کے جابر ترین اور سفاک حکمران کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جس کی تلوار سے

خون ٹپکتا رہتا تھا اور "گردن ماردو" جس کا تکیہ کلام تھا۔ اسی کے عہد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ وہ عہد تھا کہ قسی القلب حکمران مسلمانوں پر مسلط تھے۔ فساد کے داعی ہر طرف پھیلے ہوئے تھے' راہبران جور کی حکومت تھی اور وہ لوگ سریر آرائے سلطنت تھے جو اپنے رہبروں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے انسانی لاشیں تحفتاً بھیجتے تھے۔ الامان من اللہ الحفیظ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی نشوونما اپنے دادا امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کی آغوش تربیت میں ہوئی جن کا سایہ قریباً ۱۲ سال تک آپؑ کے سر پر رہا یا بعض روایات کی بناء پر ۱۵ سال تک آپؑ اپنے جد نامدار کے فیوض سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپؑ کی تربیت امام محمد باقر علیہ السلام نے کی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ اہل بیت اور دوستداران اہل بیت علیہم السلام کے لئے انتہائی سخت عہد شمار ہوتا ہے جس میں نہ انسانوں کی حرمت باقی تھی' نہ دین کی کوئی قدر و قیمت تھی' نہ عوام کی کوئی شنوائی تھی' بلکہ صرف اور صرف شخصی قانون چلتا تھا۔ یہ عہد حضرت علی علیہ السلام پر منبروں سے سب و شتم کا عہد تھا اور اہل بیت علیہم السلام ان تمام ناانصافیوں کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کر رہے تھے۔

اسی عہد میں جناب زید بن علیؑ یعنی آپؑ کے چچا نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا اور انتہائی بے دردی سے شہید کیے گئے۔ امام صادق علیہ السلام نے شہادت کی خبر سنی تو آپ کے قاتلوں پر لعنت کی۔ اس خروج نے اہل بیتؑ پر عرصہ حیات تنگ کرنے میں واضح کردار ادا کیا۔ اور اسی کے بعد ہشام نے حکم دیا

کہ اہل بیت پر زندگی دشوار اور جیلوں کو ان سے بھر دیا جائے۔ ہوا داران اہل بیت پر اس کے ظلم و تشدد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے گورنر یوسف بن عمر الثقفی کو حکم دیا کہ جناب زید کا مرثیہ لکھنے والے شاعر کمیت بن زیاد کی زبان اور ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ اسی طرح اس الزام کے تحت کہ اہل مدینہ زید بن علیؑ کی طرف میلان رکھتے ہیں ان کا وظیفہ بند کر دیا۔ نیز ظلم و جور کے ذریعے آل ابی طالبؑ کو مجبور کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ جناب زید بن علیؑ سے برات کا اظہار کریں۔ جناب زید کے خروج کے بعد ان کے قاتلوں پر ائمہ علیہم السلام کی لعنت مختلف کتابوں میں ملتی ہے لیکن کیا جناب زید کو خروج کے سلسلے میں ائمہ علیہم السلام کی تائید حاصل تھی؟ یا مجموعی طور پر جناب زید کے رویے کی ائمہ علیہم السلام نے کس حد تک تائید کی؟ یہ ایک متنازع بحث ہے جسے ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن یہ بات درست ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد اہل بیت کو سب سے زیادہ نقصان جناب زید کے خروج کے بعد پہنچایا گیا۔

ان تمام سختیوں کے باوجود اہل بیت کی دعوت و ارشاد جاری رہا اور اندر ہی اندر بنوامیہ کے خلاف ان کی ناشائستہ اور بے تکی حرکتوں کی وجہ سے مواد پکتا رہا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو مدرسہ قائم کیا تھا' وہ عالم اسلام کے مختلف اطراف و اکناف کو بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر متاثر کر رہا تھا۔ طے شدہ بات ہے کہ خواص کا متاثر ہونا عوام کے متاثر ہونے سے زیادہ اہم ہے کیونکہ خواص ہی عوام کا مزاج بناتے اور بدلتے ہیں۔ جو شخص بھی امام علیہ السلام کے حلقہ درس میں آتا تھا آپؑ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور جیسا کہ آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ امام علیہ السلام نے اپنے حلقہ درس سے کیسے کیسے اکابر کو متاثر کیا اور وہ کس طرح امامؑ کی خوشہ

چینی کرتے رہے۔ حالات و واقعات یہ بتاتے ہیں کہ واقعہ کربلا اور پھر جناب زید بن علیؑ کے خروج کے بعد ائمہؑ نے اس بات کو پوری طرح محسوس کیا کہ بنوامیہ کے ظلم و جبر اور قوت و استبداد کے آگے عوام ہماری حمایت نہیں کر سکتے لہٰذا علمی و تبلیغی جہاد کا راستہ اپنایا گیا۔ تلواریں لوگوں کو خوف زدہ و ہراساں تو کر سکتی ہیں لوگوں کے قلوب کو موڑ نہیں سکتیں اور جس حمایت کی بنیاد قلب کی بجائے خوف و ہراس پر ہو وہ کبھی پائیدار نہیں ہوتی لہٰذا امام صادق علیہ السلام نے مسند علم و ارشاد کو زینت بخشی اور اپنے گھر ہی میں اسلامی یونیورسٹی قائم کر کے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے کی راہ اپنائی اور تاریخ شاہد ہے کہ اس حکمت عملی میں آپ کامیاب بھی ہوئے اور بنوامیہ کا تخت جلد ہی الٹ گیا۔ امام صادق علیہ السلام کیونکہ زیادہ تر مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے لہٰذا ہم اموی عہد کے ان گورنروں کا ذکر مختصراً کریں گے جو مدینہ پر یکے بعد دیگرے امام صادقؑ کے عہد میں مسلط کئے گئے۔

(۱) ہشام بن اسماعیل

اس کا پورا نام ہشام بن اسماعیل بن ولید المخزومی ہے اس کا انتقال ۸۸ھ میں ہوا۔ عبدالملک بن مروان نے اسے ۸۲ھ میں مدینے کا والی بنایا۔ یہ اہل بیت علیہم السلام سے شدید بغض رکھتا تھا اور امام زین العابدین علیہ السلام کو اذیتیں دیتا تھا۔ جب عبدالملک نے اپنے بعد اپنے بیٹے ولید اور سلیمان کے لئے بیعت لینی چاہی تو مشہور فقیہ سعید بن المسیب نے انکار کر دیا۔ اس پاداش میں ہشام نے انہیں ساٹھ کوڑے مارے اور بالوں کا لباس پہنا کر اونٹ پر بٹھا کر

پورے مدینے میں پھرایا۔ یہ واقعہ ۸۵ھ کا ہے۔ جب عبدالملک کو معلوم ہوا تو اس نے اس فعل پر اس کی مذمت کی لیکن ہشام نے کہا: اس پر لازم ہے کہ بیعت کرے ورنہ میں اس کی گردن اتار دوں گا اور قصہ پاک کروں گا۔ ۳۵۴۔ سن ۸۷ھ میں ولید بن عبدالملک نے اسے معزول کر کے دار مروان کا داروغہ بنا دیا کیونکہ اس نے اہل مدینہ پر ظلم کئے تھے۔ ۳۵۵۔ یہ دروازے پر کھڑا رہتا تھا اور اپنے گزشتہ مظالم کی وجہ سے لوگوں سے ڈرتا تھا۔ اس نے اپنے عہد میں امام زین العابدین علیہ السلام کو سب سے زیادہ ستایا تھا للذا سب سے زیادہ انہیں سے ڈرتا تھا لیکن امامؑ نے اپنے ہواداروں کو منع کر رکھا تھا کہ اسے ایک جملہ بھی نہ کہیں۔ چنانچہ جب امامؑ اس کے سامنے سے گزرتے تو یہ آیت پڑھتا: "اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں قرار دے۔" ۳۵۶۔

(۲) عمر بن عبدالعزیز

یہ محبان اہل بیت میں سے خدا ترس، متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ ۸۷ھ میں ان کا تقرر ہوا اور ۹۳ھ تک مدینہ کے گورنر رہے۔ لیکن ولید نے اس بناء پر کہ انہوں نے حجاج کے مظالم کی شکایت کی تھی گورنری سے معزول کر دیا چنانچہ حجاج ہی کے مشورے پر خالد بن عبداللہ القسری کو مکے کا اور عثمان بن حیان کو مدینے کا گورنر بنایا گیا۔ عمر بن عبدالعزیز ہی نے فدک اہل بیتؑ کو واپس کیا اور حضرت علیؑ پر تبراء بند کروائی۔

(۳) ولید اور بغض اہل بیتؑ

ولید کے ہی حکم پر ۸۸ھ میں عمر بن عبدالعزیز نے مسجد نبویؐ کی توسیع کروائی

بظاہر یہ اقدام مسلمانوں کے لئے دل خوش کن تھا لیکن اسکا پس منظر ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے آپ کو یہ اندازہ ہو سکے گا کہ ولید بغض اہل بیتؑ میں کس قدر بڑھ کے تھا۔ ہوا یوں کہ ولید حج کر کے نکلا تو مدینہ گیا اور وہاں اسکا گزر مسجد نبوی پر ہوا۔ پس یہ مسجد میں چلا گیا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک گھر بنا ہوا ہے جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر کہا : یہ گھر یہاں کیوں بنا ہوا ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا گھر ہے جسے رسول اکرمؐ نے باقی رکھا تھا جب کہ دیگر صحابہ کے گھر بند کروادیئے تھے۔ ولید نے یہ سن کر کہا : ایسا شخص جس پر ہم ہر جمعے کو منبروں سے لعنت بھیجتے ہیں (یعنی حضرت علیؑ) پھر اسکا دروازہ مسجد نبوی میں کھلا رکھیں یہ تو عجیب بات ہے۔ اے غلام اسے ڈھادو۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ ایسا نہ کریں جب تک کہ شام نہ پہنچ جائیں۔ شام پہنچنے کے بعد آپ مساجد کی توسیع کا فرمان جاری کیجئے اور دمشق میں بھی ایک مسجد کی تعمیر شروع کیجئے اور اس طرح مسجد نبوی کی توسیع میں حضرت علیؑ کا گھر بھی شامل کر لیجئے۔ چنانچہ اس رائے کو قبول کیا گیا اور یوں مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بہانے حضرت علیؑ کا گھر جس کو باقی رکھنے کا آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا منہدم کر دیا گیا۔ ۳۵۷۔ ولید کا تعلق خاندان امیہ سے تھا لہٰذا اس نے حضرت عثمان کا گھر منہدم نہیں کروایا لیکن جب بنو عباس کو اقتدار ملا تو منصور کے زمانے میں حسن بن زید نے حضرت عثمان کا گھر بھی گرا دینے کی کوشش کی لیکن منصور نے اسے ڈانٹ دیا۔ ۳۵۸

توسیع مساجد کے بارے میں ولید نے انتہائی شدت کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے ارد گرد جو گھر ہیں انہیں خرید لیا جائے اور جو اپنا گھر بیچنے پر راضی نہ ہو اس کا گھر اسی پر گرا دیا جائے۔ ۳۵۹

اہل مدینہ مسجد نبوی کا اس طرح انہدام برداشت نہ کرسکتے تھے چنانچہ کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ کے دس فقہاء نے اس کے خلاف شور بھی مچایا اور عمر بن عبدالعزیز نے ولید کو ان فقہاء کے فتوے سے آگاہ بھی کیا لیکن ولید نہیں مانا اور جس وقت مسجد کو منہدم کیا جارہا تھا مدینہ کے اکابر و بنو ہاشم اسی طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے جس طرح وہ آنحضرتؐ کے وصال کے روز روئے تھے۔ ۳۶۰۔ تاریخ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مدینے کے کسی مزدور نے مسجد نبویؐ کو منہدم کرنے کی جرات نہیں کی لہٰذا اسے روم اور قبط سے چالیس چالیس مزدور منگوانے پڑے۔۔۔۳۶۱

(۴) عثمان بن حیان

عثمان بن حیان المری مولی ام الدرداء یا پھر مولی عتبہ بن سفیان ہے۔۔ یہ بہت ظالم و جابر آدمی تھا۔ مدینہ پہنچ کر اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ علماء جو مدینہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مصروف تھے ان کے اوپر چند افراد کو مسلط کردیا جنہوں نے ان علماء کو مارا پیٹا۔ جیسا کہ امام مالک بن انس نے کہا ہے۔ ۳۶۲۔ اس نے ان عراقیوں کو جو مدینہ میں ہجرت کرکے آباد ہوئے تھے اور لوگوں کو حجاج بن یوسف کی ستمگری بتاتے تھے مدینہ سے نکال دیا اور ان کو پناہ دینے والوں کو ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ جو لوگ شیعیان آل ابی طالبؑ پائے گئے ان کے گھر ڈھادیئے جائیں گے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جس کے وہ اہل ہیں۔۔۔ ۳۶۳

(۵) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم المتوفی ۱۲۱ھ

ابن القیسرانی نے اس کا پورا شجرہ یوں دیا ہے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم بن زید بن لوذان بن حارثہ بن محمد ابن زید بن ثعلبہ بن زید بن مناۃ بن مالک بن جشم بن الخزرج ۔۳۶۴۔ یہ سلیمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں قاضی مدینہ تھا عثمان بن حیان نے اسے قید کر کے پٹوانا چاہا لیکن سلیمان کا حکم پہلے پہنچ گیا جس کی رو سے عثمان کو معزول اور ابوبکر کو گورنر بنا دیا گیا۔ تواریخ میں یہ بھی ہے کہ وہ ابوبکر بن محمد کی داڑھی اور سر منڈوانا چاہتا تھا۔ ابوبکر ۹۶ھ سے ۱۰۱ھ تک مدینے کا گورنر رہا۔ پھر یزید نے اسے معزول کر کے عبدالرحمن بن ضحاک الفہری کو گورنر بنا دیا اب ابوبکر پر سختیاں ہونے لگیں اور شدید عذاب سے گزرنا پڑا۔ ان کا شمار صحاح ستہ کے رجال میں ہوتا ہے بخاری اور مسلم نے ان سے روایت کی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رجال صحیح بخاری ج ۲۔ ص ۸۲۶ 'الکلاباذی و رجال صحیح مسلم ج ۱۔ ص ۱۰۵ ابن منجویہ الاصفہانی' التقریب ۳۹۹/۲' التہذیب ۳۸/۱۲' الکاشف ۳/۷۷ ۲ الذہبی ط قاہرہ و مشاہیر علماء الامصار لابن حبان ص ۶۷ ط بیروت) واقدی نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا اس وقت ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔۳۶۵

(۶) عبدالرحمن بن ضحاک بن قیس الفہری

یہ ۱۰۱ھ میں مدینے کا گورنر بنا یزید بن عبدالملک نے ابوبکر بن حزم کی جگہ اسے گورنر بنایا۔ پھر ۱۰۴ھ میں اسے معزول کر کے عبدالواحد بن عبداللہ بن بشرالنفری کو حاکم بنایا اور اسے حکم دیا کہ عبدالرحمن کو خوب عذاب دے اور اسے کوڑے

مارے اور ایک ہزار دینار جرمانہ کرے۔ عبدالواحد نے یہ سب کچھ کیا اور اس کا تمام مال ضبط کرلیا یہاں تک کہ صوف کے ایک جبے کے سوا اس کے پاس کچھ نہ رہا اور وہ لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔ اس نے جو سلوک ابوبکر کے ساتھ کیا تھا وہی اس کے ساتھ عبدالواحد نے بھی کیا اور ابوبکر کو بھی نہ چھوڑا اس پر لوگ اس سے خفا ہو گئے اور بعض شعراء نے اس کی ہجو کی۔۔۔۳۶۶

(۷) عبدالواحد النضری

عبدالواحد بن عبداللہ بن بسر النضری یہ مکہ، مدینہ اور طائف کا والی ۱۰۴ھ میں بنا۔ اور ہشام بن عبدالملک نے اسے ۱۰۶ھ میں معزول کردیا اور اس کی جگہ ابراہیم المخزومی کو گورنر بنایا۔ یہ اہل مدینہ کے نزدیک نیک سیرت تھا اور اپنا ہر کام مشہور عالم قاسم بن محمد بن ابی بکر سے پوچھ کے کرتا تھا۔

(۸) ابراہیم بن ہشام

ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل المخزومی کو ہشام بن عبدالملک نے مکہ، مدینہ اور طائف کا والی بنایا وہ ہشام کا خالو تھا۔ ۱۰۶ھ سے ۱۱۴ھ تک گورنر رہا۔ جب اس نے لوگوں کے ساتھ ۱۱۰ھ میں حج کیا تو وہاں خطبہ دیتے ہوئے کہا : "جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے پوچھ لو کیونکہ پوچھنے کے لئے تمہیں مجھ سے بڑھ کر عالم نہ ملے گا۔" یہ سن کر ایک عراقی کھڑا ہوا اور پوچھا ذبیحہ واجب ہے یا نہیں؟ ابراہیم اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

(۹) خالد بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم بن ابی العاص

یہ ۱۱۴ھ میں مدینے کا گورنر بنا اور ۱۱۸ھ تک گورنر رہا پھر اس کے بعد ابراہیم

بن ہشام کے بھائی محمد بن ہشام کو گورنر بنایا گیا۔ خالد بن عبد الملک منبر رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حضرت علیؑ کی شخصیت و کردار پر حملے کیا کرتا تھا ایک روز داؤد بن قیس کھڑا ہوا اور اس نے اس پر حملہ کر کے اس کی دونوں رانوں کو زخمی کر دیا اور کہتا جاتا تھا: تو نے جھوٹ بولا، تو نے جھوٹ بولا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔۔۔ ۳۶۷

(۱۰) محمد بن ہشام بن اسماعیل المخزومی

یہ بھی ہشام کا خالو تھا۔ یہ ۱۱۸ھ سے ۱۲۵ھ تک مدینے کا والی رہا پھر اسے ولید فاسق نے معزول کر کے اپنے خالو یوسف بن محمد بن یوسف الثقفی کو والی مدینہ بنایا اور مکہ و طائف بھی اس کے سپرد کر دیا۔ ولید نے ابراہیم اور محمد دونوں بھائیوں پر بہت ظلم ڈھائے اور انہیں جیل میں بند کر دیا بعد ازاں ان دونوں کو یوسف بن محمد کے حوالے کیا پھر ان کو عامل عراق یوسف بن عمر کے پاس بھیجا۔ اس نے ان دونوں بھائیوں پر بہت ظلم کئے یہاں تک کہ دونوں مر گئے۔۔۔ ۳۶۸

(۱۱) یوسف بن محمد بن یوسف الثقفی

یہ مشہور ظالم و جابر حجاج بن یوسف کا بھتیجا اور ولید فاسق کا خالو تھا۔ یہ ۱۲۵ھ میں حاکم مدینہ ہوا اور ۱۲۶ھ تک رہا اس دوران پورا حجاز اس کا زیر نگین تھا۔ یزید بن ولید نے بھی اسے باقی رکھا پھر اسے معزول کر کے عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز کو حاکم بنایا جو ۱۲۹ھ تک والی رہا پھر اسے مروان الحمار نے معزول کر کے عبد الواحد بن سلیمان بن عبد الملک بن مروان کو حاکم بنایا وہ اموی گورنروں میں حجاز کا آخری گورنر تھا۔

عہد بنو امیہ و بنو عباس میں خاندان اہل بیتؑ میں سے جن افراد نے خروج کیا ان سب کو محض ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ان میں سے اہم ترین واقعات میں جناب زید بن علیؑ کا واقعہ، جناب یحییٰ بن زیدؒ جناب عیسیٰ بن زیدؒ المعروف موتم الاشبال، حسین بن زیدؒ، محمد بن عبداللہ بن الحسن المثنیٰ المعروف بہ نفس زکیہؒ، قتل محمد ابراہیم پسران عبداللہ، داؤد بن الحسن بن الحسنؒ کی شہادت وغیرہ اہم ہیں۔ ان تمام واقعات کے بارے میں امام صادق علیہ السلام کا طرز عمل کیسا تھا؟ اس کا جواب معتبر تواریخ سے تفصیلاً ممکن نہیں جو کچھ مختلف ماخذ سے منقول ہے ان میں سے بہت سے مقامات ایسے ہیں کہ جن کی وثاقت پر بہت کچھ نقد و جرح کی گنجائش ہے بس ایک بات جس سے مجال انکار کسی کو نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے ان مہموں میں شرکت نہیں کی اور نہ ہی اپنے اصحاب کو ان کی نصرت پر آمادہ کیا لیکن اس عہد میں ان بڑے واقعات کے علاوہ بنو حسنؑ اور اولاد رسولؐ پر جو مظالم توڑے گئے ان سے امام کو دکھ نہ پہنچا ہو یہ امر گمان سے بالا ہے۔ بنو حسنؑ پر خاص طور پر جو مظالم ہوئے ان کے تذکرے سے تمام معتبر تواریخ کا دامن سرخ ہے اور ان کا تذکرہ باعث طوالت۔ لیکن اس کا ایک نمونہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اولاد حسنؑ کو قید کروا کے منصور حج کو چلا گیا۔ جب وہاں سے واپس ہوا تو مدینے کی بجائے اس کے نواح میں ربذہ چلا گیا وہاں والی مدینہ ریاح حاضر خدمت ہوا۔ منصور نے اسے حکم دیا کہ اولاد حسنؑ جو قید ہے اور ان کے ساتھیوں کو حاضر کیا جائے۔ ان کے ساتھیوں میں حضرت عثمانؓ کے پوتے محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ بھی تھے۔ جب یہ لوگ ربذہ پہنچے تو سب سے پہلے انہیں محمد بن عبداللہ

العثمانی کو منصور کے سامنے لایا گیا ان کے جسم پر ایک مہین قمیض اور ازار تھی جب وہ منصور کے سامنے پہنچے تو منصور نے کہا اے دیوث (دیوث وہ شخص جو اپنی بیٹی کو دوسرے کو پیش کرے اور اس کی اجرت کھائے) محمد بن عبداللہ نے کہا سبحان اللہ تو مجھے جانتا ہے کہ میں دیوث نہیں ہوں۔ منصور نے کہا پھر تیری بیٹی رقیہ حاملہ کیونکر ہوئی (جناب رقیہ امام حسنؑ کے پروتے ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن بن الحسنؑ کے نکاح میں تھیں اور منصور نے محمد بن عبداللہ (حضرت عثمانؓ کے پروتے) کو مجبور کیا تھا وہ یہ عہد کریں کہ ابراہیم کو ان کے پاس نہ آنے دیں گے) منصور نے کہا: تونے تو مجھ سے قسم کھائی تھی کہ تو مجھے دھوکہ نہ دے گا اور میرے خلاف کسی دشمن کی مدد نہ کرے گا تو دیکھتا ہے کہ تیری بیٹی حاملہ ہے اور اس کا شوہر غائب ہے پس دو باتوں میں سے ایک بات سچ ہے یا تو تو قسم توڑنے والا ہے یا پھر دیوث ہے۔ انہوں نے نرمی سے جواب دیا کہ قسم کی ذمہ داری تو میرے اوپر ہے اور یہ لڑکی اولاد رسولؐ سے ہے (اس پر تہمت نہ لگا) میرے علم کے بغیر اس کا خاوند اس کے پاس آیا ہوگا۔ منصور غضبناک ہوا۔ ان کی قمیض اور ازار پھاڑ ڈالی اور انہیں برہنہ کر دیا پھر حکم دیا کہ انہیں ڈیڑھ سو کوڑے مارو۔ چنانچہ جلاد نے کوڑے مارنے شروع کیے ان کا حال بہت برا ہو گیا۔ ایک کوڑا ان کے منہ پر لگا تو محمد بن عبداللہ العثمانی نے کہا کہ تیرا برا ہو میرے چہرے کو تو چھوڑ دے۔ اتنا کہنا منصور کو برا معلوم ہوا اس نے حکم دیا کہ ان کے سر پر کوڑے مارو تقریبا تیس کوڑے ان کے سر پر لگے ایک کوڑا آنکھ پر لگا تو وہ بہہ گئی۔ اس ظلم کی وجہ سے ان کی بری حالت ہو گئی اپنے حسن کی وجہ سے دیباج کہے جاتے تھے لیکن مار سے وہ حال ہوا کہ پہچانے نہیں جاتے تھے۔ جب وہ باہر نکلے تو ان کے غلام نے کہا کہ میں

اپنی چادر آپ کے بدن پر ڈال دوں یہ بالکل برہنہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ خدا تیرا بھلا کرے خدا کی قسم تو محبوب ہے۔ یہ کہہ کر اپنے اخیافی بھائی عبداللہ بن الحسن کے برابر کھڑے ہو گئے۔ زخموں سے خون جاری تھا پیاس کی شدت تھی العطش العطش (پیاس' پیاس) پکارتے تھے مگر کوئی پانی دینے والا نہ تھا۔ (تاریخ طبری جلد ۹ - ص ۱۹۵ طبع مصر عربی 'ابن خلدون ترجمہ اردو ج ۶ - ص ۶۳) یہ واقعہ تو امام حسنؑ کی اولاد سے محض قرابت رکھنے والے کا ہے اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اولاد حسنؑ پر خود کیا کیا ظلم نہ ہوئے ہوں گے۔

منصور یہاں سے چلا تو کوفہ آیا اور حکم دیا کہ پابہ زنجیر اور گلوں میں طوق گراں ڈال کر انہیں کوفہ لے جاؤ وہاں پہنچ کر انہیں قصر ابن ہبیرہ میں قید کر دیا۔ کوفہ آکر منصور نے ایک جملہ کہا جو خاندان اہل بیتؑ سے اس کی نفرت کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے اس نے کہا :

"ما اشتفی من هذا الفاسق من اهل بیت فسق"

(تاریخ الامم والملوک : الجزء التاسع - ص ۱۹۵)

"میں اس فاسق گھرانے کی فاسق فرد (نفس زکیہ) سے نجات پانا چاہتا ہوں۔"

نفس زکیہ کے معنی پاکیزہ نفس کے ہیں۔ یہ لقب ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انہیں عوام نے دیا تھا پھر وہ امام حسنؑ کی اولاد تھے یعنی خاندان رسالت سے تھے لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ منصور خاندان رسالت کو خاندان فسق اور نفس زکیہ کو فاسق کہتا ہے۔ اب آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ اس نے اولاد حسنؑ سے کیا سلوک کیا ہو گا۔ ایک دن یہی قیدی منصور کے سامنے پیش کئے گئے اس کی نظر محمد

بن ابراہیم بن الحسن پر پڑی یہ نہایت حسین تھے لوگ دور دور سے انہیں دیکھنے آیا کرتے تھے ابھی ابتدائی جوانی تھی ان کو دیکھ کر منصور نے کہا تو ہی ہے جس کو دیباج اصغر کہتے ہیں انہوں نے کہا ہاں۔ منصور نے کہا میں تجھ کو اس طرح قتل کروں گا کہ جس طرح دنیا میں آج تک کوئی قتل نہ ہوا یہ کہہ کر پتھر کا ایک ستون لانے کا حکم دیا۔ عمارت کا بڑا ستون آیا جسے منصور کے حکم سے دو ٹکڑے کیا گیا اور محمد بن ابراہیم بن الحسن کو اس کے درمیان رکھ کر انہیں زندہ اس میں چنوا دیا۔ (تاریخ طبری ۹/۱۹۸ اردو ترجمہ ۳/۱۲۶' کامل ابن اثیر ج ۵ حصہ اول ص ۱۱۴-۹۹ اردو ترجمہ) یہ ایک ہی قافلے کے دو واقعے میں نے بطور نمونہ بیان کر دیئے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اہل بیت اور اہل بیتؑ سے ذرا سا بھی تعلق رکھنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ظاہر ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ان مظالم پر خوش نہیں تھے اس قافلے کی روانگی کا حال جو مدینے سے ربذہ تک کا تاریخوں میں درج ہے اس میں امام صادق علیہ السلام کا یہ واقعہ بھی ہے۔

"ریاح والی مدینہ منصور کے حکم سے قیدیوں کو مدینہ سے ربذہ لایا تو حال یہ تھا کہ ان کے پیروں اور گردنوں میں بیڑیاں اور زنجیریں تھیں۔ انہیں محملوں میں بغیر بچھونے کے سوار کیا گیا جب ریاح انہیں مدینے سے لے کر نکلا تو جناب امام جعفر صادقؑ ایک اوٹ سے انہیں جاتا دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ انہیں نہ دیکھ سکتے تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام انہیں دیکھ کر زار و قطار روتے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور آپ یہ فرماتے جاتے تھے کہ واللہ ان کے بعد خدا اپنے حرموں کی حفاظت نہ کرے گا۔" (حرموں سے مراد خانہ کعبہ اور مسجد نبوی

ہیں۔)۔۳۶۹

ظاہر ہے کہ جو ذات اقدس ان حضرات کی اس طرح روانگی پر زار و قطار روئے وہ ان کے قتل پر کس طرح خوش ہو سکتی ہے اور کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان کے قاتلوں سے غضبناک نہ ہوں گے۔ امام صادق علیہ السلام کے نزدیک ان حضرات کا خروج غلط نہ سہی تو خلاف مصلحت اور بے سود ضرور تھا اسی لئے ہم امامؑ کو ان سے کنارہ کش پاتے ہیں۔ لیکن ایک بھی مستند جملہ ان خروجوں کے متعلق مستند ماخذوں میں موجود نہیں ہے۔ اب ہم مختصراً ان مظالم کا ذکر کریں گے جو اس ذات والا صفات پر بنو امیہ اور بنو عباس نے توڑے پھر حیات امامؑ کا ایک انوکھا رخ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام پر مظالم

بنوامیہ کے خلاف بنو عباس نے جو تحریک چلائی تھی وہ بنو فاطمہؑ کے نام پر تھی یعنی یہ کہ حکومت کا حق حضرت فاطمہ زہراء صلوٰۃ اللہ علیہا کی اولاد کو ہے۔ اس طرح بنو حسنؑ اور بنو عباس ایک ہو گئے تھے لیکن عام خیال یہ تھا کہ غلبہ پانے کے بعد بنو حسن میں سے محمد بن عبداللہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا جائے گا لیکن امام صادق علیہ السلام نے خبردار کردیا تھا کہ خلافت ابوالعباس السفاح اور اس کے بھائی منصور کو پہنچے گی۔

مختلف معتبر کتابوں میں مروی ہے کہ بنی ہاشم کی ایک جماعت مقام ابواء میں جمع ہوئی جس میں ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس، ابو جعفر منصور، عبداللہ بن حسن اور محمد و ابراہیم کی اولاد تھی ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ اپنوں ہی میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ عبداللہ نے کہا یہ جو میرا فرزند محمد ہے یہی مہدی ہے اور اس کام کا سب سے زیادہ حقدار بھی۔ اسی دوران کہا گیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا جائے۔ عبداللہ بن حسن نے کہا کہ انہیں نہ بلانا ورنہ وہ تمہارا سارا کام خراب کردیں گے۔ غرض امام تشریف لائے تو آپ نے پوچھا تم لوگ کس لئے جمع ہوئے ہو۔ عبداللہ بن حسن نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ بنوامیہ نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اس نوجوان کی سب بیعت کریں (یعنی اپنے بیٹے محمد کی) امام صادق علیہ السلام نے فرمایا آپ ہمارے بزرگ ہیں ہم

آپ کی بیعت تو کرسکتے ہیں لیکن آپ کے بیٹے کی نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؑ نے فرمایا میں انکار نہیں کرتا لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ یہ سن کر عبداللہ کو غصہ آگیا اور کہا کہ تم نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ تم میرے بیٹے سے حسد کرتے ہو۔ امامؑ نے فرمایا حسد میں نہیں کرتا اور بخدا میں نے یہ بات حسد میں نہیں کہی لیکن یہ حکومت ------ یہ کہہ کر ابوالعباس سفاح کے شانے پر ہاتھ مارا ----- تو اس کے بھائیوں اور بیٹوں کے لئے ہے۔ یہ کہہ کر آپ کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے آئے۔ عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (منصور کا چچا) کہتا ہے کہ منصور نے حضرتؑ کے منہ سے یہ بات سنی تو پیچھے پیچھے باہر آیا اور امامؑ سے پوچھا: کیا آپ نے یہ بات سچ فرمائی ہے؟ فرمایا ہاں ایسا ہی ہوگا اور اس پر مجھے یقین ہے۔ مقاتل الطالبیین کی دوسری روایت میں ہے کہ امامؑ نے السفاح کے شانے پر ہاتھ مار کے کہا: خلافت اس کی قسمت میں ہے پھر اس کے بھائی منصور اور اس کی اولاد کی قسمت میں یہاں تک کہ بچے حکومت کریں گے اور عورتوں سے مشورہ لیا جائے گا۔ عبداللہ نے وہی حسد والی بات کہی جو اوپر گزری تو یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: قسم بخدا میں یہ بات حسد میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ شخص (منصور) اسے (محمد بن عبداللہ کو) احجار الزیت میں قتل کرے گا اور اس کے بھائی کو "طفوف" میں اور اس کے گھوڑے کے پیر اس وقت پانی میں ہوں گے۔ امامؑ یہ باتیں کہہ کر غصے کی حالت میں باہر نکلے کہ آپ کی ردا زمین پر کھنچتی جاتی تھی۔ منصور کہتا ہے کہ میں نے اسی وقت سے خلافت کی تیاریاں اور عمال کی فہرست مرتب کرنی شروع کردی تھی۔ (مقاتل الطالبیین (فارسی ترجمہ سرگزشتہ کشتہ شدگان از فرزندان ابوطالب) ص ۲۴۳ تا ۲۴۱، الخرائج والجرائح

علامہ راوندی، بحار الانوار ج۱۱ طبع کمپانی، بحار الانوار ج۸ ۔ص ۱۴۳ و ۱۳۱ اردو ترجمہ مطبوعہ محفوظ بک ایجنسی کراچی)

یہی منصور جس کی حکومت کی حضرت نے پیش گوئی فرمائی تھی بر سر اقتدار آنے کے بعد اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے آل محمدؐ کے درپے ہوگیا۔ حصول حکومت سے پہلے تو بنو فاطمہ (بنو علی) اور بنو عباس ایک ہی تھے لیکن حکومت کے بعد رنگ بدل گیا اور بقول علامہ جلال الدین سیوطی :

"والمنصور اول من اوقع الفتنہ بین العباسیین والعلویین وکانوا شیئا واحدا" (تاریخ الخلفاء ص ۱۰۲

منصور پہلا شخص ہے جس نے عباسیوں اور علویوں کے درمیان فتنہ ڈالا حالانکہ یہ دونوں متحد تھے۔

امام صادقؑ اور منصور عباسی

اب ہم اپنا روئے سخن ان سازشوں اور مظالم کی طرف موڑتے ہیں جو امام علیہ السلام کے لئے منصور نے تیار کیں اور انہیں آپ کے خلاف روا رکھا۔ تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ منصور نے متعدد مرتبہ آپ کو زبردستی حاضر ہونے کے لئے دستے بھیجے۔

منصور نے ۱۴۷ھ میں حج کیا تو اس کا ایک مقصد امام صادق علیہ السلام کو قید کرنا بھی تھا لیکن یہ مقصد پورا نہ ہوا۔ ۳۷۰

لیکن یہ سوال تشنہ تحقیق ہے کہ آیا منصور نے امامؑ کو قید بھی کیا یا نہیں؟ یا صرف اتنا ہی تھا کہ وہ آپ کو طلب کرتا تھا لیکن نہ گرفتار کرپاتا تھا اور نہ ہی کوئی

ایذا دے سکتا تھا کیونکہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ منصور نے امام صادق علیہ السلام کو قید کردیا تھا۔ا ے ۳۔ لیکن بعض دوسرے مورخین نے قید کرنے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے مسلمانوں کی تاریخ زیادہ تر حکمرانوں کی عیاشیوں اور جنگوں سے بھری ہوئی ہے اہل علم وادب کا حال نہ ہونے کے برابر تحریر ہوا ہے اس لئے حیات ائمہؑ کے کئی گوشے ایسے ہیں جن پر سرے سے ان تاریخوں سے روشنی ہی نہیں پڑتی۔ پھر بھی ہم حیات امام صادقؑ کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

منصور کا حاجب ربیع کہتا ہے کہ منصور کی خلافت کو جب استقرار نصیب ہوا تو منصور نے مجھ سے کہا کہ جاکر جعفر بن محمد (امام صادقؑ) کو تو بلالاؤ۔ ربیع کہتا ہے کہ میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ منصور نے آپ کو بلایا ہے پس آپ چلنے کے لئے کھڑے ہوگئے جب ہم منصور کے دروازے کے قریب آئے تو امام صادقؑ کھڑے ہوگئے اور اپنے ہونٹ ہلانا شروع کئے۔ پھر آپ داخل ہوئے تو سلام کیا۔ منصور نے سلام کا کوئی جواب نہ دیا پھر سر اٹھا کر کہا۔اے جعفر کیا تم ہی نے علی کو بغاوت پر بھڑکایا ہے۔ امامؑ نے انکار کیا اور اپنے کو معذور بتایا یہاں تک کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا تو امام صادقؑ سے کہا تشریف رکھئے! پھر اس نے انتہائی قیمتی عطر طلب کیا وہ اس سے کھیلتا رہا یہاں تک کہ عطر اس کی انگلیوں سے ٹپکتا تھا پھر کہا اے ابوعبداللہ (امام صادقؑ کی کنیت) اب آپ جاسکتے ہیں اور ربیع سے کہا کہ تم ان کے پیچھے پیچھے جاؤ اور ان کا وظیفہ بڑھا کر انہیں پہنچا دینا۔

ربیع کہتا ہے کہ جب ہم واپس ہوئے تو میں نے امامؑ سے عرض کی : میں نے

اس وقت وہ بات دیکھی جو کسی نے نہیں دیکھی اور وہ کچھ سنا جو کسی نے بھی نہیں سنا۔ میں نے دیکھا کہ آپ داخلے کے وقت کچھ پڑھ رہے تھے کیا کوئی دعا ہے جو آپ کے آباء سے منقول ہے؟ فرمایا کہ میرے والد نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے جد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی مہم پیش آتی تو یہ دعا پڑھتے' اسے دعائے فرج کہتے ہیں اس کا پہلا جملہ ہے :

"اللهم احرسني بعينك التي لا تنام۔۔۔۔۔"

"اے اللہ میری نگہبانی اس نگاہ سے فرما جو کسی وقت سوتی نہیں۔۔۔۔" ۳۷۔۲

یہ ربیع امام علیہ السلام کا ماننے والا تھا لیکن منصور سے اپنا حال چھپائے رکھتا تھا۔ یہی ربیع کہتا ہے کہ ایک مرتبہ اور ایسا ہی ہوا کہ منصور کو امامؑ کے خلاف کچھ باتیں پہنچیں تو منصور نے مجھے روانہ کیا کہ امامؑ کو اس کے پاس لے کر آؤں۔ جب میں امام کے پاس پہنچا تو میں نے کہا اللہ آپ کو اس ظالم و جابر کے ظلم و ستم سے بچائے اس سے آپ کو شدید ضرر پہنچے گا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے میری حفاظت کا مضبوط انتظام کیا ہوا ہے وہی ڈھال میرے کام آئے گی تم منصور سے داخلے کی اجازت لے لو۔ جب امام علیہ السلام داخل ہوئے تو ان دونوں کے درمیان طویل گفتگو ہوئی۔ منصور جھوٹے الزامات آپ پر لگاتا تھا اور امام علیہ السلام ان کا جواب دیتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کا غصہ فرو ہوا اور قوت ایمانی کے سامنے جھک گیا۔ پھر امام علیہ السلام سے کہا میں نے آپ کو معاف کیا اور آپ کی سچائی کی وجہ سے آپ سے درگزر کیا۔ اب آپ مجھے ایک حدیث ایسی سنائیے جو میرے لئے فائدہ مند ہو

اور برائیوں سے بچانے والی بھی' چنانچہ آپ نے اسے نصیحت کی اور فرمایا :

تم پر حلم (بردباری) واجب ہے کیونکہ وہ علم کا ایک رکن ہے اور جب کسی پر قدرت پاؤ تو اپنے نفس کو قابو میں رکھو کیونکہ اگر تم وہ سب کچھ کر گزرے جس پر تمہیں قدرت ہے تو گویا تمہاری مثال ایسی ہوگی جس نے اپنے غصے کو پورا اور کینے کو ٹھنڈا کیا۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ تم اپنی زیادتیوں کو یاد رکھو اور تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تم نے مستحق سزا کو سزا دے دی تو صرف عادل کہلاؤ گے حالانکہ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ جس چیز پر شکر واجب ہے وہ اس چیز سے افضل ہے جس پر صبر ضروری ہے (یعنی اگر تم مجرم کو سزا دو گے تو وہ اس پر صبر کرے گا اور لوگ تمہیں محض عادل کہیں گے اور سزا متسلزم ہے صبر کو جب کہ اگر معاف کر دو گے تو وہ شکر ادا کرے گا اور موجب شکر موجب صبر سے بہتر ہے گویا تمہارا معاف کرنا سزا دینے سے بہتر ہے) منصور نے یہ سنا تو کہا : آپ نے بہترین وعظ و نصیحت کی اور جو کہا گیا آپ نے اس کا حق ادا کر دیا۔

تواریخ و تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ منصور جب بھی مدینہ آتا تھا اس کا ایک اہم کام یہی ہوتا تھا کہ وہ مختلف طریقوں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کو طلب کرے اور تنگ کرے لیکن امامؑ اس کی ان ناپسندیدہ حرکتوں پر اپنی قوت ایمانی سے قابو پاتے اور صبر فرماتے تھے۔

ربیع ہی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ اور منصور نے مجھ سے کہا جتنی جلدی اور تیز رفتاری سے جا سکو (امام) جعفر (صادقؑ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تمہارے چچازاد بھائی (مراد منصور) نے تمہیں سلام کہا ہے اور اسی وقت طلب کیا ہے۔ اگر وہ آ سکیں تو لے آؤ ورنہ اگر کوئی عذر کریں تو معاملہ ان پر ہی چھوڑ دینا ------

ربیع لکھتا ہے کہ میں آپ کے دروازے پر پہنچا اور گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ تنہا ہیں آپ کے رخسار مبارک مٹی پر لگے ہوئے ہیں اور آپ ہاتھ بلند کرکے دعا فرما رہے ہیں اور آپ کی پیشانی، رخساروں اور ہاتھوں پر مٹی کا اثر نمایاں ہے۔ میں نے اس حال میں ان سے کچھ کہنا برا محسوس کیا حتیٰ کہ آپ نماز اور دعا سے فارغ ہوگئے پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے میں نے سلام کیا۔ آپ نے جواب دے کر فرمایا کہو کیسے آنا ہوا؟ میں نے آپ کو پوری بات بتادی۔ آپ میری بات سن کر فرمایا : اے ربیع : اور سورہ حدید کی آیت (نمبر۱۶) تلاوت فرمائی۔

"الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم فسقون"

"کیا ابھی تک مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد کرنے کے وقت اور قرآن جو خدائے برحق کی طرف سے پہلے نازل ہوا ہے اس کو سننے کے وقت ان کے دل نرم ہوجائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جن کو ان سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہوگئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔"

اے ربیع تم پر وتح ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

"افامن اھل القری ان یاتیھم باسنا بیاتا وھم نائمون۔ اوامن اھل القری ان یاتیھم باسنا ضحی وھم یلعبون۔ افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا

القوم الخسرون"

"کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو جب کہ وہ سو رہے ہوں۔ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے نازل ہو جائے اور وہ کھیل رہے ہوں کیا یہ لوگ خدا کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے سن لو کہ خدا کے داؤ سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔" (سورہ الاعراف۷۔۹۹۔۹۸۔۹۷)

ربیع کہتا ہے کہ یہ آیات تلاوت فرما کر آپ نماز میں پھر مصروف ہو گئے پھر میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے عرض کی کہ سلام کے بعد بھی کچھ کہنا ہے؟ فرمایا : ہاں! اس سے کہو :

"افرءیت الذی تولی۔ واعطی قلیلا واکدی۔ اعندہ علم الغیب فھو یری"

"بھلا تم نے اس کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا۔ تھوڑا سا دیا پھر ہاتھ روک لیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔" (سورہ النجم ۳۵۔۳۴۔۳۳)

پھر فرمایا اس سے کہو کہ تم نے ہمارے مردوں کو خوفزدہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے ہماری عورتیں بھی خوفزدہ ہو گئی ہیں۔ اگر تم اس سے باز آجاؤ تو بہتر ورنہ ہم دن میں پانچ مرتبہ تمہارا نام لے کر بددعا کریں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا : کہ چار افراد کی دعا اللہ کے پاس پہنچنے سے نہیں رکتی۔ (۱) باپ کی دعا بیٹے کے لئے (۲) بھائی کی دعا بھائی کے حق میں جب کہ وہ موجود نہ ہو

(۳) مظلوم کی دعا (۴) مخلص کی دعا۔ ۳۷۳

ایک اور روایت میں ہے محمد بن الربیع کہتا ہے کہ منصور نے مجھے طلب کیا اور کہا کہ ابھی ابھی جاؤ اور (امام) جعفر (صادقؑ) جس حال میں بھی ہوں انہیں اسی حال میں لے آؤ۔ دروازہ نہ کھٹکھٹانا بلکہ دیوار پھلانگ کے جانا اور جو کوئی ان کے پاس بیٹھا ہوا سے بھگا دینا۔ میں نے جیسا کہا ہے ویسا ہی کرنا۔ محمد بن ربیع کہتا ہے میں نے انہیں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے پایا جب آپ نماز پڑھ چکے تو میں نے کہا : چلئے امیر المومنین (منصور) کے پاس چلئے۔ آپ نے فرمایا : اچھا مجھے کپڑے تو بدل لینے دو۔ میں نے کہا نہیں آپ کو اسی حالت میں چلنا ہوگا۔ چنانچہ میں اسی حالت میں انہیں منصور کے پاس لے کر پہنچا۔ اس نے جو آپ کو دیکھا تو نہایت برافروختہ ہوا اور انتہائی گستاخانہ لہجے میں آپ سے گفتگو شروع کی۔ منصور اس دوران طرح طرح کے بہتان آپ پر لگاتا رہا اور آپ اس کی تردید کرتے رہے۔ منصور کی یہ الزام تراشی آداب سے اتنی عاری ہے کہ اسے نقل کرتے ہوئے قلم کانپ جاتا ہے اور ناقل خود کو مجرم سمجھنے لگتا ہے لہٰذا ہم اسے قلم انداز کرتے ہیں۔ لیکن امام علیہ السلام نے اپنے لہجے میں کہیں سختی نہیں آنے دی اور آخر کار منصور کو کہنا پڑا کہ "اظنک صادقا" میں آپ کو سچا خیال کرتا ہوں۔ ۳۷۴

اسی طرح کے اور بہت سے واقعات منصور کی سخت گیری اور گستاخی کے موجود ہیں جن کو علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں درج کیا ہے۔ ان چند واقعات کو نقل کرنے سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ قارئین کو ان مشکلات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے جن سے اہل بیت علیہم السلام اور خاص طور پر حضرت امام جعفر صادق

علیہ السلام گزر رہے تھے۔ ان حالات میں علوم آل محمدؐ کی تدوین، درس اسلامی کا قیام، ملت کا استحکام کتنا مشکل تھا اس کا اندازہ آپ کو سیاسی حالات سے ہوگیا ہوگا۔

اس پورے عہد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا رویہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو چیزوں پر مبنی ہے (۱) حکومت وقت کے خلاف خروج، بغاوت اور سازشوں سے دور رہنا۔ (۲) علوم اسلامیہ کی تدریس اور اصحاب کی تربیت۔

اہل بیتؑ میں سے جن جن حضرات نے بھی خروج کیا امامؑ ان کی اعلانیہ حمایت سے دست کش رہے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپؑ ان حکمرانوں کو صحیح اور خروج کرنے والوں کو غلط سمجھتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام علیہ السلام کے نزدیک ان حالات میں اس قسم کی باتیں بے نتیجہ تھیں اس کے ساتھ ساتھ امامؑ یہ سمجھتے تھے کہ اس سے حکومت کی مخالف قوتیں مضبوط ہونے کی بجائے مزید کمزور ہونگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ حرف بہ حرف صحیح نکلا اور یہ تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں۔

امامؑ کے نزدیک حکومت کو کمزور کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا یعنی علوم اسلامیہ کی ترویج کے ذریعے عوام کے شعور کو بیدار کرنا تاکہ ہر کس و ناکس امیرالمؤمنین بن کر حکمرانی نہ کرنے لگے۔ حکومتی جبر و استبداد کا مقابلہ امامؑ نے جس طرح ترویج علوم اور تربیت اصحاب سے کیا اس کا مختصر جائزہ ہم آئندہ صفحات میں لیں گے۔

ترویج علوم اور تربیت اصحاب

گزشتہ باب کے شروع میں ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک فرمان

نقل کرنے کی سعادت حاصل کی تھی یہاں ہم اسے پھر دہراتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے اپنے معتقدین اور پیروکاروں سے فرمایا۔

"اوصیکم بتقوی اللہ واجتناب معاصیہ' واداء الامانہ لمن ائتمنکم و حسن الصحابہ لمن صحبتموہ وان تکونوا لنا دعاۃ صامتین"

"میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے' اس کی نافرمانی سے بچنے' جو تمہارے پاس اپنی امانتیں رکھوائے اس کی امانت واپس کرنے اور جو تمہاری صحبت اختیار کرے اس سے اچھائی سے پیش آنے کی اور اس کی کہ تم ہمارے خاموش مبلغ بن جاؤ۔"

یہ وہ اساس ہے جس پر امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی تربیت کے طور پر اختیار فرمایا۔ جیساکہ ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر آئے ہیں کہ اس وقت کی سیاست ظلم واستبداد پر مبنی تھی جس میں نہ علماء کا خیال کیا جاتا تھا نہ مفکرین کا اور حکمران وقت کے لئے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے ہر کام جائز تھا خواہ اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وتعلیمات کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ ہو اور حیرت تو یہ ہے کہ ان تمام خلاف شرع حرکتوں کے باوجود حاکم وقت کو "خلیفہ الرسول" اور "امیرالمومنین" ہی سمجھا اور کہا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ امام صادق علیہ السلام اپنی ذات کو اس سیاست کا حصہ نہیں بنا سکتے تھے حالانکہ ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ بات ہمیں صاف نظر آتی ہے کہ بنوامیہ کے خلاف بنوعباس کی تحریک محض اولاد فاطمہؑ کے نام پر چلائی گئی تھی اور اس وقت اولاد فاطمہؑ میں سب سے محترم ومقبول شخصیت امام جعفر صادق علیہ السلام کی

تھی۔ یوں تو اہل بیتؑ میں سے بہت سے افراد حکومت کے حصول کی خواہش رکھتے تھے اور ان میں آپس میں دوستی بھی تھی لیکن امام صادقؑ نے ہمیشہ اپنے کو اس دھڑے بندی سے باز رکھا۔ اسی طرح بنو حسن کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ حکومت تمہیں نہیں ملے گی بلکہ بنو عباس کو ملے گی۔ اسی طرح امام صادقؑ کو کئی مرتبہ حکومت کی پیشکش بھی ہوئی لیکن امامؑ نے اسے مسترد کردیا۔ عباسی تحریک کا روح رواں ابو مسلم خراسانی تھا اس حقیقت کو مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ بنو عباس کی حکومت کا بانی یہی ابو مسلم خراسانی ہے۔ یہ شخص امام علیہ السلام کو حکومت کی دعوت دیتا ہے تو امام اسے یکسر مسترد کردیتے ہیں۔ ابن کاوش عکبری نے اپنی کتاب "مقاتل العصابہ العلویہ" میں لکھا ہے کہ : جب ابو مسلم کو امام ابراہیم کی موت کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے چند خطوط حجاز بھیجے ان میں سے ایک امام جعفر صادقؑ کو، دوسرا عبداللہ بن حسن کو اور تیسرا محمد بن علی بن الحسین کو بھیجا جس میں ہر ایک کو خلافت کی دعوت دی۔ پہلا خط امام جعفر صادقؑ کے نام تھا۔ آپ نے پڑھا تو اسے نذر آتش کردیا اور فرمایا یہی اس خط کا جواب ہے۔ دوسرا خط قاصد لے کر عبداللہ بن حسن کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ میں بہت بوڑھا ہوچکا ہوں لہٰذا یہ امر میرے بیٹے محمد کے لئے زیبا ہے اور وہی مہدی بھی ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور امام جعفر صادقؑ کے پاس آئے۔ آپ باہر تشریف لائے اور عبداللہ کے گدھے کی گردن پر ہاتھ کر فرمایا اے ابو محمد آپ نے اس وقت آنے کی زحمت کیوں برداشت کی؟ انہوں نے ابو مسلم کے خط کا حال بتایا آپؑ نے فرمایا : ایسا ہرگز نہ کرنا کیونکہ یہ حکومت تمہیں کبھی نہ ملے گی۔ یہ سن کر عبداللہ بن حسن کو غصہ آگیا اور بولے تمہارے دل میں کچھ

اور ہے اور زبان پر کچھ اور (معاذ اللہ) چونکہ تمہیں میرے فرزند محمد سے حسد ہے اس لئے تم یہ بات کہہ رہے ہو آپ نے فرمایا نہیں حسد کی کوئی بات نہیں اس کے ساتھ ہی ابوالعباس السفاح کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا یہ ان کے لئے ہے تمہارے لئے نہیں بلکہ ان کی اولاد اور بھائی کے لئے بھی ہے۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو عبدالصمد بن علی اور ابو جعفر محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس آپ کے پیچھے ہو لئے اور بولے آپ کیا یہی فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : ہاں! میں یہی کہتا اور یہی جانتا ہوں۔ (المناقب لابن شہر آشوب ج ۳۔ ص ۳۵۵)

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ میں نے بعض تاریخوں میں پڑھا ہے کہ جب ابو مسلم کا خط امام جعفر صادقؑ کے پاس آیا تو اس وقت رات تھی۔ آپ نے اسے پڑھ کر چراغ کی لو پر رکھ دیا۔ خط لانے والا سمجھا کہ شاید آپ نے اس خوف سے کہ راز افشاء نہ ہو جائے خط احتیاطاً جلا دیا ہے۔ اس نے امامؑ سے پوچھا کہ کیا آپ اس خط کا کوئی جواب دیں گے؟ آپؑ نے فرمایا : جواب وہی ہے جو تم نے دیکھ لیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳۔ ص ۳۵۶)

ان واقعات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ امام علیہ السلام سیاست وقت سے کس قدر اور کس طرح دور رہے۔ لیکن تربیت و اصلاح کا جو نظام آپ سے ماقبل ائمہ علیہم السلام نے قائم فرمایا تھا اسے آپ نے برقرار رکھا اور اسے دوچند ترقی دی۔

آپ نے اپنے عمل اور تعلیمات کے ذریعے فکری اور عملی انقلاب کا جو پروگرام بنایا تھا اسے عملی جامہ پہنایا اور نہ صرف یہ کہ لوگوں کے فقہی اور علمی مسائل حل کرتے رہے بلکہ ایک اسلامی یونیورسٹی کی بھی بنیاد ڈالی جس کا حال

آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ اس طرح آپ کی مساعی کے نتیجے میں ہزاروں علماء و فضلاء پیدا ہوئے۔ فقہ و حدیث کی تدوین و تدریس ہوئی اور یوں فکری انقلاب کی راہیں استوار ہوتی چلی گئیں۔

آپ کا سب سے زیادہ زور تربیت نفس اور ادائے حقوق پر تھا جس کی بنیاد دراصل خوف خدا ہے۔ جیساکہ آپ اس باب کے ابتداء میں درج کی جانے والی حدیث میں پڑھ چکے کہ امامؑ نے اپنے ماننے والوں اور پیروؤں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ اللہ کو حاضرو ناظر جانتے ہوئے' اس کی بھیجی ہوئی شریعت کو آخری شریعت اور اس کے رسول کو برحق مانتے ہوئے' قیامت پر عقیدہ رکھتے ہوئے' عذاب و ثواب کا یقین کرتے ہوئے ہر اس کام کو کرنا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ہر اس حق کو ادا کرنا جو اللہ نے قرار دیا ہے۔ شریعت پر پوری طرح عمل کرنا' عقائد کو درست رکھنا' شریعت میں جن باتوں اور اعمال کی ممانعت ہے ان سے اجتناب کرنا یہ سب تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام تقوے کے بارے میں فرماتے ہیں : میں تمہیں تقوے کی نصیحت کرتا ہوں اور اس کی کہ تم اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ یہ جملہ بہت اہم ہے تربیت انسانی میں اس کی بہت اہمیت ہے اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس پر تربیت انسانی کی بنیاد ہے۔ آپ نے ایسے بہت سے افراد دیکھے ہوں گے جو بعض اچھائیوں پر عمل کرتے ہیں لیکن بعض دوسری برائیوں کو بھی اختیار کئے رہتے ہیں۔ مثلاً کتنے ہی نمازی ہیں جو رشوت لیتے ہیں۔ کتنے ہی نمازی ہیں جو حقوق الناس اور بیوی' بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ کتنے ہی روزہ دار آپ کو ایسے ملیں گے جن کی پوری زندگی

معصیت الٰہی سے بھری پڑی ہے جب ان کی توجہ ان برائیوں کی طرف دلائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نماز روزہ بھی تو کرتے ہیں۔ لیکن انہیں احساس نہیں ہوتا کہ اسلام ان کی زندگی کے ایجابی پہلو کے ساتھ ساتھ سلبی پہلو کی اصلاح پر بھی توجہ دیتا ہے اور جس طرح اچھائیوں پر عمل اسلام کا مطلوب ہے اسی طرح برائیوں اور اللہ کی نافرمانی سے اجتناب بھی اس کا تقاضا ہے دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ اسی لئے امامؑ نے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کے ساتھ فرمایا "واجتناب معاصیہ" اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہاں سے پتہ چلا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور معاصی سے بچنا گویا ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک پہیہ نہ ہو تو گاڑی بھی نہیں چل سکتی۔

ایک انسان کو دوسرے انسان سے جو شکایتیں پیدا ہوتی ہیں وہ یا تو مالی ہوتی ہیں یا پھر سلوکی۔ یعنی لین دین اور مالی معاملات میں انسان سے خیانت کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے بلکہ اگر اس معاملے میں کسی کو دوسرے کی نیت پر شک ہو جائے تو برسوں کی رفاقت ٹوٹ جاتی ہے یا منافقت میں بدل جاتی ہے اور بے شمار جھگڑے جنم لیتے ہیں اس سے منع کرتے ہوئے اور ان برائیوں کی بیخ کنی کرتے ہوئے امامؑ نے نصیحت فرمائی "واداء الامانہ لمن ائتمنکم" جس نے امانت تمہارے پاس رکھوائی وہ تم پر ادا کرنا ضروری ہے میں تمہیں اس کی نصیحت کرتا ہوں اور دوسری اہم بات یہ فرمائی کہ "وحسن الصحابہ لمن صحبتموہ" اور جس کی صحبت تم اختیار کرو اس سے اچھی طرح پیش آؤ۔ یہ جملہ بھی اپنے اندر معانی کا سمندر لئے ہوئے ہے۔ انسان کی دو ہی حالتیں ہیں یا تو وہ خلوت میں ہوگا یا کسی کی صحبت میں۔ یعنی یا تو وہ تنہا ہوگا یا پھر کسی کے ساتھ۔ اس کی زندگی میں ان

دو حالتوں کے علاوہ تیسری حالت نہیں آتی۔ تنہائی کی حالت کی اصلاح تو تقوے سے ہو جاتی ہے۔ رہی صحبت تو چاہے وہ کسی بھی سلسلے میں ہو قانونی معاملات سے متعلق ہو یا معاشی و معاشرتی معاملات سے۔ سفر ہو یا حضر اگر انسان حسن صحبت کو اپنا وطیرہ اور شعار بنا لے تو وہ لازماً ان احکام کی پیروی کرے گا جو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ لہٰذا اس کی معاشرتی اور سماجی زندگی کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔ اگر انسان اپنی تنہائی پر نظر کرے اور اس بات کا خیال رکھے کہ کوئی فعل تقوے کے خلاف سرزد نہ ہو اور اسی طرح معاشرتی اور سماجی زندگی میں ہر کام سے پہلے وہ یہ خیال کرے کہ یہ "حسن صحبت" کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں اگر اس زمرے میں آتا ہے تو اسے اختیار کرے اور اگر اس سے باہر ہے تو اسے ترک کر دے اس طرح اس کی خلوت و جلوت دونوں سدھر جائیں گی۔

مشہور مثل ہے کہ انسان کانوں سے نہیں آنکھوں سے بنتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر مواعظ اتنے اثر انداز نہیں ہوتے جتنے کہ اعمال۔ انسان سب سے زیادہ باکردار آدمی سے متاثر ہوتا اور انہیں کی عزت کرتا ہے آپ برے سے برے آدمی کو دیکھیں گے تو وہ آپ کو شریف و باکردار شخص کی تعریف و عزت ہی کرتا نظر آئے گا۔ بس یہی اصول ہے جسے امام علیہ السلام نے اپنے محبوں کے لئے اس طرح بیان کیا ہے "وان تکونوا لنا دعاة صامتین" اور یہ کہ تم ہمارے خاموش مبلغ بن جاؤ۔

امام علیہ السلام جس سیاسی حالات میں زندگی گزار رہے تھے اس کا ایک معمولی سا خاکہ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ جہاں بولنا جرم اور بادشاہ وقت کی بجائے اپنی مرجعیت قائم کرنا یا حقوق و فرائض کی تبلیغ ناقابل معافی جرم

تھے ایسے عہد میں امام صادقؑ اگر اپنے داعیوں کو حکم دیتے کہ ملک بھر میں پھیل جاؤ اور لوگوں کو میری امامت کی دعوت دو تو یقیناً آپ کو بھی اسی طرح باغی ٹھہرایا جاتا جس طرح خاندان رسالت کی دوسری فردوں کو ٹھہرایا گیا اور جن کی جدوجہد محض بے نتیجہ رہی۔ ان حالات میں تبلیغ دین اور استحکام امامت کی محض ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ آپ کے اصحاب کردار سازی پر توجہ دیں باایمان و باعمل بنیں تاکہ لوگ ان کے پیروکاروں اور دوسروں کے متبعین میں واضح فرق محسوس کریں اور یہ بات امامؑ کی طرف لوگوں کی توجہ کا باعث بنے اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے امامؑ نے فرمایا : اور یہ کہ تم ہمارے خاموش داعی بن جاؤ۔ یعنی تمہارا کردار ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ خود متاثر ہوں اور تمہاری صحبت اختیار کریں اور تمہارے ہی مذہب کو درست سمجھیں یہی خاموش تبلیغ اور خاموش دعوت ہے جس پر امامؑ کے اصحاب باوفا نے عمل کیا اور آج آپ کے ماننے والے چہار دانگ عالم میں اس قدر پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ روایت جو اوپر گزری یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے آگے ایک اہم جزء ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کی سرشت میں تجسس و تحقیق کی عادت ڈال دی گئی تھی اور امامؑ بھی آج کے مولویوں کی طرح انہیں ڈانٹ کر چپ نہیں کرواتے تھے بلکہ ان کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔ چنانچہ روایت کا دوسرا جزء یہ ہے کہ "فقالوا : یابن رسول اللہ وکیف ندعو و نحن صامتون؟" اصحاب نے سوال کیا اے فرزند رسول ہم خاموش رہ کر آپ کی طرف کیسے دعوت دیں؟ "فقال علیہ السلام : تعملون بما امرناکم بہ من العمل بطاعۃ اللہ و تعاملون الناس بالصدق

والعدل وتؤدون الامانه و تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر ولا یطلع الناس منکم الا علی خیر۔ فاذا راوا ما انتم علیه علموا فضل ما عندنا فتنازعوا الیه" "آپؑ نے فرمایا: ہم نے اطاعت الٰہی میں تمہیں جن باتوں کا حکم دیا ہے اس پر تم عمل کرو اور لوگوں سے صدق وعدل کے ساتھ معاملت کرو۔ امانتیں ادا کرو، تم اچھائیوں کا حکم دو اور برائیوں سے روکو اور لوگ تمہارے بارے میں سوائے خیر کے کچھ نہ جانیں۔ تو جب لوگ تمہاری روش اور طریقہ دیکھیں گے تو انہیں اس اعلیٰ و افضل تعلیم کا پتہ چلے گا جو ہمارے پاس ہے پس وہ اس کو اختیار کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کریں گے۔"

دیکھا آپ نے کہ امام علیہ السلام کس طرح تربیت کے ذریعے اور فکر و عملی انقلاب کے ذریعے حکومت وقت کو کمزور اور مذہب کو قوی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ نے بار بار اپنے اصحاب کو اس خاموش تبلیغ کی طرف متوجہ فرمایا۔

"قال ابواسامه: سمعت ابا عبدالله الصادقؑ یقول: علیکم بتقوی الله والورع والاجتھاد وصدق الحدیث واداء الامانه وحسن الخلق وحسن الجوار و کونوا دعاة لانفسکم بغیر السنتکم وکونوا زینا ولا تکونوا شینا" (معمولی تغیر کے ساتھ الاصول من الکافی ج ۳۔ ص ۱۲۳، الوسائل ج ۱۱۔ ص ۱۹۳ والمحاسن ج ا فی ع/۲۰)

"ابو اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ کو کہتے سنا تم پر اللہ کا تقویٰ، ورع، اجتہاد، سچائی، ادائے امانت، حسن خلق، پڑوسی سے اچھا سلوک واجب ہے نیز یہ کہ تم اپنی طرف کچھ بولے بغیر دعوت دینے والے بن جاؤ اور یہ کہ باعث زینت بنو باعث شرمندگی نہ بنو۔"

"وقال ابن ابی یعفور : سمعت الصادقؑ یقول : کونوا دعاۃ للناس بغیر السنتکم۔ لیروا منکم الاجتہاد والصدق والورع" (الاصول من الکافی ۲/ ۱۶۴، الوسائل ج۱۱۔ ص ۱۹۴)

"ابن ابی یعفور کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ کو کہتے سنا : خاموشی سے لوگوں میں دعوت دینے والے بنو تاکہ وہ تم سے اجتہاد سچائی اور ورع کا مشاہدہ کریں۔"

امام علیہ السلام کی اس تربیتی مہم کے مختلف پہلوؤں کو ہم مختصراً ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

(۱) اعتقادی پہلو

عوام کے اعتقادات جو مختلف قسم کے تغیرات پیدا ہوئے نیز فلسفیانہ موشگافیوں اور دیگر اقوام و ملل کے اختلاط سے جو مباحث وجود میں آئے ان کا حل اور معتقدات کی اصلاح امام علیہ السلام کا بنیادی ہدف تھا۔ خدا کے وجود اور توحید کے دلائل۔ اس پر کئے جانے والے اعتراضات، ادراک عقلی، رسالت و امامت، قیامت، حساب اور شفاعت ایمان و عمل کا تعلق وغیرہ ایسے مباحث تھے جنہیں

امام علیہ السلام نے حل کیا۔

(۲) اخلاقی پہلو

جیساکہ گزشتہ صفحات میں مندرج تین احادیث سے اندازہ ہوا ہوگا کہ آپ اپنے اصحاب کی روحانی تربیت اور اخلاق فاضلہ کی پیدائش پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ کردار سازی آپ کا بنیادی نظریہ تھا اس ضمن میں آپ کے ہزاروں احادیث واقوال موجود ہیں جنہیں اصول کافی، وسائل الشیعہ (کتاب الجھاد) اور اخلاقیات کی دوسری کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۳) اجتماعی پہلو

اجتماعی اور معاشرتی پہلو اس وقت وجود میں آتا ہے جب انسان معاشرے میں زندگی گزارے اور یہ انسانی زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے اگر ہم امام علیہ السلام کے احادیث پر نظر کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ معاشرتی زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جس کے متعلق حضرت کے واضح ارشادات موجود نہ ہوں۔ حسن صحبت، حسن جوار، ادائے امانت اور حسن معاشرت غرض ہر شعبے کے متعلق واضح ہدایات موجود ہیں۔ اسی طرح امام علیہ السلام نے عبادات کے ساتھ ساتھ معاشرتی اعمال پر خاص توجہ دی ہے آپ نے فرمایا :

"لاتنظروا الی طول رکوع الرجل و سجوده فان ذلک ربما یکون شئی قد اعتاده ولکن انظروا الی صدق حدیثه واداء الامانه"

"کسی شخص کے لمبے لمبے رکوع اور سجدوں کو نہ دیکھو کیونکہ کبھی کبھی یہ

بات انسان محض عادتاً کرتا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ وہ کتنا سچ بولتا ہے اور امانت ادا کرتا ہے یا نہیں۔"

آپ کی تعلیمات کا خلاصہ مسلمانوں کی اسلامی وحدت کی تشکیل اور انہیں اخوت کا احساس بیدار کرنا تھا آپ فرماتے ہیں : "حب لاخیک المسلم ما تحب لنفسک" اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ ایک اور موقع پر فرمایا :

"ان المؤمن اخوالمؤمن كالجسد الواحد اذا اشتكى شيئا منه وجدالم ذلک فی سائر جسده ۳۷۵۔ ان المؤمن اخوالمؤمن هو عینه و دلیله لا یخونه ولا یظلمه ولا یغشه"۔۳۷۶

"ایک مومن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے گویا کہ مومنین ایک جسم کی طرح ہیں اگر اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو پورے جسم میں اس کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے وہ اس کی آنکھ ہے اس کی راہنما ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دھوکہ دیتا ہے۔

"عن خیثمه قال : دخلت علی ابی عبدالله لاودعه وانا ارید الشخوص۔ فقال : ابلغ موالینا السلام و اوصهم بتقوی الله العظیم واوصهم ان یعود غنیهم علی فقیرهم و قویهم علی ضعیفهم وان یشهد حیهم جنازة میتهم وان یتلاقوا فی بیوتهم فان فی

لقاء بعضهم حیوة لامرنا۔ ثم قال : رحم اللہ عبدا احیا امرنا۔ یا خیثمہ انا لا نغنی عنھم من اللہ شیئا الا بالعمل وان ولایتنا لا تدرک الا بالعمل وان اشد الناس حسرۃ یوم القیامہ رجل وصف عدلا ثم خالف الی غیرہ" (مصادقۃ الاخوان للصدوقؒ ص ۱۵)

"خیثمہ کہتے ہیں کہ میں امام صادق علیہ السلام سے ملنے آیا تاکہ ایک سفر پر جانے سے پہلے ان سے وداع ہولوں۔ آپ نے فرمایا : ہمارے دوستوں کو ہمارا اسلام کہنا انہیں اللہ تبارک وتعالٰی کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرنا اور یہ بھی نصیحت کرنا کہ دولت مند غریبوں اور ناداروں کی مدد کریں اور طاقت ور حضرات کمزوروں کی مدد کریں۔ جو زندہ ہے وہ مرنے والے کے جنازے میں شرکت کرے اور ایک دوسرے کے گھروں پر ملنے جایا کرو کیونکہ یہ ملاقاتیں ہمارے امر کی زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ پھر فرمایا : اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ کرتا ہے۔ اے خیثمہ بغیر عمل کے یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف ہم ان کے لئے اللہ کے غضب سے بچنے کے لئے کافی ہوں اور یہ کہ ہماری محبت صرف عمل ہی کی راہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور یہ بھی کہ بے شک روز قیامت لوگوں میں سب سے زیادہ حسرتناک وہ ہو گا جسے لوگ عادل کی صفت سے پہچانتے ہوں پھر وہ دوسروں کے معاملے میں عدل سے کام نہ لیتا ہو۔"

شیعہ کے معنی دوست اور پیرو کے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص اس بات کا

دعویدار ہے کہ ہم شیعیان اہل بیتؑ میں سے ہیں لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اس وقت تک اپنے کو شیعہ نہیں کہہ سکتے جب تک کہ ہم میں وہ صفات نہ پائی جائیں جو ائمہ علیہم السلام نے اپنے شیعوں اور پیروکاروں کو بتائی ہیں۔ اس بارے میں ائمہ علیہم السلام اور خاص طور پر امام صادق علیہ السلام سے بہت کچھ منقول ہے :

"عن المفضل بن عمر قال : قال ابو عبداللہؑ : احتبر شیعتنا فی خصلتین۔ فان کانتا فیهم والا فاعزب ثم اعزب قلت : ماهما؟ قال : المحافظه علی الصلاۃ فی مواقیتهم والمواساۃ للاخوان وان کان الشئی قلیلا"

"مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا : ہمارے شیعوں کو دو خصلتوں سے پرکھو اگر وہ ان میں پائی جاتی ہیں تو خیر ورنہ انہیں چھوڑ دو' ورنہ انہیں چھوڑ دو۔ میں نے پوچھا وہ کون سی دو خصلتیں ہیں؟ فرمایا : ایک تو نماز وقت پر ادا کرنا اور دوسرے اپنے مومن بھائیوں کی مدد خواہ کتنی ہی تھوڑی سی چیز سے کیوں نہ ہو۔" (مصادقۃ الاخوان للصدوقؒ ص ۱۶)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا اور آپ کو پورا پورا اندازہ ہوگیا ہوگا کہ کس طرح امام علیہ السلام نے لوگوں کی تربیت کی اور کس طرح پند و نصائح و تعلیمات اسلامی سے ان میں صحیح مسلمان ہونے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی اور کس طرح تعلیمات اسلامی پر عمل کروایا۔

ارشادات امامؑ

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات و احادیث سے کتابیں بھری پڑی ہیں ان میں سے انتخاب کرنا نہایت مشکل کام تھا اس لئے ہم نے مناسب یہ سمجھا کہ سماحۃ المکرم العلامہ الشیخ فضل اللہ الحائری دام فیوضہ کی کتاب ''من مسند اہل بیتؑ) جو ارشادات سے ائمہؑ'' کا انتہائی عمدہ اور کردار ساز انتخاب ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کے چند ارشادات تبرکاً چن لیں اور مع ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کردیں۔ ہر قول کے آگے دو نمبر دیئے ہوئے ہیں داہنے ہاتھ کا نمبر اصل کتاب کا صفحہ نمبر ہے اور بائیں طرف کا عدد کتاب کے حوالوں کا ہے۔

(۱) ''ان العلم خلیل المؤمن و الحلم وزیرہ' والعقل امیر جنودہ والرفق اخوہ والبر والدہ'' (ص۳۶۔ح۴۱)

''بے شک علم مؤمن کا دوست' بردباری اس کی وزیر' عقل اس کا سردار لشکر' نرم دلی اس کا بھائی اور نیکی گویا کہ اس کا باپ ہے۔''

(۲) ''من احب ان یکون اتقی الناس فلیتوکل علی اللہ''
(ص۳۹۔ح۶۰

''جو یہ خواہش رکھتا ہے کہ سب سے زیادہ متقی بن جائے اسے اللہ پر توکل کرنا

چاہئے۔"

(۳) "من سره ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن سره ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ ومن سره ان یکون اغنی الناس فلیکن بما فی ید اللہ اوثق منہ فی یده" (ص۳۹-ح۶۱)

"جو اس پر خوش ہو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ طاقت ور شمار ہو وہ اللہ پر توکل کرے اور جو اس پر خوش ہو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز بن جائے اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور جو لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہونا پسند کرتا ہو اسے اپنی ملکیت سے زیادہ اس انعام پر بھروسہ ہونا چاہئے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

(۴) "قال الصادقؑ - من اعطی ثلاثا لم یمنع ثلاثا : من اعطی الدعاء اعطی الاجابه - ومن اعطی الشکر اعطی الزیادة - ومن اعطی التوکل اعطی الکفایه - ثم قال : اتلوت کتاب اللہ عزوجل : ومن یتوکل علی اللہ فهو حسبه (الطلاق ۳) وقال : لئن شکرتم لازیدنکم (ابراہیم ۷) وقال : ادعونی استجب لکم (المومن ۶۰)" (ص۴۰-ح۶۲)

"امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کو اللہ تین چیزیں عطا فرماتا ہے اسے مزید تین چیزیں ضرور ملتی ہیں۔ جسے دعاء کی توفیق عطا ہوئی اسے قبولیت بھی عطا ہوتی ہے۔ جس کو شکر کی توفیق عطا ہوتی ہے اسے ترقی بھی عطا ہوتی ہے۔ جس کو توکل عطا ہوتا ہے اسے کفایت بھی عطا ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کیا تم نے قرآن کی تلاوت نہیں کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی

ہے۔ نیز فرمایا : اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ترقی دی جائے گی۔ نیز فرمایا : مجھے پکارو میں تمہاری دعا کا جواب دوں گا۔"

(۵) "افضل العبادة ادمان التفکیر فی اللہ وفی قدرتہ" (ص ۴۱ ۔ ح ۵۷)

"سب سے افضل عبادت اللہ اور اس کی قدرت پر مسلسل فکر کرتے رہنا ہے۔"

(۶) "سئل الصادقؑ عن قول اللہ تعالیٰ : لیبلوکم ایکم احسن عملا (الملک : ۲) قال : لیس یعنی اکثر عملا ولکن اصوبکم عملاً و انما الاصابہ خشیہ اللہ والنیہ الصادقہ والحسنہ" (ص ۴۲ ۔ ح ۸۱)

"امام صادقؑ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان : (تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون سب سے بہتر عمل کرتا ہے) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا اس سے کثرت عمل مراد نہیں بلکہ عمل کا درست تر ہونا مراد ہے اور عمل کی درستگی سے مراد اللہ کا خوف اور سچی و نیک نیت ہے۔"

(۷) "الابقاء علی العمل حتی یخلص اشد من العمل' والعمل الخالص : ھو الذی لا ترید ان یحمدک علیہ احد الا اللہ عزوجل' والنیہ افضل من العمل" (ص ۴۲ ۔ ح ۸۱)

"کسی عمل کو اس وقت تک کرتے رہنا جب تک کہ وہ اللہ کے لئے خالص نہ ہو جائے خود عمل سے شدید تر ہے اور عمل خالص یہ ہے کہ تم اس پر کسی سے تعریف نہ چاہو سوائے خدا کے اور نیت عمل سے افضل ہے۔"

(۸) "العدل احلی من الماء یصیبہ الظمان۔ ما اوسع العدل

اذا عدل فیہ وان قل" (ص ۴۴-ح ۹۴)

"عدل اس پانی سے زیادہ شیریں ہے جو کسی پیاسے کو مل جائے۔ عدل خواہ تھوڑی ہی سے مقدار کے بارے میں ہو کیا ہی وسیع ہوتا ہے۔"

(۹) "اتقوا اللہ واعدلوا فانکم تعیبون علی قوم لا یعدلون" (ص ۴۴-ح ۹۵)

"اللہ سے ڈرو اور عدل کیا کرو کیوں تم ہی ان لوگوں پر عیب لگاتے ہو جو عدل نہیں کرتے۔"

(۱۰) "حسن الظن باللہ ان لا ترجو الا اللہ ولا تخاف الا ذنبک" (ص ۴۶-ح ۱۰۱)

"اللہ سے حسن ظن کے معنی یہ ہیں کہ تم سوائے اللہ کے کسی سے امید نہ رکھو اور سوائے اپنے گناہ کے کسی سے نہ ڈرو۔"

(۱۱) "قال الصادقؑ : القیامہ عرس المتقین" (ص ۶۱-ح ۱۵۸)

"امام صادقؑ نے فرمایا : قیامت تقویٰ شعاروں کے لئے دلہن ہے۔ (جیسے انسان کو دلہن کا اشتیاق ہوتا ہے ویسے ہی متقی کو قیامت کا)"

(۱۲) "فحاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا علیہا فان للقیامہ خمسین موقفا کل موقف مقام الف سنہ" (ص ۶۲-ح ۱۷۵)

"اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ کیونکہ قیامت میں تمہیں حساب کے لئے پچاس مرتبہ کھڑا کیا جائے گا اور ہر دفعہ قیام ایک ہزار

سال کے برابر ہوگا۔"

(۱۳) "قال ابو حنیفةؒ للامام الصادقؑ یا اباعبداللہ : ما اصبرک علی الصلاۃ؟ فقال : اما علمت ان الصلاۃ قربان کلی تقی۔ وان الحج جہاد کل ضعیف ولکل شئی زکاۃ وزکاۃ البدن الصیام، وافضل الاعمال انتظار الفرج من اللہ۔ والداعی بلا عمل کالرامی بلا وتر" (ص۹۸۔ ح۳۳۲)

"جناب ابو حنیفہؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا اے ابو عبداللہ : آپ اتنی نمازیں پڑھنا کس طرح برداشت کرلیتے ہیں۔ فرمایا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نماز ہر متقی کو اللہ کی قربت عطا کرنے والی ہے۔ اور حج ہر کمزور کا جہاد ہے اور ہر شے کی زکاۃ ہوتی ہے جب کہ بدن کی زکوۃ روزہ ہے۔ اور سب سے افضل عمل یہ ہے کہ انسان اللہ کی طرف سے کشادگی کا انتظار کرے اور بغیر عمل کے دعوت دینے والا ایسے ہی ہے جیسے بغیر کمان کے تیر چلانے والا۔"

(۱۴) "ان العلماء ورثه الانبیاء۔ وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینار وانما اورثوا احادیث من احادیثھم، فمن اخذ بشئی منھا فقد اخذ حظا وافرا فانظروا علمکم ھذا عمن تاخذونہ فان فینا اھل البیت فی کل خلف عدولا ینفون عنہ تحریف الغالین" (ص۱۱۸۔ ح۴۳۹)

"علماء بے شک انبیاء کے وارث ہیں اور یہ اس طرح ہے کہ انبیاء ورثے میں نہ درہم چھوڑتے ہیں نہ دینار بلکہ اپنی احادیث ورثہ میں چھوڑتے ہیں پس جس نے ان احادیث میں سے کچھ اخذ کیا اس نے بڑا حصہ پایا۔ پس اپنے علم پر نظر رکھو کہ

کس سے تم یہ علم لے رہے ہو۔ کیونکہ ہم اہل بیت میں سے ہر ایک کے بعد ایک عادل شخص آتا ہے جو دین کو غالیوں کی تحریف سے پاک کرتا ہے۔"

(۱۵) "ومن العلماء من یری ان یضع العلم عند ذوی الثروة والشرف' ولا یری له فی المساکین وضعا فذلک فی الدرک الثالث من النار" (ص۱۱۸-ح۳۴۰)

"ایسے علماء بھی ہیں جو علم کو صاحبان ثروت کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں لیکن مساکین کے پاس نہیں رکھنا چاہتے یہ لوگ جہنم کے تیسرے طبقے میں ہوں گے۔"

(۱۶) "وقال الصادقؑ : شرف المؤمن صلاته باللیل وعزه کف الاذی عن الناس" (ص۱۲۳ -ح۴۶۳) "امام صادقؑ نے فرمایا : نماز تہجد مومن کے لئے باعث شرف ہے اور لوگوں کی پریشانیاں دور کرنا ان کی عزت کا سبب ہے۔"

(۱۷) "وسئل من اکرم الخلق علی الله؟ قال اکثرهم ذکر الله واعلمهم بطاعته" (ص۱۲۴-ح۴۷۵)

"آپؑ سے پوچھا گیا کہ اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے مکرم کون ہے؟ فرمایا جو ان میں ذکر الٰہی سب سے زیادہ کرتا ہے اور اس کی اطاعت کے مواقع کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔"

(۱۸) "وقالؑ : نوم الصائم عبادة' وصمته تسبیح وعمله متقبل ودعائوه مستجاب" (ص۱۳۸- ح۵۴۱)

"فرمایا : روزہ دار کا سونا عبادت ہے' اس کی خاموشی تسبیح ہے' اس کا عمل اللہ تک پہنچنے والا ہے اور اس کی دعا قبول ہونے والی ہے۔"

(۱۹) "علی کل جزء من اجزائک زکاۃ واجبہ للہ تعالیٰ' بل علی کل منبت شعرک بل علی کل لحظہ"

"تمہارے بدن کے ہر جزء پر زکات واجب ہے اللہ کے لئے' بلکہ تمہارے ہر بال کی جڑ پر' بلکہ ہر دفعہ پلک کے جھپکنے پر بھی زکات ہے۔"

(۲۰) "فزکاۃ العین النظر بالعبرۃ والغض عن الشہوات"

"پس آنکھ کی زکات عبرت کی نظر سے دیکھنا اور خواہشات نفسانی سے آنکھیں بند کرنا ہے۔"

(۲۱) "وزکاۃ الاذان استماع العلم والحکمہ والقرآن وفوائد الدین من الموعظہ والنصیحہ ومافیہ نجاتک' والاعراض عما ھو ضدہ من الکذب والغیبہ واشباھھما"

"کانوں کی زکوۃ' علم' حکمت' قرآن' موعظہ اور نصیحت کے ذریعے دینی فوائد کو سننا اور ان باتوں کو سننا جو باعث نجات ہیں۔ اور اسی طرح ان کی ضد یعنی جھوٹ اور غیبت اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے منہ موڑنا۔"

(۲۲) "وزکاۃ اللسان النصح للمسلمین' وایقاظ الغافلین وکثرۃ التسبیح والذکر وغیرہ"

"زبان کی زکات مسلمانوں کو نصیحت کرنا' غافلوں کو جگانا اور کثرت سے اللہ کا ذکر و تسبیح کرنا ہے۔"

(۲۳) "وزکاۃ الید البذل والسخاء بما انعم اللہ علیک و تحریکھا بکتابہ العلم' و منافع ینتفع بھا المسلمون فی طاعہ اللہ والقبض عن الشرور"

"ہاتھ کی زکات عطا، سخاوت اس چیز کے بارے میں جو اللہ نے تم پر انعام کی اور ہاتھ کا حرکت دینا علمی باتیں لکھنے کے لئے اور ایسے فائدہ بخش کام کرنا جن سے مسلمان اللہ کی اطاعت میں نفع اٹھائیں نیز ہاتھ کو برے کاموں سے بچانا۔"

(۲۴) "وزكاة الرجل السعی فی حقوق الله من زيارة الصالحين، ومجالس الذكر واصلاح الناس وصله الرحم والجهاد، ومافيه صلاح قلبك وسلامه دينك"

"اور پاؤں کی زکات اللہ کے حقوق ادا کرنے کی سعی، نیک لوگوں سے ملنے جانا، مجالس ذکر میں شرکت، لوگوں کی اصلاح، رشتہ داروں سے سلوک، جہاد اور ہر اس چیز کا اختیار کرنا جس میں تمہارے دل کی صلاح اور دین کی سلامتی ہے۔" (قول نمبر ۱۹ تا ۲۴ : ص ۱۳۵ – ح ۵۸۱)

(۲۵) "عن الصادقؑ قال : قال رسول اللہؐ : اذا بلغكم عن رجل حسن حال فانظروا فی حسن عقله فانما يجازى بعقله" (ص ۱۵۸ – ح ۶۳۰)

"امام صادقؑ نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جب تمہیں کسی شخص کے کردار کے بارے میں اچھی بات پتہ چلے تو یہ دیکھو کہ اس کی عقل کتنی اچھی ہے۔ کیونکہ جزاء عقل کے مطابق ہوگی۔"

(۲۶) "قال الصادقؑ فی تفيسر قوله تعالٰی : ان السمع والبصر والفواد كل اولئك كان عنه مسئولا : يسئل السمع عما سمع، والبصر عما نظر اليه والفواد عما عقد عليه" (ص ۱۶۰ – ح ۶۵۴)

"امام صادق علیہ السلام نے اللہ تعالٰی کے فرمان "بے شک سمع، بصر اور عقل سے باز پرس ہوگی" کے بارے میں فرمایا : آنکھ سے اس کے بارے میں پوچھا جائے

کا جس کی طرف اس نے دیکھا۔ کان سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا جو اس نے سنا اور عقل سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی جس پر وہ اڑی رہی۔"

(۲۷) "عن الصادقؑ قال لرجل : انک قد جعلت طبیب نفسک و بین لک الداء' و عرفت آیه الصحه و دللت علی الدواء فانظر کیف قیامک علی نفسک" (ص ۱۶۴- ح ۶۸۵)

"امام صادقؑ نے ایک شخص سے فرمایا : تمہیں اپنے نفس کا خود ہی طبیب بنایا گیا ہے' تمہارا مرض تم پر واضح کردیا گیا ہے۔ صحت کی علامت تمہیں بتا دی گئی ہے' دواء تک تمہاری راہنمائی کردی گئی ہے۔ پس یہ دیکھو کہ تم اپنے نفس کا کس طرح خیال رکھتے ہو۔"

(۲۸) "انفع الاشیاء للمرء سبقه الناس الی عیب نفسه" (ص ۱۶۴- ح ۶۸۹)

"انسان کے لئے سب سے نفع بخش چیز یہ ہے کہ لوگوں سے پہلے خود اپنے عیب جان لے۔"

(۲۹) "العزله عبادة' وان اقل العیب علی المرء قعوده فی منزله" (ص ۱۷۱- ح ۷۳۲)

"برائیوں کے خوف سے تنہائی اختیار کرنا عبادت ہے۔ اور گھر میں بیٹھے رہنا ہی کسی انسان کا سب سے چھوٹا عیب ہے۔"

(۳۰) "ان العقلاء انما اختاروا العزله لقله اخوان الصفا و خلان الوفاء والا فهم علموا ان المعاشرة مع الابرار الصالحین والاخیار المتقین افضل من الوحدة

والانفراد، ومن یترک الاخیار اختیارا ابتلی بالاشرار اضطرارا" (ص ۱۷۱۔ ح ۷۳۴)

"عقلمند افراد صرف اخوان باصفا اور وفادار دوستوں کی قلت کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں ورنہ ان کے علم میں یہ بات ہوتی ہے کہ ابرار صالحین اور اخیار متقین سے میل جول تنہائی اور گوشہ گیری سے بہتر ہے اور اگر کوئی شخص نیک لوگوں کی صحبت اختیاری طور پر ترک کرتا ہے تو وہ لازمی طور پر بروں کے پھندے میں پڑ جاتا ہے۔"

(۳۱) "اذا اردت الطهارة والوضوء فتقدم الی الماء، تقدمک الی رحمہ اللہ، فان اللہ تعالٰی قد جعل الماء مفتاح قربتہ و مناجاتہ، وکما ان رحمتہ تطهر الذنوب، فان النجاسات الظاهرة یطهرها الماء وحدہ قال اللہ تعالٰی : وانزلنا من السماء ماء اطهورا وقال سبحانہ وجعلنا من الماء کل شئی حی فکما احی بہ کل شئی من نعیم الدنیا کذلک بفضلہ و رحمتہ حیاة القلوب بالطاعات" (ص ۱۷۳۔ ح ۷۴۷)

"جب تم طہارت اور وضو کا ارادہ کرو تو پانی کی طرف بڑھو، یہ تمہیں رحمت الٰہی سے قریب کردے گا۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے پانی کو اپنی رحمت سے قربت اور مناجات کی کنجی بنایا ہے۔ اور جس طرح اس کی رحمت گناہوں سے پاک کردیتی ہے اسی طرح ظاہری نجاستوں کو صرف پانی ہی دور کرتا ہے۔ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے۔ ہم نے آسمان سے طہارت بخش پانی نازل کیا۔ نیز فرمایا : ہم نے پانی کے ذریعے ہر شئے کو حیات دی۔ پس جس طرح اس نے پانی کے ذریعے دنیا کی ہر نعمت

کو زندگی دی اسی طرح اس کے فضل و رحمت سے اللہ کی اطاعت میں دلوں کی زندگی موجود ہے۔"

(۳۲) "مامن عبد کظم غیظا الا زادہ اللہ عزوجل بہ عزا فی الدنیا والاخرۃ" (ص ۱۷۶۔ ح ۷۸۲)

"دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنا غصہ ضبط کرلے مگر یہ کہ اللہ تعالی دنیا و آخرت میں اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔"

(۳۳) "من کظم غیظہ وھو یقدر علی انفاذہ ملا اللہ قلبہ امنا و ایمانا الی یوم القیامہ' وقال : نعمت الجرعہ الغیظ لمن صبر علیھا" (ص ۱۷۶۔ ح ۷۸۳)

"جس نے اپنا غصہ پیا حالانکہ وہ اسے اتارنے کی قدرت رکھتا ہو اللہ تعالی اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دیتا ہے یوم قیامت تک۔ نیز فرمایا کہ جو غصے پر صبر کرتا ہے اس کے لئے سب سے اچھا گھونٹ غصے کا گھونٹ ہے"

(۳۴) "ثلاثہ من مکارم الدنیا والاخرۃ ان تعفو عمن ظلمک و تصل من قطعک و تحلم اذا جھل علیک" (ص ۱۷۸ ۔ ح ۷۹۶)

"تین باتیں دنیا و آخرت میں مکرم کرنے والی ہیں۔ (۱) جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو۔ (۲) جو تم سے رشتہ توڑے اس سے تم رشتہ جوڑو۔ (۳) اور جب کوئی گستاخی کرے تو اسے برداشت کرو۔"

(۳۵) "قال الصادقؑ : انا اھل بیت' مروء تنا العفو عمن ظلمنا" (ص ۱۷۸۔ ح ۷۹۷)

"آپؑ نے فرمایا : ہم اہل بیت ہیں' ہماری مروت یہ ہے کہ جو ہم پر ظلم کرتا ہے ہم اسے معاف کر دیتے ہیں۔"

(۳۶) "قال : الحیاء من الایمان' والایمان من الجنہ' والریاءمن الجفاءوالجفاءمن النار" (ص۱۷۹۔ح۸۰۹)

"حیاء ایمان کا جزء ہے اور ایمان باعث جنت' دھوکہ وہی ظلم کا جزء ہے اور ظلم باعث دوزخ ہے۔"

(۳۷) "ثلاث من لم تکن فیہ فلا یرجی خیرہ ابدا : من لم یخش اللہ فی الغیب' ولم یرعو عند الشیب ولم یستح من العیب" (ص۱۷۹۔ح۸۱۰)

"جس میں تین صفات نہ پائی جاتی ہوں اس کی بھلائی کی تمنا کبھی نہیں کی جا سکتی۔ وہ جو تنہائی میں اللہ سے نہ ڈرے اور جو نوجوانی میں اپنے نفس کی نگہبانی نہ کرے اور جو اپنے عیب پر پشیمان نہ ہو۔"

(۳۸) "ثلاثہ اصول الکفر : الحرص' الاستکبار' والحسد" (ص۱۸۱۔ح۸۳۶)

"کفر کی بنیادیں تین ہیں : لالچ' تکبر اور حسد۔"

(۳۹) "من التواضع ان تسلم علی من لقیت" (ص۱۸۱۔ح۸۴۷)

"خاکساری کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ تم جس سے ملو اس کو سلام کرو۔"

(۴۰) "السخی الکریم الذی ینفق مالہ فی حق" (ص۱۸۳۔ح۸۴۸)

"معزز سخی وہ ہے جو حق کی خاطر اپنا مال صرف کرے۔"

(۴۱) "وسئل الصادقؑ عن حد السخاء فقال : تخرج من

مالک الحق الذی اوجبہ اللہ علیک فتضعہ فی موضعہ"

"امام صادقؑ سے سخاوت کی حد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا : اللہ نے جو حق تم پر واجب قرار دیا ہے اسے نکال لو اور وہاں خرچ کرو جہاں اسے خرچ کرنے کا حکم ہے۔" (ص ۱۸۳ - ح ۸۵۱)

(۴۲) "سئل الامام الصادقؑ عن الزھد فی الدنیا : فقال : الذی یترک حلالھا مخافہ حسابہ و یترک حرامھا مخافہ عذابہ" (ص ۱۸۹ - ح ۸۹۲)

"امام صادقؑ سے دنیاوی زہد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا : زاہد وہ ہے جو دنیا کی حلال چیزوں کو حساب کے خوف سے چھوڑ دے اور حرام چیزوں کو عذاب کے خوف سے ترک کردے۔"

(۴۳) "عن ابی بصیر قال : قال لی الصادقؑ یا ابامحمد علیکم بالورع والاجتھاد وصدق الحدیث واداء الامانہ' وحسن الصحابہ' لمن صحبکم' وطول السجود' فان ذلک من سنن الاولین" (ص ۱۹۱ - ح ۹۰۴)

"ابوبصیر کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا : اے ابومحمد تم لوگوں پر تقویٰ اور اجتہاد' بات کی سچائی' امانتوں کا ادا کرنا' حسن صحبت جو تمہاری صحبت اختیار کرے' سجدوں کی طوالت لازم ہے کیونکہ یہ پہلوں کی سنت ہے۔"

(۴۴) "اغنی الغنی القناعہ وقال ایضاً لرجل یعظہ : اقنع بما قسم اللہ لک ولا تنظر الی ما عند غیرک' ولا تتمن ما لست نایلہ' فانہ من قنع شبع' و من لم یقنع لم یشبع وخذ حظک من آخرتک" (ص ۱۹۳ - ح ۹۱۸)

"سب سے بڑی تونگری قناعت ہے۔ نیز ایک شخص کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا : جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر قناعت کرو اور

نظر نہ لگاؤ جو دوسروں کے پاس ہے اور جو چیز تم پا نہیں سکتے اس کی تمنا نہ کرو کیونکہ جس نے قناعت کی گویا وہ سیر ہو گیا اور جس میں قناعت نہیں ہوتی وہ کبھی سیر نہیں ہوتا۔ تمہیں اپنی آخرت میں سے حصہ لینا چاہئے۔"

(۴۵) "قال الصادقؑ : ثلاثه لابد من ادائهن علی کل حال : الامانه الی البر والفاجر، والوفاء بالعهد للبر والفاجر، وبر الوالدین برین کانا او فاجرین" (ص ۱۹۳ - ح ۹۲۴)

"امام صادقؑ نے فرمایا تین حق ہیں کہ جنہیں ہر حال میں ادا کرنا چاہئے۔ نیک اور بد دونوں کی امانت ادا کرنا، وعدہ پورا کرنا خواہ نیک سے ہو خواہ بد سے، والدین سے حسن سلوک خواہ وہ نیک کردار کے ہوں خواہ بدکردار۔"

(۴۶) "قال الصادقؑ : احب العباد الی الله عزوجل رجل صدوق فی حدیثه، محافظ علی صلواته وما افترض علیه مع اداء الامانه، ثم قال : من ائتمن علی امانه فاداها فقد حل الف عقدة من عنقه من عقد النار فبادروا باداء الامانه" (ص ۱۹۴ - ح ۹۲۵)

"امام صادقؑ نے فرمایا : بندوں میں سے اللہ کے نزدیک ترین وہ ہے جو اپنے قول میں سچا، نماز کا پابند اور ادائے امانت کے ساتھ تمام فرائض کا پورا کرنے والا ہے۔ (پھر) فرمایا : جس کو کسی چیز پر امین بنایا گیا اور اس نے امانت ادا کر دی اس نے اپنی گردن سے آگ کے ہزار طوق اتار پھینکے۔ پس تم ادائے امانت میں جلدی کرو۔"

(۴۷) عن عبداللہ بن سنان قال : دخلت علی الصادقؑ و قد صلی العصر وهو جالس مستقبل القبله فی المسجد فقلت : یابن رسول الله ان بعض السلاطین یامننا علی الاموال یستودعناها، ولیس یدفع الیکم خمسکم، افنوء

دیهاالیهم؟قال : ورب ھذہ القبلہ لوان ابن ملجم قاتل ابی ائتمننی علی الامانہ لادیتہا لہ" (ص ۱۹۴ – ح ۹۲۶)

"عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کے پاس پہنچا تو آپ مسجد میں نماز عصر پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے اور قبلہ رخ بیٹھے ہوئے تھے' میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ۔ بعض صاحبان اقتدار ہمارے پاس اپنے اموال بطور امانت رکھواتے ہیں لیکن آپ کا حق خمس ادا نہیں کرتے تو کیا پھر بھی ہم امانتیں ان کو واپس کردیں؟ آپ نے فرمایا : رب کعبہ کی قسم اگر ہمارے جد امیرالمومنینؑ کا قاتل ابن ملجم بھی ہمارے پاس امانت رکھواتا تو میں اسے بھی امانت واپس کردیتا۔"

(۴۸) "قال : مابعث اللہ نبیا قط الا بصدق الحدیث واداء الامانہ" (ص ۱۹۴ – ح ۹۲۸)

"فرمایا : اللہ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ سچائی اور ادائے امانت کے ساتھ۔"

(۴۹) "بروا آبائکم یبرکم ابنائوکم' و غضوا عن النساء یغض عن نسائکم" (ص ۱۹۶ – ح ۹۳۵)

"اپنے والدین سے حسن سلوک کرو تمہارے بیٹے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ دوسروں کی عورتوں کو نہ دیکھو لوگ تمہاری عورتوں کو بھی نہیں دیکھیں گے۔"

(۵۰) "عن الصادقؑ صل رحمک ولو بشربہ ماء' وافضل ما توصل بہ الارحام کف الاذی" (ص ۱۹۹ – ح ۹۶۴)

"صلہ رحم کرو خواہ پانی کا ایک گھونٹ سے ہی ہو اور سب افضل چیز صلہ رحم کے لئے دوسرے کی مصیبت کو دور کرنا ہے۔

"الحمدللہ کما ھو اھلہ علی اتمام ھذا الکتاب"

مصادر و ماخذ

۱۔ - الامام الصادق محمد ابی زہرہ۔ ص ۷٦

۲۔ - الفصول المہمہ۔ ص ۲۰۹

۳۔ - مناقب ابن شہر آشوب الجزء الخامس۔ ص ۵۵، طبع بمبئی

۴۔ - الصادقؑ۔ ۱/ ۱۵۳

۵۔ - اعیان الشیعہ۔ ۲/ ۴۔ ص ۲۹، طبع بیروت سن ۱۹۶۰ھ

٦۔ - الکافی۔ ج ۱۔ ص ۲۸۳، الوسائل۔ ج ۹۔ ص ۲۰۷

۷۔ - الاصول من الکافی۔ ج ۱۔ ص ۴۷۲، طبع جدید

۸۔ - اعیان الشیعہ۔ ج ۳۲۔ ص ۲۵۵، ترجمہ ۹۳٦۷ طبع بیروت ۱۹۵۸ھ

۹۔ - الارشاد للمفید۔ ص ۲۸۲، ہجری اردو ترجمہ۔ ص ۳۲٦

۱۰۔ - وفیات الاعیان۔ ج ۱۔ ص ۲۸، ۳۲۷

۱۱۔ - قرب الاسناد۔ ص ۲۱۰

۱۲۔ - منتہی الامال ۲/ ۸۱۔ طبع گرادری

۱۳۔ - کشف الغمہ۔ ج ۲۔ ص ۳۲۲

۱۴۔ - ملاحظہ ہو المناقب ج ۵۔ ص ۱۹ بمبئی، اعلام الوریٰ ص ۲٦۵، الارشاد ص ۲۸۸

۱۵۔ - سیرۃ الائمہ الاثنی عشر ج ۲۔ ص ۳۰۳

۱٦۔ - ملاحظہ ہو مطالب السئول ص ۸۲، کشف الغمہ ج ۲۔ ص ۳۷۸، مناقب ابن شہر آشوب ج ۵۔ ص ۵۵ بمبئی، ارشاد شیخ مفید ص ۳۱۵ و مابعد

۱۷۔ - تہذیب التہذیب ۲/ ۱۰۵، حیات الامام الصادق علیہ السلام

للسبیتی ص ۱۷۱' اشعہ من حیات الامام الصادق ج ۳۔ ص ۵۸

۱۸۔ - الخصال للصدوق - ص ۷۹ ' علل الشرائع ص ۳۳۴' امالی شیخ صدوق ص ۱۶۹' مناقب ابن شہر آشوب ج ۳۔ ص ۳۹۵ طبع تہران

۱۹۔ - قرب الاسناد ص ۱۱

۲۰۔ - کافی جلد ۶۔ ص ۴۵۲

۲۱۔ - ملاحظہ ہو اعیان الشیعہ ۲/۴۔ ص ۳۴

۲۲۔ - اعیان الشیعہ۔ ج ۲/۴۔ ص ۳۲' الکافی ج ۶۔ ص ۴۴۳

۲۳۔ - ایضاً۔ ص ۴۴۴

۲۴۔ - الکافی۔ جلد ۶۔ ص ۴۵۰

۲۵۔ - دونوں روایتوں کے لئے دیکھیں الکافی جلد ۶ - ص ۴۶۲' یہاں اس لفظ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے علامہ مجلسی وغیرہ نے اسی کسر یکسر سے لیا ہے جس کے معانی توڑنے کے ہیں جو یہاں مناسب معلوم نہیں ہوتے میرے خیال میں یہ لفظ کسر کسرا سے ہے اور ٹوپی کے حوالے سے یا تو "کسر الطائر جناحیه" یعنی پرندے نے اڑنے کے لئے پروں کو سمیٹا سے ماخوذ ہے اس لئے ترجمہ گھٹی ہوئی ٹوپی ہوگا یا پھر "کسر من طرفه وعلی طرفه" یعنی جھکانا اطراف سے یا نظروں کو جھکانا تو اس مفہوم کے لحاظ سے اس کے معانی اطراف سے لمبی کے ہوں گے یہی بلاغت ہے۔

۲۶۔ - الکافی ج ۶۔ ص ۴۶۰

۲۷۔ - الکافی ج ۶۔ ص ۴۴۳

۲۸۔ - حلیہ الاولیاء الجلد الثالث۔ ص ۱۹۳ مطبوعہ مصر' رجال الکشی ص ۳۳۶

طبع کربلا و منتہی الامال ج ۲۔ ص ۸۴

۲۹۔ - ثواب الاعمال ص ۱۷۳

۳۰۔ - الکافی جلد ۳۔ ص ۸

۳۱۔ - المحاسن للبرقی۔ ص ۴۰۰

۳۲۔ - الکافی جلد ۶۔ ص ۲۷۹

۳۳۔ - حلیتہ الاولیاء ج ۳۔ ص ۱۹۴ مطبوعہ مصر

۳۴۔ - تینوں روایتوں کے لئے ملاحظہ ہو کشف الحقائق ص ۶۳ تا ۶۵

۳۵۔ - المحاسن ص ۴۰۰

۳۶۔ - ایضاً۔ ص ۴۰۱

۳۷۔ - دیکھو بحار الانوار۔ ج ۱' الکافی ج ۸۔ ص ۲۶۴ طبع حجری ذکر امام جعفر
صادقؑ و امالی طوسی ص ۲۶' الکافی جلد ۶۔ ص ۲۷۹

۳۸۔ - اعیان الشیعہ ۲/۴۔ ص ۱۳۶' الصادق للمظفری ۱/ ۲۶۴

۳۹ - رجال الکشی ص ۱۲۱

۴۰۔ الکافی جلد ۴۔ ص ۲۱

۴۱۔ - رجال الکشی ص ۲۳۵

۴۲۔ - الکافی جلد ۴۔ ص ۲۴

۴۳۔ - کافی ج ۴۔ ص ۲۳

۴۴۔ - الکافی ج ۴۔ ص ۶۱

۴۵۔ - الکافی ج ۶۔ ص ۲۷۸

۴۶۔ - الکافی ج ۶۔ ص ۲۷۹

۴۷ـ - الکافی ج۶ - ص۲۷۹

۴۸ـ - الکافی ج۶ - ص۳۲۸

۴۹ـ - ملاحظہ ہو بحار الانوار ج۱۱ طبع حجری

۵۰ـ - الکافی ج۶ - ص۳۶۴

۵۱ـ - الکافی ج۲ - ص۸۳

۵۲ـ - الکافی ج۵ - ص۱۷۴، المناقب ج۵ - ص۵۲ طبع بمبئی

۵۳ـ - الکافی ج۵ - ص۲۸۹

۵۴ـ - الکافی ج۲ - ص۲۰۹

۵۵ـ - الکافی ج۵ - ص۱۲۶

۵۶ـ - الارشاد ص۲۸۹ طبع جدید

۵۷ـ - الارشاد ص۲۷۱

۵۸ـ - ، ۵۹ـ - کفایہ الاثر

۶۰ـ - بحار الانوار ج۱۱ - ص۱۰۸ طبع حجری نیز الارشاد ص۲۸۹، اعلام الوریٰ
ص۲۶۹، الکافی ج۱ - ص۳۰۶

۶۱ـ - عیون اخبار الرضا - ج۱ - ص۴۰ طبع طہران

۶۲ـ - الکافی ج۱ - ص۳۰۶ طبع طہران

۶۳ـ - ملاحظہ صحیح الکافی جلد۱ - ص۳۶

۶۴ـ - میزان الاعتدال ج۱ - ص۱۹۲

۶۵ـ - تہذیب الاسماء واللغات ج۱ - ص۱۳۹

۶۶ـ - فوات الوفیات ج۱ - ص۵۵، الطبقات الشافعیہ ج۵ - ص۱۴، حسن

المحاضرہ للسیوطی ج۱- ص۲۶۷- معظم المطبوعات ص۹۸-ج۲
۶۷ے - نور الابصار ص۳۶۱
۶۸ے - ادب الکاتب بحوالہ زندگانی چہاردہ معصوم ص۹۸ حسین عماد زادہ ایران
۶۹ے - اسعاف الراغبین در حاشیہ نور الابصار ص۲۰۸
۷۰ے - لواقح الانوار و معظم المطبوعات ج۲- ص۱۳۶
۷۱ے - تذکرۃ خواص الامہ ص۱۹۲
۷۲ے - مطالب السئول ج۲- ص۵۵ طبع نجف الاشرف
۷۳ے - الصواعق المحرقہ ص۱۹۹
۷۴ے - بحار الانوار ج۱۱- ص۴۸، المناقب ابن شہر آشوب ج۲- ص۲۷۴ طبع ایران
۷۵ے - جامع مسانید ابی حنیفہ ج۱- ص۲۲۲، مناقب ابی حنیفہ للموفق ج۱- ص۱۷۳، تذکرہ الحفاظ للذھبی ج۱- ص۱۵۷
۷۶ے - التحفہ الاثنی عشریہ ص۸
۷۷ے - مناقب ابی حنیفہ ج۱- ص۱۳۴
۷۸ے - ، ۷۹ے - تہذیب التہذیب ج۲- ص۱۰۲
۸۰ے - المجالس السنیہ محسن الامین ج۵- ص۲۰۹
۸۱ے - مناھج التوسل ص۱۰۶
۸۲ے - رسائل الجاحظ للسندوبی ص۱۰۶
۸۳ے - صحاح الاخبار- ص۴۴
۸۴ے - تاریخ التشریع الاسلامی ص۲۶۳

۸۵۔ - ۸۶۔ - ۸۷۔ - دائرۃ المعارف ج ۶ - ص ۳۶۸

۸۸۔ - الشیعہ بین الاشاعرہ والمعتزلہ بحث الخوارج ھاشم معروف الحسینی

۸۹۔ - الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ - ص ۱۱۸ ومابعد من فرق الخوارج

۹۰۔ - الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ - ص ۱۳۲ ومابعد

نوٹ : الملل والنحل نامی دو کتابیں ہیں ایک شہرستانی کی اور دوسری ابن حزم کی۔ جہاں صرف الملل والنحل کا حوالہ ہو اسے شہرستانی کی کتاب سمجھنا چاہئے اور جہاں ابن حزم کا حوالہ دوں گا ابن حزم کی تصریح کروں گا۔ (مصنف)

۹۱۔ - الامام الصادق والمذاهب الاربعہ ج ۲ - ص ۱۱۶ الجزء الثالث الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ - ص ۱۳۴ ومابعد المذاہب الاسلامیہ ابوزھرہ المصری - ص ۱۰۷ - الفرق بین الفرق - ص ۲۶۳

۹۲۔ - المذاہب الاسلامیہ ص ۱۰۵ - الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ - ص ۱۳۷

۹۳۔ - المذاہب الاسلامیہ ص ۱۰۵ - الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ - ص ۱۲۸

۹۴۔ - عمران بن حطان کے ترجمے کے لئے ملاحظہ فرمائیں رجال صحیح البخاری ج ۲ - ص ۵۷۴ ترجمہ ۹۰۴ الکلاباذی اور التقریب ۲/ ۸۲' التہذیب ۸/ ۱۲۷' ھدی الساری ۴۳۳ وکتاب الجمع بین رجال الصحیحین ج ۱ - ص ۳۸۹ ترجمہ ۱۴۸۴ محمد بن طاہر المقدسی

۹۵۔ - لغات الحدیث ۶۱ - ۶۰ کتاب "ح" از علامہ وحید الزمان

۹۶۔ - الانتصار ص ۱۱۶' مقالات الاسلامیین ج ۱ - ص ۲۷۸' مروج الذہب ج ۶ - ص ۲۳' المذاہب الاسلامیہ ص ۱۷۵' الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۲ - ص ۱۱۹ - ۱۲۰

۹۷ے - ان تمام فرقوں کے تفصیلی مطالعے کے لئے الملل والنحل للشہرستانی ج ا - ص ۴۳ تا ۸۴، المذاہب الاسلامیہ ص ۱۷۳ تا ۲۱۹ اور تاریخ معتزلہ از علامہ جاراللہ ملاحظہ فرمائیں۔

۹۸ے - الملل والنحل ابن حزم ج ا - ص ۱۸۹

۹۹ے - تفصیل کے لئے دیکھئے ابن حزم الملل والنحل ج ۴ - ص ۲۰۴، المذاہب الاسلامیہ ص ۱۶۷ وما بعد، الملل والنحل للشہرستانی ج ا - ص ۱۳۹ تا ۱۳۶

۱۰۰ے - النعمان ص ۱۰۶ - حصہ دوم

۱۰۱ے - مناقب ابی حنیفہ الکروری ج ۲ - ص ۱۳۱

۱۰۲ے - تاریخ بغداد ج ۱۳ - ص ۲۷۳

۱۰۳ے - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو النعمان ص ۱۰۳-۱۰۱ - شبلی نعمانی

۱۰۴ے - الفرق بین الفرق ص ۲۳، الملل والنحل ج ا - ص ۱۱۵

۱۰۵ے - المفید : المسائل الجلیہ فی الرد علی الزیدیہ ورقہ ۳ (مخطوط مکتبہ السید محسن الحکیم برقم ۲۱۸

۱۰۶ے - ثورۃ زید بن علی - ص ۱۴۹

۱۰۷ے - ابن ندیم : الفہرست ص ۲۶۷

۱۰۸ے - ناجی حسن ثورۃ زید بن علی ص ۱۴۹ - STROTH MAN : DAS STAATSRECHE DER ZAIDITEN-P-23

۱۰۹ے - زید بن علی : کتاب الصفوۃ ورقہ ۱۰ مخطوط مصورۃ عن مخطوط المتحف البریطانی برقم ۲۰۳

۱۱۰ے - ثلاث رسائل للجاحظ (نشرھا السندوبی) ص ۲۴۱

۱۱۱ - مقالات الاسلامیین ۱/ ۱۳۴

۱۱۲ - الرصاص : مصباح العلوم ورقہ ۱۶۹ تا ۱۷۰' یحییٰ ابن الحسین الوعد والوعید ص ۳ تا ۵۰' القاسم بن ابراہیم مسائل مشورۃ للقاسم ' یحییٰ بن الحسین المسترشد شد فی التوحید' الاساس فی علم الکلام عند الزیدیہ قاسم بن ابراہیم الرسی وغیرہ میں تفصیل موجود ہے یہ سب مخطوط ہیں امام زید از ابوزھرہ اردو میں موجود ہے۔(تلخیص)

۱۱۳ - المقدسی : البدء والتاریخ ج ۵- ص ۱۳۳-الملل والنحل ج۱- ص ۱۲۱ - الحور العین ص ۱۵۶

۱۱۴ - STROTH MAN : DAS STAATSRECHE DER ZAIDITEN -91

۱۱۵ - النوبختی : فرق الشیعہ ص ۴۸ تا ۵۲

۱۱۶ - مقالات الاسلامیین ج ۲- ص ۱۲۵

۱۱۷ - المناقب ج ۲- ق ۲- ص ۲۳۴ طبع ایران' الذکری للشھید ہجری 'کشف الغمہ ج ۲- ص ۲۲۶ 'اعیان الشیعہ ج ۴- ق ۲- ص ۱۷۱

۱۱۸ - اعلام الوریٰ ص ۲۷۷

۱۱۹ - اعیان الشیعہ ج ۴- ق ۲- ص ۱۷۱

۱۲۰ - الارشاد ص ۳۰۰ ہجری

۱۲۱ - الامام الصادق والمذاھب الاربعہ ج ۱- ص ۶۷

۱۲۲ - نفس المصدر

۱۲۳ - نفس المصدر

۱۲۴۔ - نفس المصدر
۱۲۵۔ - الرجال للنجاشی ۳۱، ضحی الاسلام ج ۳- ص ۳۶۳ ڈاکٹر احمد امین
۱۲۶۔ - البدایہ والنھایہ ج ۱۰- ص ۱۰۷
۱۲۷۔ - مقدمہ اوجز المسالک ص ۵۶
۱۲۸۔ - مناقب النعمان الموفق ج ۱- ص ۵۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱- ص ۱۵۰
۱۲۹۔ - امام اعظم ابوحنیفہ ص ۵۸
۱۳۰۔ - سیرۃ النعمان ص ۴۶ جلد اول
۱۳۱۔ - خلاصہ الکمال - ص ۵۶
۱۳۲۔ - تاریخ بغداد ج ۸- ص ۱۸۸ والخلاصہ ص ۴۷
۱۳۳۔ - نفس المصدر
۱۳۴۔ - تہذیب التہذیب ج ۱- ص ۲۶۰ - ۲۸۲
۱۳۵۔ - معلم کبیر ج ۲- ص ۹۷ - ۹۶
۱۳۶۔ - معلم کبیر ج ۲- ص ۱۰۰
۱۳۷۔ - ملاحظہ فرمائیں الامام الصادق ص ۴۵ - ۲۱۵
۱۳۸۔ - بحار الانوار ج ۴- ص ۳۱ طبع جدید
۱۳۹۔ - بحار الانوار ج ۴- ص ۳۲ طبع جدید
۱۴۰۔ - التوحید ص ۱۱۲، بحار الانوار ج ۴ - ص ۳۳، الامالی ص ۳۳۴ - المجلس الرابع والستون ح ۳
۱۴۱۔ - بحار الانوار ج ۴- ص ۵۴ طبع جدید
۱۴۲۔ - التوحید ص ۷۶، بحار الانوار ج ۴- ص ۱۴۰

۱۴۳؎ - التوحید ص ۳۶۴- بحارالانوار ج ۵- ص ۱۱۲

۱۴۴؎ - التوحید ص ۳۶۴ حاشیہ

۱۴۵؎ - نفس المصدر ص ۳۶۵

۱۴۶؎ - بحارالانوار ج ۵- ص ۱۱۲

۱۴۷؎ - مراۃ العقول للمجلسی ج ۲- ص ۱۷۹

۱۴۸؎ - بحارالانوار ج ۵- ص ۱۱۲ طبع تہران ۱۳۷۶ س

۱۴۹؎ - اصول الکافی ج ۱- ص ۱۵۶

۱۵۰؎ - اصول الکافی ج ۱- ص ۱۵۸

۱۵۱؎ - مراۃ العقول ج ۲- ص ۱۸۳

۱۵۲؎ - اصول الکافی ج ۱- ص ۱۵۸ طبع علی اکبر غفاری- الاعراف آیت ۲۸

۱۵۳؎ - اصول الکافی ج ۱- ص ۱۵۸

۱۵۴؎ - صحیح الکافی ج ۱- ص ۲۰-۱۹

۱۵۵؎ - مراۃ العقول للمجلسی ج ۲- ص ۱۸۷

۱۵۶؎ - اصول الکافی ج ۱- ص ۱۵۹- ح ۱۰

۱۵۷؎ - نفس المصدر ح ۹

۱۵۸؎ - التوحید للصدوقؒ ص ۲۲۴

۱۵۹؎ - من المصنف ھذا الکتاب

۱۶۰؎ - ومن ھنا الی آخرہ جزء من الروایہ

۱۶۱؎ - التوحید ص ۲۲۶-۲۲۷

۱۶۲؎ - کما صرح بہ الشیخ الصدوقؒ فی کتابہ التوحید ص ۲۲۹

۱۶۳ ـ العنکبوت : ۱۷

۱۶۴ ـ ص : ۷

۱۶۵ ـ التوحید ص ۲۲۵

۱۶۶ ـ مفصل فاصلے والی۔ موصل جن آیات میں وصل ہو یعنی باہم ملی جلی ایک ہی مطلب کے مسلسل بیان والی۔

۱۶۷ ـ البقرہ : ۲۳۳-۲۸۶، الانعام : ۱۵۲، الاعراف : ۴۲، المومنون : ۶۲

۱۶۸ ـ الانعام : ۱۶۴، والاسراء : ۱۵، فاطر : ۱۸، الزمر : ۷

۱۶۹ ـ النجم ۳۹

۱۷۰ ـ التوحید ص ۴۰۷

۱۷۱ ـ التوحید ص ۴۰۶-۴۰۵

۱۷۲ ـ اشعہ من بلاغہ الامام الصادقؑ ص ۲۲-۲۳ للشیخ عبدالرسول الواعظی

۱۷۳ ـ فرق الشیعہ للنوبختی ص ۴۹

۱۷۴ ـ روضہ الکافی ص ۳۶۳ حدیث نمبر ۵۳

۱۷۵ ـ سیرۃ النعمان ص ۱۱۳-۱۰۷

۱۷۶ ـ اشعہ من بلاغہ الامام الصادق ص ۳۲ تا ۱۳ الشیخ عبدالرسول الواعظی و اصول الکافی کتاب الایمان وا لکفر ج ۳ ـ ص ۶۲-۵۶ بالترجمہ فارسی یہ پوری حدیث اسماعیلی فرقے کی مشہور کتاب دعائم الاسلام ج ۱ ـ ص ۴ تا ۱۱ پر چند اضافوں کے ساتھ موجود ہے۔ طبع دار المعارف القاہرہ

۱۷۷ ـ یہ آیت حضرت عمار یاسر کے بارے میں نازل ہوئی۔ تفسیر صافی

ص ۲۸۱ آیہ مذکورہ (النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۶)

۱۷۸ــ ۔ الفہرست للطوسی ص ۴۰

۱۷۹ــ ۔ النجاشی ص ۷۔ خلاصہ الرجال ص ۱۲، جامع الرواۃ ج ۱ ص ۹، وسائل جلد ۲۔ ص ۱۱۶

۱۸۰ــ ۔ معجم الادباء ج ۱۔ ص ۱۱۷

۱۸۱ــ ۔ میزان الاعتدال ج ۱۔ ص ۴

۱۸۲ــ ۔ طبقات ابن سعد ج ۶۔ ص ۲۵۰ نیز ملاحظہ فرمائیں۔ تہذیب التہذیب ابن حجر ۱/۹۳ فہرست ابن ندیم ۳۰۸ بغیہ الوعاۃ ۱۷۶، شذرات الذہب ۱/۲۵۰، طبقات القراء للجزری ۱/۸۶ وغیرہ

۱۸۳ــ ۔ جامعہ الرواۃ ج ۱ ص ۹ و قاموس الرجال تذکرہ ابان۔

۱۸۴ــ ۔ منہج المقال ص ۸۶

۱۸۵ــ ۔ فہرست ابن ندیم ص ۳۰۸

۱۸۶ــ ۔ لسان المیزان ص ۲۴

۱۸۷ــ ۔ الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۴۷

۱۸۸ــ ۔ نفس المصدر ج ۲۔ ص ۶۰

۱۸۹ــ ۔ النجاشی ص ۱۰، تنقیح المقال ج ۱۔ ص ۶ للمامقانی۔

۱۹۰ــ ۔ جامع الرواۃ ج ۱۔ ص ۱۲، تنقیح المقال ج ۱۔ ص ۷۔ ۶

۱۹۱ــ ۔ ان کے تذکرے کے لئے دیکھیں معجم الادباء ج ۱۔ ص ۹۔ ۱۰۸، لسان المیزان ۱/۲۴، بغیہ الوعاۃ ۱۷۷، الفہرست للطوسی ۱۸، منہج المقال ص ۱۶ للاستر آبادی، تنقیح المقال للمقامانی ج ۱۔ ص ۷۔ ۵، جامع الرواۃ ج ۱۔ ص ۱۵

۱۲ـ

۱۹۲ـ - الکشی ۱۰۷ بسند صحیح ص ۱۲۰' جامع الرواۃ ج ۱۔ ص ۱۳۹' تنقیح المقال ج ۱۔ ص ۱۸۱

۱۹۳ـ - النجاشی ۹۲ - خلاصہ ۱۸ - الفہرست للطوسی ۶۹' جامع الرواۃ ۱/۱۶۵' الکشی طبع کربلا ۲۱۶

۱۹۴ـ - الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۲۔ ص ۶۲

۱۹۵ـ - جامع الرواۃ ج ۱۔ ص ۲۷۰' رجال الشیخ ۱۷۳' ۳۴۶

۱۹۶ـ - النجاشی ۱۰۱ - خلاصہ ۲۸' الفہرست للطوسی ۹۱' جامع الرواۃ ۱/۱۷۵' الکشی ۲۸۶

۱۹۷ـ - رجال الکشی ص ۲ - ۲۲۰ طبع کربلا

۱۹۸ـ - تنقیح المقال ج ۳ - تذکرہ ہشام

۱۹۹ـ - اصول کافی ج ۲۔ ص ۱۳

۲۰۰ـ - الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۲۔ ص ۸۲

۲۰۱ـ - مصنفات ہشام و مناظرات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۲۔ ص ۸۵ - ۸۳

۲۰۲ـ - ہشام کے تفصیلی تذکرے کے لئے دیکھیں فہرست ابن ندیم ۲۴۹' الملل والنحل ج ۱۔ ص ۳۰۸ و لسان المیزان ج ۶ - ص ۱۹۴' المراجعات شرف الدین ص ۳۰۱ - ۳۰۰' والانتصار المواضع' ضحی الاسلام احمد امین ج ۳ - ص ۲۶۸' العقد الفرید ج ۱۔ ص ۳۶۰' عیون الاخبار لابن قتیبہ ۲/۱۵۰' جامع الرواۃ ۲/۳۱۳' نسج المقال ۳۵۶

۲۰۳ھ – الکشی ص۳۲۶ طبع کربلا

۲۰۴ھ – ملاحظہ فرمائیں جامع الرواۃ ۲/۲۲۸

۲۰۵ھ – نفس المصدر

۲۰۶ھ – تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں منہج المقال ص٦٦' جامع الرواۃ ۱/۱۱۷'
الامام الصادق۔ المظفر ص۱۴۷' الکشی ص۸–۲۰۶

۲۰۷ھ – جامع الرواۃ ۱/۱۶۷

۲۰۸ھ – جامع الرواۃ ۱/ ۲۷۳' خلاصہ تہذیب الکمال ۷۸' منہج المقال ۱۲۲

۲۰۹ھ – تہذیب التہذیب ۲/۱۸۷' المعارف لابن قتیبہ ۲۶۸

۲۱۰ھ – الکشی ص۲۹۸

۲۱۱ھ – الکشی ۲۹۸' جامع الرواۃ ۱/۲۸۱' خلاصہ الرجال ۲۷

۲۱۲ھ – تفصیل کے لئے لسان المیزان ۵/ ۲۰۰' فہرست ابن ندیم ۲۵۰' الملل والنحل للشہرستانی ۱/ ۱۱۳' جامع الرواۃ ۱/۱۵۸' ضحی الاسلام ۳/۱–۲۷۰' منہج المقال ۲۱۰' الفہرست للطوسیؒ ص۱۳۱' لباب الانساب ۲/ ۴۲' الکنی والالقاب ۲/۹–۲۹۸'
الکشی ۱۹۳

۲۱۳ھ – الکنی والالقاب ج۲۔ ص۲۹۸

۲۱۴ھ – الامام الصادق والمذاہب الاربعہ جلد۲۔ ص۴۷

۲۱۵ھ – جہاں تک فقہی مدارس کا تعلق ہے تو ان بڑے فقہی مدارس نے بعد میں یہ صورت اختیار کی ورنہ ابتداء میں ان کی یہ حیثیت نہ تھی مدینہ میں سعید بن مسیب' قاسم بن محمد' یسار ابن شہاب زہری' امام باقرؑ' ابوزناد مکہ میں عکرمہ مولی ابن عباس' عطا بن ابی رباح۔ کوفہ میں علقمہ بن قیس' مسروق' اسود بن یزید' شریح

بن حارث ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، بصرہ میں انس بن مالک، مولی محمد بن سیرین اور قتادہ۔ شام میں قبیصہ بن ذوئب، مکحول، عمر بن عبدالعزیز، مصر میں یزید بن ابی حبیب، یمن میں یحیٰی بن ابی کثیر وغیرہ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے اور ان کے مقلدین ان فقہاء سے زیادہ تھے بعد میں حکومت کی سرپرستی میں ان فقہوں نے عروج حاصل کیا۔

۲۱۶۔ الامام جعفر الصادق للمستشار عبدالحلیم الجندی طبع بالمجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ جمہوریہ مصر العربیہ ص ۱۵۸

۲۱۷۔ نفس المصدر ص ۱۵۹

۲۱۸۔ حدائق الحنفیہ ص ۱۷ مولانا فقیر محمد

۲۱۹۔ المناقب للموفق ۱/۵۹

۲۲۰۔ نفس المصدر ۱/۵۸

۲۲۱۔ نفس المصدر ص ۵۹ و ابوحنیفہ : ابوزہرہ ص ۱۰

۲۲۲۔ یہاں ترجمہ غلط ہے عربی کی رو سے ترجمہ ہونا چاہئے کہ "کوئی مسئلہ نہیں چھوڑا۔"

۲۲۳۔ حضرت ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۳-۲-۲۸۱، جامع المسانید للامام ابی حنیفہ ۱/۲۲۲، مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ - ص ۳۸۱ طبع تہران، بحار الانوار

۲۲۴۔ الصادق للجندی ص ۱۶۳

۲۲۵۔ الموفق ص ۱/۱۳۴

۲۲۶۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۲۸۲ حاشیہ

۲۲۷۔ — الامام جعفر الصادق 'عبد الحلیم الجندی ص ۱۴۲

۲۲۸۔ — کتاب الاثار لابی یوسف ص ۱۳۲

۲۲۹۔ — الامام الصادق للاستاذ ابو زہرہ ص ۴-۲۵۳

۲۳۰۔ — الامام الصادق 'ابو زہرہ ص ۲۵۲

۲۳۱۔ — الکافی والمختصر المختار من سیرۃ الائمہ الاطہار (الملخص من الارشاد للمفید) ص ۱۳۵ للشیخ فضل اللہ الحائری

۲۳۲۔ — عبد الحلیم جندی : الامام جعفر الصادق ص ۱۳۹

۲۳۳۔ — صحیح الکافی ج ۲-ص ۱۷۷-۱۸۰ ' باقر البہبودی ' مزید من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱- ص ۱۶۱ ' التہذیب ج ۱- ص ۵۳۸ و ۵۴۲ ' الفروع ج ۱- ص ۲۶۷ ' التہذیب ۱/۵۳۸

۲۳۴۔ — نمبر ۴'۵ کے لئے الفروع من الکافی ۱/۲۶۸' التہذیب ۱/۵۳۸ وغیرہ

۲۳۵۔ — الموطا کتاب الحج باب ھدی المحرم اذا اصاب اھلہ ص ۱۵-۳۵۰

۲۳۶۔ — اس سلسلے میں آیہ اللہ العظمی ابو القاسم الخوئی اور امام روح اللہ الخمینی کی مناسک حج میں فتاوی دیکھے جا سکتے ہیں۔

۲۳۷۔ — حسن التقاضی ص ۸۷- محمد زاہد الکوثری المحدث۔

۲۳۸۔ — تاریخ التشریع الاسلامی لمؤلفہ المرحوم محمد بک الخضری المطبوعہ با لمکتبہ عیسٰی البابی الحلبی عصر سنہ ۱۹۳۰ھ - ص ۷۳-۲۳۶ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا حبیب احمد ہاشمی نے کیا ہے۔ ص ۱۵-۲۵۰ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی۔

۲۳۹۔ — اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ترجمہ الانصاف فی بیان سبب

الاختلاف لولی اللہ الدھلوی از مولانا صدر الدین اصلاحی ص ۴۲-۴۱

۲۴۰ - ادب الاختلاف فی الاسلام ص ۱۵-۱۱۴ ڈاکٹر طہ جابر فیاض العلوانی بحوالہ کتاب الانتقاء ص ۱۲ ابن عبد البر المالکی۔

۲۴۱ - الانتقاء ص ۱۱

۲۴۲ - نفس المصدر

۲۴۳ - تزیین الممالک للسیوطی ص ۵، الانتقاء ص ۱۲

۲۴۴ - نفس لمصادر

۲۴۵ - الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۴- ص ۷۷۹ نقلا عن التجرید للذھبی

۲۴۶ - محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ص ۸۹

۲۴۷ - تزیین الممالک ص ۵ للسیوطی۔

۲۴۸ - جامع الترمذی ج ۲- ص ۱۰۸ طبع سعیدی کلاں مع نفع قوت المغتذی للشاذلی

۲۴۹ - نفس المصدر

۲۵۰ - الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ۱/۲۹۳

۲۵۱ - حیات مالک ص ۱۴۱ و مدارک ص ۶۱ قاضی عیاض

۲۵۲ - تزیین الممالک ص ۱۵-۱۶

۲۵۳ - تاریخ الفقہ ص ۲۴۱

۲۵۴ - تاریخ فقہ اردو ترجمہ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی۔

۲۵۵ - معجم الادباء ج ۱۷- ص ۲۷۵

۲۵۶ - الانتقاء ص ۲- ج ۲

۲۵۷ۓ - طبقات الفقہاء ص ۴۳

۲۵۸ۓ - قرۃ العینین ص ۱۷۱

۲۵۹ۓ - الجواہر المضیئہ ج ۲- ص ۴۲۱- ۴۲۲

۲۶۰ۓ - تاریخ الفقہ ص ۲۴۲- ۲۴۳

۲۶۱ۓ - مناقب الشافعی للفخر الرازی ص ۳-۵ اور حاشیہ الانتقاء ص ۶۶ اور الشافعی لمحمد ابو زہرہ ص ۱۵

۲۶۲ۓ - طبقات الشافعیہ ج ۱- ص ۱۰۰

۲۶۳ۓ - مناقب الشافعی ص ۶ ' طبقات السبکی ج ۱ - ص ۱۰۰-۲۴۹' توالی التاسیس لابن حجر ص ۴۶ و مشارق الانوار للعدوی ص ۱۸۱ و غیرھا-

۲۶۴ۓ - معجم الادباء ج ۱۷- ص ۲۸۵

۲۶۵ۓ - البدایہ والنھایہ : ابن کثیر ج ۱۰- ص ۲۵۲

۲۶۶ۓ - معجم الادباء ج ۱۷- ص ۲۸۵

۲۶۷ۓ - تہذیب الاسماء واللغات للامام النووی ج ۱- ص ۴۶' الحلیہ ج ۹- ص ۷۰' معجم الادباء- ج ۱۷- ص ۲۸۴

۲۶۸ۓ - تاریخ بغداد ج ۲- ص ۶۳

۲۶۹ۓ - مناقب الشافعی : فخر الدین الرازی ص ۱۰

۲۷۰ۓ - حلیہ الاولیاء ص ۸۵- ج ۹

۲۷۱ۓ - الانتقاء ص ۹۶

۲۷۲ۓ - مناقب الشافعی لابن حجر ص ۱۷ و مفتاح السعادۃ لابن القیم ص ۵۶۵

۲۷۳ۓ - کتاب الام ج ۱- ص ۵۸

۲۷۴ - کتاب الام ج ا- ص ۴۷

۲۷۵ - کتاب الام ج ۷- ص ۹۴

۲۷۶ - کتاب الام ج ۵- ص ۵۹- ۴۴- ۱۴۴- ۱۳۵- ۱۸۳

۲۷۷ - الاحیاء ۲/ ۱۹۰

۲۷۸ - قوت القلوب للمکی ج ۴- ص ۱۳۵

۲۷۹ - احمد امین- ضحی الاسلام ج ۲- ص ۲۳۱

۲۸۰ - فلسفہ التشریع فی الاسلام ص ۵۸

۲۸۱ - مناقب الشافعی للرازی ص ۶۹

۲۸۲ - مناقب الشافعی للرازی ص ۶۸

۲۸۳ - مقدمہ کتاب الرسالہ مطبوعہ ص ۱۱

۲۸۴ - الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۲- ص ۲۰۷

۲۸۵ - مناقب الشافعی للرازی ص ۵۰

۲۸۶ - تہذیب الاسماء واللغات ج ا- ص ۱۵۶، الفہرست لابن ندیم ص ۳۲۲، معرفہ علوم الحدیث للحاکم ص ۴۲

۲۸۷ - کتاب القضاۃ للکندی ص ۴۲۸

۲۸۸ - مناقب الشافعی للرازی- ص ۱۱۵

۲۸۹ - تاریخ التشریع الاسلامی ص ۲۴۵ خضری بک

۲۹۰ - مناقب الشافعی للرازی ص ۸۴

۲۹۱ - البدایہ والنہایہ ج ۹- ص ۳۲۷، وطبقات الحنابلہ للقاضی محمد بن ابی یعلی ج ا- ص ۲۸۲ و آداب الشافعی ص ۹۵ لابی حاتم

۲۹۲ـ - مناقب الشافعی للرازی ص ۸۴

۲۹۳ـ - نفس المصدر ص ۵۰

۲۹۴ـ - المناقب لابن جوزی ص ۲۶ ' طبقات الحنابلہ ج ۱ - ص ۴ لقاضی ابن ابی علی۔

۲۹۵ـ - مناقب الاحمد لابن جوزی ص ۲۶ ' الامام احمد بن حنبل ابو زہرہ ص ۵۳

۲۹۶ـ - احمد بن حنبل ص ۵۷ ابو زہرہ

۲۹۷ـ - البدایہ والنہایہ ج ۱ - ص ۳۲۶ ' تاریخ ابن خلکان ج ۱ - ص ۴۷ ' تہذیب ج ۱ - ص ۷۲

۲۹۸ـ - المناقب لابن جوزی ص ۲۱

۲۹۹ـ - نفس المصدر

۳۰۰ـ - احمد بن حنبل از ابو زہرہ ص ۹۰ والحدیث والمحدثون ص ۴۷۳ محمد ابو زھو المصری

۳۰۱ـ - امام احمد بن حنبل از ابو زہرہ ص ۱۹۲ واضح رہے کہ اس کتاب کی اصل عربی ہمیں باوجود کوشش کے حاصل نہیں ہو سکی مندرجہ حوالے اس کے اردو ترجمے مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد سے لئے گئے ہیں اس کا ترجمہ رئیس احمد جعفری صاحب نے کیا ہے۔

۳۰۲ـ - السنہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی ص ۴۲۱

۳۰۳ـ - فلسفہ التشریع الاسلامی ص ۶۵ - ۶۴

۳۰۴ـ - ابن ندیم ص ۳۲۰ - ۳۲۴

۳۰۵ـ - المعارف ص ۲۱۶ ومابعد مطبوعہ مطبع اسلامیہ مصر ۱۹۳۴

۳۰۶ـ – مناقب الامام احمد ص ۵۶ لابن جوزی

۳۰۷ـ – الطبقات لابن ابی یعلی ص ۳۹

۳۰۸ـ – احمد بن حنبل ص ۲۶۹ بحوالہ مناقب ابن جوزی

۳۰۹ـ – الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۱۳۶

۳۱۰ـ – طبقات الشافعیہ ج ۱- ص ۲۷۰' احمد بن حنبل والمحنہ ص ۲۶۶

۳۱۱ـ – طبقات الشافعیہ ۱/۲۷۶' احمد بن حنبل والمحنہ ۳۶۷

۳۱۲ـ – شذرات الذہب ۲/۶۷

۳۱۳ـ – الخلاصہ للخزرجی ص ۱۳۷

۳۱۴ـ – الخلاصہ للخزرجی ص ۱۸۷' شذرات الذہب ج ۲- ص ۴۴

۳۱۵ـ – امام زید ص ۲۲- ۲۳ (عربی)

۳۱۶ـ – تہذیب العساکر ج ۵ ص ۱۵ لابن عساکر

۳۱۷ـ – المرجع السابق ۶/۱۸

۳۱۸ـ – الحلی الحدائق الوردیہ فی مناقب الائمہ الزیدیہ ۱/ ۱۴۳ (مخطوطہ مکتبہ آل کاشف الغطاء برقم ۷۱۳)

۳۱۹ـ – الطبقات ۵/ ۲۲۰' الطبری ۸/ ۲/۷' المفید : الارشاد ص ۲۴۸

۳۲۰ـ – المعارف لابن قتیبہ ص ۲۲۶' الطبری ۸/ ۷۱/ ۴

۳۲۱ـ – المعارف ۲۱۵

۳۲۲ـ – المرجع السابق

۳۲۳ـ – البخاری سر الانساب العلویہ ص ۳۲- ۵۶' الحدائق الوردیہ ۱/ ۴۵

۳۲۴ـ – تاریخ فرات کوفی ص ۱۷' امالی صدوق ص ۳۳۵- ۳۳۶

۳۲۵ - ابن عبد البر : الاستیعاب ۴/۱۸۵۹

۳۲۶ - ابن سعد، الطبقات ۵/۲۴۰، تہذیب تاریخ ابن عساکر ۶/۱۹

۳۲۷ - صفوۃ الصفوۃ ۲/۵۲، وفیات الاعیان ۲/۳۵۹

۳۲۸ - امام زید ص ۳۲ (عربی)

۳۲۹ - نفس المصدر

۳۳۰ - الامام زید ص ۴۰ (عربی)، نقلا عن المرتضی فی المنیہ والامل

۳۳۱ - الامام زید ص ۳۸ (عربی)

۳۳۲ - الامام زید ص ۷۰ (عربی)

۳۳۳ - ابوزہرہ : امام ابوحنیفہ ص ۲۴۹ ترجمہ حریری

۳۳۴ - گریفنی (GRIFFINI) نے میلانو سے ۱۹۱۹ء میں طبع کی۔

۳۳۵ - یہ کتاب عباس بن احمد حسینی یمنی کے تتمے کے پانچ اجزاء کے ساتھ طبع ہوئی ہے مطبع سعادہ مصر ۱۳۴۹ھ۔

۳۳۶ - الفصول اللؤلؤیہ فی اصول الزیدیہ ص ۲۹۰

۳۳۷ - یہ فتاویٰ المجموع فی الفقہ میں موجود اور جمع ہیں۔ از قلم صارم الدین ابراہیم بن عبدالھادی (م - ۹۱۴ھ) مخطوطہ دار الکتب المصریہ والامام، زید ابوزہرہ ص ۳۳۴ (عربی)

۳۳۸ - ابوحنیفہ ص ۱۹۱، محمد ابوزہرہ مصری ترجمہ حریری

۳۳۹ - فلسفہ التشریع الاسلامی ص ۸۲

۳۴۰ - الشیعہ فی الاسلام ص ۵۲-۱۵۳ المکتبہ الاسلامیہ طہران

۳۴۱ - درر الحادیث النبویہ ص ۱۰۰ مطبوعہ موسسہ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۳۴۲ - رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ ص ۲۰۳ تالیف علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمن الدمشقی العثمانی الشافعی۔

۳۴۳ - نفس المصدر ص ۲۰۵ طبع مصطفیٰ البابی الحلبی القاہرہ

۳۴۴ - الفروع ج ۲ - ص ۲۳

۳۴۵ - الفروع ج ۲ - ص ۲۵

۳۴۶ - الفروع ج ۲ - ص ۲۵ 'والتہذیب ۴/۳ من کتاب النکاح

۳۴۷ - المسند للامام الصادق ص ۱۵ - ج ۱

۳۴۸ - المصدر السابق ص ۱۴ طبع بیروت

۳۴۹ - المسند/ ۲۳

۳۵۰ - نقلا عن ابی زہرہ فی الامام الصادق ص ۲۷۲

۳۵۱ - الامام الصادق ص ۳۱۷ لابو زہرہ

۳۵۲ - الامام الصادق لابو زہرہ ص ۴۴۸۵

۳۵۳ - الصواعق المحرقہ ص ۱۲۴

۳۵۴ - تاریخ الاسلام للذہبی ۳/ ۳۱۰ و تاریخ ابن کثیر ۹/ ۶۰

۳۵۵ - ابن کثیر ۹/ ۷۱

۳۵۶ - الطبری ۸/ ۶۱ و تاریخ الاسلام للذہبی ۳/ ۳۱۰

۳۵۷ - مختصر تاریخ البلدان لابی بکر احمد بن ابراہیم المعروف بابن فقیہ ص ۱۰۷

۳۵۸ - الدرۃ الثمینہ لابن نجار ص ۸۵

۳۵۹ - ایضاً ص ۸۱

۳۶۰ - تاریخ ابن کثیر ۹/ ۷۶ - ۷۴

۳۶۱ـ الدرۃ الثمینہ ۸۱ والطبری ۸/۶۵

۳۶۲ـ السخاوی فی التحفہ ج ۳ - ص ۳۸۱

۳۶۳ـ الطبری ۸/۹۳

۳۶۴ـ الجمع بین رجال الصحیحین ج ۲ - ص ۵۹۳ ترجمہ نمبر ۲۳۱۳

۳۶۵ـ ایضاً

۳۶۶ـ دیکھو طبری و ابن خلدون وغیرہ

۳۶۷ـ ابن عساکر ۵/۸۲

۳۶۸ـ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۱۰/۴ والطبری ۸/۲۹۹

۳۶۹ـ تاریخ الامم والملوک للطبری ج ۹ - ص ۱۹۴ - ۱۹۶، تاریخ ابن خلدون ۶/۹۳

۳۷۰ـ النجوم الزاھرۃ لجمال الدین الاتابکی ج ۲ - ص ۶

۳۷۱ـ سمط النجوم العوالی للوصابی المکی ج ۳ - ص ۲۳۹

۳۷۲ـ عیون الادب والسیاسہ لابی الحسن علی بن عبدالرحمٰن بن ھذیل ص ۱۹۳

۳۷۳ـ مہج الدعوات ص ۱۷۵، بحار ج ۱۲ طبع کمپانی اردو ترجمہ ص ۲۱۱ ومابعد

۳۷۴ـ بحار الانوار جلد ۱۲ طبع کمپانی ملخصاً و مہج الدعوات ص ۱۹۲ اردو ترجمہ ص ۲۱۵ ومابعد

۳۷۵ـ الاصول من الکافی ۳/۲۴۳

۳۷۶ـ ایضاً ۳/۲۴۲